فقہ اور ہدایہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے قیمتی تحفہ



دوسرا ایڈیشن

تلخیصِ ہدایہ ثانی

کاوش
محمد انس عبدالرحیم



تعریفات ومبادی

ہر باب کے اہم ضوابط

مفتی بہ اقوال

مسائل ودلائل کی تفہیم

صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر
0315-2145846

تلخیص ہدایہ ثانی

کاوش:

مفتی محمد انس عبدالرحیم

مدیر صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر
نگران دارالافتاء جامعۃ السعید کراچی

کتاب کا نام: تلخیص ہدایہ ثانی

کاوش: محمد انس عبد الرحیم

اشاعت اول: ربیع الاول 1445 ہجری

ناشر: صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

ملنے کے پتے:

- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن (گرومندر) کراچی سے طلب کیا جاسکتا ہے۔
- صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر سے براہ راست مناسب ریٹ پر طلب کرنے کے لیے ان نمبرات پر واٹس ایپ کریں:

03212861523....03152145846

مزید تفصیلات کے لیے وزٹ کریں:

www.suffahpk.com

فہرست

تقریظ سعید الملۃ الشیخ المفتی سعید احمد مدظلہم العالی............ 28

تقریظ مفتی زبیر احمد صاحب مدظلہم............ 30

عرض مؤلف............ 31

کتاب النکاح............ 34

نکاح کے لغوی وشرعی معنی:............ 34

نکاح کا حکم............ 34

ارکان نکاح............ 34

الفاظ نکاح کی بحث............ 35

الفاظ نکاح کا قاعدہ............ 36

شرائط نکاح............ 36

کیا گواہ کا عادل ہونا شرط ہے؟............ 36

حل عبارت:............ 38

مسلمان کا کتابیہ سے نکاح............ 38

باپ، وکیل اور ایک گواہ کی موجودگی............ 39

فقہی قاعدے:............ 39

اختلافی مسائل کا خلاصہ:............ 39

احناف کا آپس میں اختلاف:............ 40

باب المحرمات............ 40

حرمت نکاح کی 16 اقسام:......................40
سات محرمات ابدیہ:......................42
سسرالی محرمات:......................43
رضاعی محرمات:......................43
جمع بین المحارم:......................44
حرمت مصاہرت:......................44
حرمت مصاہرت کی شرائط......................45
مجتہد فیہ محارم......................47
خلاصۂ کلام......................49
آزاد پر باندی سے نکاح......................49
عدت نکاح کے قائم مقام، تین ایک جیسے مسائل......50
پہلے دو مسائل اور ان کے دلائل وجوابات......51
حرہ کی عدت کے دوران باندی سے نکاح......52
اقسام فراش:......................52
فراش باطل:......................52
فراش قوی:......................53
فراش متوسط:......................54
فراش ضعیف:......................54
نکاح موقت اور متعہ میں فرق:......................55
نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا:......................56
حل عبارت:......................56
معرکۃ الآرا مسئلہ، قضاء القاضی بشہادۃ الزور......56
بین الائمہ اختلافی مسائل:......................57

وہ مسئلہ جس میں امام مالک کے ساتھ اختلاف ہے:...58
عنوان المسئلہ 58
احناف 58
مالکیہ 58
غلام دو بیویاں کرے یا چار ؟ 58
دو ہی شادیاں کر سکتا ہے۔ 58
چار کر سکتا ہے 58
وہ مسائل جن میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے:..58
باب الاولیاء والاکفاء 58
اپنی مرضی سے نکاح 58
باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا 59
استیذان کی صورتیں 60
زنا سے پردۂ بکارت زائل ہو جائے 61
نکاح ہونے نہ ہونے کا اختلاف 61
نابالغ کا ولی کون؟ 62
بالغہ مجنونہ کا ولی 64
ولایت اجبار کا تعلق صغر سے ہے یا بکارت سے؟ 65
خیار بلوغ اور خیار عتق میں فرق 65
جب ولی اقرب سے استفادہ ممکن نہ ہو 67
غیبۃ منقطعہ کی تعریف 67
باب الکفاءۃ 68

وہ امور جن میں کفاءت (برابری) ضروری ہے 68
فائدہ: 68
مہر مثل سے کم پر نکاح 69
فصل فی الوکالۃ بالنکاح وغیرھا......70
وکالت نکاح کی جائز صورتیں 70
نکاح فضولی کی جائز وناجائز صورتیں 72
ایک جانب سے اصیل دوسری جانب سے فضولی......73
لڑکی کے بجائے باندی 75
باب المہر......76
تعین اور جہالت مہر کی صورتیں......76
مہر شرعی یا اقل مہر: 77
مہر مثل: 77
مہر فاطمی: 77
مہر مسمی: 78
متعہ: 78
خلوت صحیحہ: 79
خلوت فاسدہ: 80
خلوت فاسدہ کی صورتیں......81
طلاق قبل الدخول کی صورتیں 82
نکاح شغار (وٹہ سٹہ) 83
بیوی کی خدمت اور تعلیم کو مہر بنایا جاسکتا ہے؟......83

مالا یحتمل التعیین اور ما یحتمل التعیین 86
متردد مہر کی صورتیں 89
مجہول چیز کو مہر بنانے کی صورتیں 91
جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں! 92
نکاح صحیح اور فاسد کے درمیان فروق اور مشترکات ... 94
بیع اور نکاح کی وکالت میں فرق 95
مہر وصولی تک پاس نہ آنے دینا 96
مقدار مہر اور اصل مہر میں اختلاف کی چھ صورتیں 97
1۔ مقدار مہر میں اختلاف: 97
تحالف کی صورت 99
ایک تعارض کا جواب 99
فائدہ: 100
2۔ نفس مہر میں اختلاف: 100
3،4۔ احد الزوجین کے انتقال کے بعد اختلاف: 101
5،6۔ زوجین کے انتقال کے بعد اختلاف: 101
مسائل کا چارٹ 102
ہدیہ یا مہر؟ 103
باب نکاح اھل الشرک 103
غیر مسلموں کے نکاح اور مہر کی صورتیں 103
نکاح کی صورتیں 107
ذمی خمر یا خنزیر کو مہر بنائیں پھر مسلمان ہو جائیں 108
نقشہ مسائل 110

اسباب تفریق 110

تفریق کا سبب اسلام یا اسلام سے انکار؟ 111

قاعدہ: 113

تفریق کا سبب تباین دارین یا قیدی بننا؟ 114

مرد کا ارتداد سبب تنسیخ یا سبب طلاق؟ 116

باب القسم 117

ایک سے زائد نکاح اور ان کے درمیان عدل 117

بیویوں میں برابری کے احکام 117

باب الرضاع 119

مقدار رضاعت: 119

مدت رضاعت: 119

رضاعی محرمات 121

لبن مخلوط کی صورتیں 123

چند عجیب صورتیں 125

کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلادیا 127

تین فقہی قاعدے: 130

نکاح کے بعد رضاعت کا ثبوت 131

فقہی قاعدے 132

کتاب الطلاق 133

تقسیم باعتبار طریقۂ طلاق 133

طلاق احسن کے افضل ہونے کی وجوہات 133

طلاق حسن بدعت یا سنت؟..........................134

سنت فی الوقت اور سنت فی العدد..........................135

غیر مدخولہ، آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کے لیے سنت فی الوقت135

غیر مدخولہ، آئسہ اور صغیرہ کے لیے سنت فی العدد....137

حاملہ کے لیے سنت فی العدد..........................137

اکٹھی تین طلاق بدعت یا جائز؟..........................138

اہم جزئیات..........................140

1۔ طلاق طہر کے شروع میں دے یا آخر میں؟ 140

2۔ رجعی کے بجائے بائن طلاق دینا:..........................140

شرعی عذر میں طلاق کے احکام..........................141

طلاق سنت کی حیرت انگیز صورت، خودکار طلاق.....142

وقوع طلاق کے اصول..........................143

شرائط وجودیہ..........................143

1۔ طلاق کے الفاظ سے طلاق دے:..........................143

2۔ طلاق کا تلفظ:..........................143

3۔ شوہر یا اس کا وکیل طلاق دے:..........................144

4۔ بلوغت:..........................144

5۔ بیداری:..........................144

6۔ عقل:..........................144

7۔ نکاح، عدت یا اضافت الی النکاح:..........................145

8۔ لفظ طلاق ہونے کا علم:..........................145

9۔ طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کی جائے:......146

10۔لفظ طلاق ادا کرنے کا یقین ہو:............... 146

شرائط عدمیہ 147

1۔اخبار یا تفہیم کے لیے الفاظ ادا نہ کیے جائیں:..... 147

2۔ مستقبل کے الفاظ سے طلاق نہ دے:.......... 147

3۔متصلا ان شاء اللہ نہ کہا ہو:...................... 148

مکرہ کی طلاق کا حکم.............................. 148

کس کی طلاق واقع ہے کس کی نہیں؟.............. 149

الفاظ طلاق کے اصول.. 150

طلاق رجعی کے الفاظ 151

مسائل کا چارٹ 151

طالق،مطلقہ،طلقتک میں تین کی نیت 152

صریح طلاق کے چند اور الفاظ.......................... 153

طلاق کی نسبت جزو معین کی طرف................... 154

أنت طالق ثلاثة أنصاف تطليقة.......................... 155

أنت طالق ثلاثة أنصاف تطليقتين........................ 155

طلاق میں حروف ، ظروف ،شروط کا استعمال........ 156

أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ.............................. 157

طلاق کی تعداد بیان کرتے ہوئے فی کا استعمال...... 158

یہاں سے لے کر ملک شام جتنی طلاق.................. 159

ملتے جلتے چار جملے 159

انت طالق غدا، فی غد،غدا الیوم، الیوم غدا............ 160

أنت طالق مالم أطلقك،................................ 164

متی لم، متی مالم،ان، اذا 164

یوم أتزوجک فأنت طالق 166

أنت طالق ھکذا(طلاق بالعدد المبہم)........................ 170

أفحش الطلاق،اخبث الطلاق وغیرہ 172

أنت طالق أشد الطلاق وغیرہ 173

کون سی تشبیہ سے طلاق بائن ہوگی؟ 173

أنت طالق تطلیقۃ شدیدۃ،عریضۃ،طویلۃ 175

فصل في الطلاق قبل الدخول 175

أنت طالق واحدۃ قبل واحدۃ وغیرہ 176

إن دخلت الدار فأنت طالق واحدۃ وواحدۃ 178

کنایات طلاق 179

کنایات رجعیہ: 179

کنایات بائنہ: 180

نقشہ کنایات 182

قدوری اور صاحب ہدایہ کا تسامح 182

کنایات کے بارے میں امام شافعی کا موقف 183

اعتدی،اعتدی،اعتدی 185

ضابطہ فقہیہ 186

خلاصۂ اقسام طلاق 186

باب تفویض الطلاق 187

نقشے کی تشریح 188

مضارع کا استعمال.................. 190
امرک بیدک الیوم وبعد غد.................. 192
مجلس کے بعد بھی اختیار حاصل کرنے کا طریقہ...... 193
اختیارات سے تجاوز کا قاعدہ.................. 194
تعلیق اور مجازات کا قاعدہ.................. 196
مشیت طلاق میں حروف کا عمل.................. 197
ایمان فی الطلاق، یعنی تعلیق طلاق.................. 199
تعلیق کے معنی.................. 199
رکن تعلیق.................. 199
شرائط تعلیق:.................. 199
1۔ عقل وبلوغت:.................. 199
2۔ نکاح یا نکاح کی طرف نسبت :.................. 200
ولا تصح إضافة الطلاق الخ.................. 203
3۔ شرط ممکنات میں سے ہو:.................. 204
4۔ شرط اور جزا متصل ہوں:.................. 206
5۔ جس کی مشیت کا علم نہ ہو سکتا ہو اس کی مشیت پر معلق نہ کرے: 206
6۔ جبراً تعلیق کرے:.................. 207
فائدہ:.................. 207
دواہم مسائل.................. 208
افعال مستقبلہ غیر مؤقتہ پر طلاق کو معلق کرنا:...... 208
صیغہ استقبال کے ساتھ تعلیق:.................. 208

حروف شرط 208

اگر 209

کلما(یعنی جب جب) 209

کل 209

نقشہ 209

قواعد تعلیق 210

ان حضت فانت طالق 212

ان صت فانت طالق 213

إذا ولدت غلاما فانت طالق واحدة 213

ان کلمت أبا عمرو وأبا یوسف فانت طالق ثلاثا 214

مسئلۃ الھدم 216

إذا جامعتک فانت طالق ثلاثا 217

فصل فی الاستثناء 218

انت طالق ان شاء اللہ 218

أنت طالق ثلاثا إلا واحدة 219

باب طلاق المریض 220

مرض الوفات: 220

مسئلہ حب بین الزوجین 222

طلاق فار کی 12 صورتوں والا مسئلہ 224

باب الرجعۃ 228

رجوع کی پانچ شرائط: 228
لا تصح الرجعة إلا بالقول 228
رجوع کے لیے دو گواہ 229
کنت راجعتها في العدة 229
تیسرا حیض مکمل دس دن پر ختم ہو 231
وإذا اغتسلت ونسيت شيئا من بدنها 232
شوہر کا لم اجامعها کا دعویٰ 233
إذا ولدت فأنت طالق 234
مطلقہ رجعیہ عدت کیسے گزارے گی؟ 234
حلالہ شرعیہ 236
مسئلۃ الهدم کے دلائل 237
باب الایلاء 238
ایلاء کے قواعد: 240
أنت علي حرام 241
باب الخلع 241
عدالتی خلع 242
اسباب فسخ نکاح 242
خلع طلاق بائن کیوں ہے؟ 243
عوض کی مقدار 243
طلاق علی مال 244
جب بدلِ خلع مال حرام ہو 245

تین صورتیں 246
گم شدہ چیز کے عوض خلع 247
مطالبہ طلاق اور تفویض طلاق 247
أنت طالق بالف، علی ألف 249
دو مسئلے 249
تفویض اور خیار شرط 250
دو مسئلے 251
خلع اور مبارات میں فرق 252
نابالغ بچی کا خلع 254
مسائل کا چارٹ 254

باب الظھار 257

الفاظ ظہار 258
والظھار لیس بحق من حقوقہ 262
کفارہ ظہار کی تفصیل 262
ایک کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دینے کی صورتیں 265
تعدد کفارہ اور تعدد سبب کی صورتیں 266

کتاب اللعان 268

شرائط لعان 268
دوبارہ نباہ کی صورتیں 271
تہمت کی اقسام 271
لعان کے حکم میں اختلاف ائمہ 272

نفی حمل کی شرط 273

جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی 274

باب اللعان 275

جنسی امراض کی وجہ سے تنسیخ نکاح: 275

شرائط تنسیخ بوجہ نامردی 277

متعدی امراض کی وجہ سے تنسیخ نکاح 278

باب العدۃ 279

اسباب عدت 279

عدت کی علت 279

مکان عدت 279

عدت کی ابتد او انتہا 280

مسائل عدت 282

قروء سے حیض مراد لینے کی تین وجوہات 284

باندی کی عدت 285

حاملہ بیوہ کی عدت 285

ابعد الاجلین 286

آئسہ کی عدت 287

زوجۃ الصغیر کی عدت 288

تداخل عدت 289

عدت طلاق کے دوران شوہر کا نکاح ثانی اور طلاق .. 291

عدۃ الکافر 293

الحداد 294

دوران سفر عدت 296

باب ثبوت النسب 297

قاعدہ: 298

مسائل کی نوعیت 298

منکوحہ کی اولاد کا نسب 299

مطلقہ کی اولاد کا نسب 300

مطلقہ کبیرہ کی صورتیں 300

مطلقہ صغیرہ کی صورتیں 301

متوفی عنہا زوجہا کی اولاد کا نسب 303

ولادت کا انکار 304

باب الحضانۃ 306

کیا ماں بچوں کو دوسرے شہر لے جا سکتی ہے؟ 309

باب النفقۃ 310

اسباب نفقہ: 310

حکم نفقہ: 310

اجرۃ الارضاع 311

مقدار نفقہ 311

نفقہ خادم 312

سکنی 313

کسوہ.............................313
وجوب نفقہ کی علت:.............................313
جن صورتوں میں نفقہ واجب نہیں.............................316
زوجہ معسر:.............................318
زوجہ غائب.............................318
نفقہ قرض ہے یا تحفہ ؟.............................320
بیوی اپنے میکے جاسکتی ہے؟.............................321
نفقات کے بیچ فرق.............................322
کتاب الایمان.............................324
ارکان وشرائط.............................324
قسم کی اقسام.............................324
پانچ طرح کے الفاظ قسم.............................326
مدعا کے دلائل.............................326
اسمائے صفات سے قسم کے قواعد.............................327
غیر اللہ کی قسم.............................329
کیا تعلیق علی الکفر کفر ہے؟.............................329
کفارۂ قسم اور اس کے احکام.............................330
حانث ہونے سے پہلے کفارہ.............................331
اعتراض کا جواب.............................331
معصیت کی قسم.............................331
ہر حلال مجھ پر حرام.............................332
نذر معلق کی بحث.............................332

دخول وسکنی کی جزئیات 333
لایدخل بیتا کی صورتیں 333
دار اور بیت کے بیچ فرق 334
مسائل کا چارٹ 335
ممتد یا غیر ممتد افعال سے حلف اٹھانے کی تحقیق 336
خروج (نکلنے) اور اتیان (آنے) کی جزئیات 339
لایخرج الی مکۃ، لایاتی مکۃ، لایذھب الی مکۃ 339
لایخرج الا الی جنازۃ 339
افعال مستقبلہ کی قسم 340
استطاعت کی قید 340
میری اجازت کے بغیر نکلی تو طلاق، حیلہ 341
یمین فور 342

اکل وشرب کی قسم 343

قسم کا سب سے بڑا قاعدہ 343
گوشت نہ کھانے کی قسم 343
چربی نہ کھانے کی قسم 344
روٹی نہ کھانے کی قسم 345
پکی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم 345
سری نہ کھانے کی قسم 345
بھنی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم 346
فروٹ نہ کھانے کی قسم 346
سالن نہ کھانے کی قسم 347

ناشتہ یا ڈنر نہ کرنے کی قسم 347

جب لفظ کے حقیقی معنی متروک ہو جائیں 348

المھجور شرعاً کالمھجور عادۃً 348

حقیقی معنی کسی درجے میں مستعمل ہوں 349

جب قسم کسی وصف پر مبنی ہو 350

فائدہ 352

امکان بر کا قاعدہ 353

بات نہ کرنے کی قسم 355

ملتے جلتے تین طرح کے مسائل 356

حین، زمان اور دھر 359

ایام، الایام، شھور، جمع، سنین 360

طلاق وعتق کی قسم 361

بیع وشرا اور تزوج کی قسم 361

دو اصول، چار طرح کے مسائل 361

اِنْ بِعْتُ لَکَ ھٰذَا الثَّوْبَ، ان بعت ثوبالک 363

دوسری کو فوراً طلاق دو! 364

بَابُ الْیَمِیْنِ فِی الْحَجِّ وَالصَّلَاۃِ وَالصَّوْمِ 366

منت کا ضابطہ 366

علی المشی الی بیت اللہ تعالی 366

اگر اس سال حج نہ کیا تو بیوی کو طلاق 366

شہادۃ علی النفی کا قاعدہ........367

لایصوم اور لایصوم یوما کے درمیان فرق........367

لایصلی اور لایصلی صلوۃ کے درمیان فرق........368

باب الیمین فی لبس الثیاب والحلی وغیر ذلک........368

نذر کا ایک ضابطہ........368

باب الیمین فی القتل والضرب وغیرہ........370

باب الیمین فی تقاضی الدراہم........372

مسائل متفرقہ........373

خلاصۂ ابواب ایمان........375

کتاب الحدود........376

حد زنا........377

سرسری خاکا........377

رجم /زنا کے احصان کی شرائط:........378

شبہ کی تین اقسام:........378

خلاصۂ احکام........379

گواہی رد ہونے کی 8 وجوہات........381

گواہی سے رجوع........382

گواہی سے رجوع کا قاعدہ:........382

گواہوں کی اقسام:........382

زنا کے گواہوں کا رجوع: 382

شہود تزکیہ کا رجوع: 383

شہود احصان کا رجوع: 383

حد شرب خمر............ 383

قواعد: 383

حد قذف............ 384

حد قذف کی شرائط: 384

حد قذف میں احصان کی شرائط: 385

احصان ختم ہونے کا قاعدہ: 385

حرام لعینہ وطی............ 386

حرام لغیرہ وطی 386

قاذف کی توبہ............ 386

تعزیرات 387

حد سرقہ............ 388

سرقہ کے اصول عشرہ: 388

حرز کے سات اصول............ 389

چھ موانع: 391

مسروقہ مال میں چور کا تصرف 392

پہلی صورت: 392

دوسری صورت: 392

قطع الطریق (حد راہزنی) 393
حد راہزنی کی شرائط: 393
گرفتاری کی سات صورتیں: 394
اجرائے حد قطع کے چار موانع: 394
کتاب السیر والجہاد 395
اقسام جہاد، باعتبار دفاع واقدام 395
اقسام جہاد، باعتبار طریقہ وشمولیت 395
شرائط فرضیت جہاد 395
طریقہ کار: 396
باب الموادعہ (صلح وامان) 397
باب الغنائم وقسمتها 398
پہلی بحث: غنیمت کی شکلیں 398
مفتوحہ زمینوں کا حکم 398
قیدیوں کے احکام 398
مویشی کا حکم 399
سازوسامان اور اسلحے کا حکم 399
خوراک کا حکم 399
سونے چاندی کا حکم 399
دارالاسلام پہنچ جانے کے بعد حکم 399
غنیمت کے حق دار 400
غنیمت کی تقسیم کا طریقہ 400

باب العشر والخراج 401

مقدار خراج 402

کن صورتوں میں خراج ساقط ہو جائے گا؟ 402

باب الجزیۃ 402

جزیے کی قسمیں 402

مقدار جزیہ 403

تداخل جزیہ 403

عبادت خانوں کی تعمیر 404

ذمی کا عہد کیسے ٹوٹتا ہے؟ 404

بنو تغلب 404

مرتد کے احکام 406

مرتد کو تین دن کی مہلت 406

مرتد کے مال کے احکام 406

مرتد کا وارث کون؟ 407

امام صاحب کے تین قول 407

مرتد پر جنایت 408

مرتد کی اولاد اور اگلی نسلوں کا حکم 409

قاعدہ: 409

بچے کا اسلام اور ارتداد 409

باب البغاۃ 410

جنایات بغاۃ کی چار صورتیں 410

جب باغی سرکاری فوجی کو قتل کردے 411

کتاب اللقیط 412

مکان اور واجد کے لحاظ سے لقیط کی پانچ صورتیں ... 413

کتاب اللقطۃ 413

لقطے کی حفاظت کے اخراجات 415

کتاب المفقود (لاپتا شخص کے احکام) 416

مفقود کے مال کے احکام 416

مفقود کے اہم مسائل 417

مفقود حجب نقصان یا حجب حرمان کرے گا؟ 417

حمل کی میراث 418

کتاب الشرکۃ (شراکت اور پارٹنرشپ کے احکام) 418

شرکۃ الملک: 418

شرکۃ العقد: 419

شرکت مفاوضہ: 420

شرکت عنان: 421

شرکت الاعمال: 422

شرکت الوجوہ: 423

شرکت فاسدہ 424

شرکت فی المباحات: 424

شرکت فاسدہ کا حکم 424
موت : 424
شرکت میں زکوۃ 424
شرکت میں نفع کا قاعدہ : 425
سرمایہ : 425
عمل : 425
ضمان : 425
شرکت الملک اور شرکت العقد میں فرق 425
کتاب الوقف 426
وقف کی شرعی حیثیت 426
وقف کرنے کا طریقہ 426
کوئی جگہ مسجد کیسے بنتی ہے؟ 427
وقف المشاع 427
مسجد کا مشاع وقف 428
قبرستان کا مشاع وقف 428
کیا وقف کرتے وقت تابید کی صراحت ضروری ہے؟ 428
منقولات کا وقف 428
وقف کی تعمیر اس کی آمدنی سے کس قدر کی جائے؟ 429
تعمیر سے متعلق غیر کارآمد سامان 429
آلات مسجد چٹائی، پنکھے، لالٹین وغیرہ 429
وقف کی آمدنی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر لگانے کی شرط 429
وقف کی تولیت اپنے پاس رکھنے کی شرط 429

استبدال وقف کی شرط 429
صرف ایک منزل پر مسجد 430
مصالح مسجد 430
غیر آباد مسجد 430
مسافر خانہ، مقبرہ وغیرہ کا وقف 430
تعریفات اور اہم سوالات ہدایہ ثانی 431

تقریظ سعید الملۃ الشیخ المفتی سعید احمد مدظلہم العالی

خلیفہ مجاز حضرت مولانا یحییٰ مدنی رحمہ اللہ، امام و خطیب عالمگیر مسجد و استاذ الحدیث جامعہ معہد الخلیل الاسلامی، مہتمم جامعۃ السعید کراچی

"تلخیص ہدایہ ثانی" کے مؤلف محترم مفتی انس عبد الرحیم سلمہ "جامعۃ السعید" اور اس کے ملحقہ ادارے "تعلیمات قرآنیہ" میں لگ بھگ عرصہ بارہ سال سے کتب فقہ و اصول فقہ کی تدریس فرمارہے ہیں۔ بندہ جہاں ان کی اس عرصے میں انجام دی گئی فقہی اور دیگر خدمات سے ذاتی طور پر واقف ہے، وہاں ان کے زمانہ طالب علمی کے علمی ذوق کا بھی شاہد رہا ہے۔ اللہ جل شانہ کے فضل کی بدولت یہی ذوق مؤلف موصوف کے لیے مزید دینی و تعلیمی خدمات کا در وا کیے رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ یہ علمی ذوق اور اس کی تسکین ہی کا جذبہ ہے جو انسان کو وقت کی قدر و قیمت سمجھا کر محنت کا عادی اور مستقل مزاجی پر ابھارتا ہے۔ مؤلف موصوف کو اللہ جل شانہ نے اس قیمتی نعمت سے بھی خوب نواز رکھا ہے۔ انہی خصوصیات کا ایک مظہر زیر نظر کتاب بھی ہے الحمد للہ!

کتاب "تلخیص ہدایہ ثانی" مؤلف موصوف نے بندے کو پیش فرمائی۔ بندے نے اس کے مختلف مقامات کا مطالعہ اور بعض پر نظر ڈالی، بہر حال ہر مقام کو ہر ایک کے لیے یکساں مفید پایا۔ ہر باب اور فصل کا خلاصہ مفتی صاحب سلمہ نے تعریفات، احکام، اقسام، فقہی اختلاف، قواعد اور صورتوں وغیرہ کے ذیلی عنوانات کے تحت عبارتوں اور نقشوں کے ذریعے ذکر فرمادیا ہے۔ اس سے طلبہ علم اور مدرسین کو اسباق کی تیاری میں اس طور پر سہولت رہے گی کہ مکمل باب کا خلاصہ کو پیش نظر رہے گا، جس سے درس و تدریس میں ایک گونا استحضار ہوگا ان شاء اللہ!

اللہ جل شانہ اس کاوش کو قبول فرما کر طلبہ علم کے لیے اس کو استفادے کا ذریعہ بنائے اور مؤلف موصوف کو علمی و عملی ترقیات سے نواز کر ان کے اوقات و خدمات میں برکت عطا فرمائے! والسلام

(مولانا مفتی) سعید احمد (مد ظلہم العالی)

خلیفہ مجاز حضرت مولانا یحییٰ مدنی رحمہ اللہ، امام و خطیب عالمگیر مسجد بہادر آباد

استاذ الحدیث جامعہ معہد الخلیل الاسلامی،

مہتمم جامعۃ السعید و مدرسہ تعلیمات قرآنیہ کراچی

17 جمادی الآخرۃ 1441ھ

تقریظ مفتی زبیر احمد صاحب مد ظلہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

مولانا انس عبدالرحیم صاحب مد ظلہم کی کتاب تلخیص ہدایہ ثانی کے سرسری مطالعہ کا موقع ملا۔ ماشاءاللہ مولانا موصوف نے ھدایہ ثانی کے فقہی مسائل کا خلاصہ نقشوں کی صورت مین نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے ھدایہ کے طلبہ کو مسائل ھدایہ سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ نیز اساتذہ ھدایہ کے لیے بھی یہ کتاب تدریسی نقطہ نظر سے مفید ہے کیونکہ کامیاب تدریس وہی ہو سکتی ہے جس میں استاذ پیشگی مطالعہ کے دوران مضمون کے مختلف حصوں کا ذہنی نقشہ بنا کر خلاصہ تیار کرلے۔

ماشاءاللہ! مولف موصوف نے اس کتاب میں ھدایہ ثانی کے مختلف ابواب میں ذکر شدہ مسائل کو جہاں نقشوں کی مدد سے عام فہم اور آسان انداز میں بیان کیا ہے وہاں ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ مختلف ابواب ومسائل کے ضمن میں جو فقہی قواعد بیان کئے ہیں وہ بھی غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اس سے خود مولف سلمہ کی فقہی مناسبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت انکی اس خدمت کو اپنے دربار میں شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ اور ان کی اس خدمت کو طلبہ واساتذہ کیلئے مفید بنادیں اور مولف مد ظلہم کو مزید علمی و تحقیقی خدمات کے لیے موفق فرمائیں ______ آمین

بندہ محمد زبیر عفی عنہ

نائب مہتمم جامعۃ الصفہ سعید آباد کراچی

شب جمعہ 25 جمادی الآخرۃ 1441 ہجری

عرض مؤلف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

اللھم علمنا الکتاب والحکمۃ اللھم فقھنا فی الدین وعلمنا التاویل!

اس کام کی اہمیت اور خصوصیات یہ ہیں:

1۔ زیر نظر تلخیص میں ہدایہ کے متفرق جگہوں پر آنے والے علمی اختلافات و تفریعات کو ایک چارٹ کی صورت میں جمع کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ایک ہی صفحے میں کچھ مسائل بیان ہوئے ہیں لیکن ان سب میں فرق ہے، ان فروق کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ منتشر مسائل ایک جگہ سمٹ آئیں گے یا ایک جیسے نظر آنے والے مسائل میں فرق واضح ہو جائے گا۔

2۔ ہر باب کی مبادیات اور اہم قواعد کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مبادیات سے متعلقہ باب کے بارے میں بصیرت پیدا ہوگی اور قواعد سے کتاب کے ساتھ ساتھ آئندہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

3۔ اکثر مقامات پر مفتی بہ اقوال کی نشان دہی کی گئی ہے جو ایک طالب علم اور مفتی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

4۔ بعض مقامات کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے تلخیص کے ساتھ عربی متن یا کوئی اہم اقتباس شامل کر دیا گیا ہے تاکہ تلخیص کے مطالعہ کے بعد اساتذہ اور ذی استعداد طلبہ وطالبات اس کی تطبیق بھی کر سکیں۔

5۔ طبع ثانی کی خصوصیت یہ ہے کہ کتاب النکاح سے کتاب الایمان تک ...یعنی سہ ماہی سے شش ماہی تک کے نصاب پر.. از سر نو تفصیلی کام ہوا ہے، جبکہ کتاب الحدود سے کتاب الوقف تک تقریباً وہی اجمالی اور مختصر کام ہے جو طبع اول میں قارئین نے ملاحظہ کیا، تاہم کہیں کہیں معمولی اور بعض جگہ تفصیلی اضافے بھی کیے گئے ہیں۔

6۔ ہم کسی بھی تلخیص کی فنی حیثیت پر بطور صنف ادب روشنی ڈالنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے! کسی بھی "تلخیص" میں موضوع کی وسعتوں کا لب لباب اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ قاری خلاصہ پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب اسے یہ فن تفصیل سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اب یہ فیصلہ آپ ہی کریں گے کہ آپ کو یہ تلخیص پڑھ کر فقہ اور فن سے دل چسپی محسوس ہوئی یا نہیں؟

یہ بھی یاد رکھیں کہ کوئی بھی تلخیص، مکمل کتاب کا نعم البدل ہرگز نہیں ہو سکتی، البتہ فوری اور مختصر وقت میں معلومات فراہم کرنے سبب ضرور ہو سکتی ہے۔

آج کے اس دور میں جبکہ شومئی قسمت سے پڑھنے کا رجحان کم ہو رہا ہے، اس طرح کے مختصر لٹریچر کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم ذی استعداد طلبہ کو ہمارا مشورہ یہی ہے کہ وہ کتاب اور اس کے عربی حواشی کو ہی حرزِ جان بنائیں۔

7۔ آئندہ اشاعتوں میں مزید اضافات اور تصحیح و ترمیم کا پورا پورا امکان موجود ہے، اس لیے اساتذہ اور طلبہ و طالبات سے گزارش ہے کہ کہیں بھی کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی ضرور نشان دہی کریں۔ ان شاء اللہ! اس کی درستی کا مکمل اہتمام کیا جائے گا۔

8۔ نکاح و طلاق کے موضوع پر بندے نے ایک کورس بھی مرتب کیا ہے جس میں مفتی بہ اقوال کی رعایت کرتے ہوئے اسباق اور ان کی تمارین مرتب کی گئی ہیں۔ موضوع سے شغف

رکھنے والے اس کا ضرور مطالعہ کریں، بالخصوص تخصص کے طلبہ کے لیے کتاب اور اس کی مشقیں کافی مفید و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

اس مسودے کو سعید الملۃ شیخنا و مرشدنا استاذ الفقہاء والمحدثین الحاج حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم اور نامور عالم دین و مذہبی اسکالر، مفتی زبیر حق نواز صاحب مدظلہ نے ملاحظہ فرمایا اور اس پر اپنے کلمات تائید و تبریک ثبت فرمائے۔ بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالی اس کام کو ان کی امیدوں کے عین مطابق بنادے اور ان کی دعاؤں کو بندے کے حق میں قبول فرمائے۔ آمین واللہ الموفق والمعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

طالب دعا: محمد انس عبد الرحیم
خادم دار الافتاء جامعۃ السعید کراچی
و مدیر صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر
28 ربیع الاول 1445ھ

کتاب النکاح

نکاح کے لغوی و شرعی معنی:

نکاح کے لغوی معنی ہیں الضم یعنی ملانا۔ اسی مناسبت سے نکاح بول کر وطی بھی مراد ہوتی ہے یعنی نکاح کے دو معنی ہیں: ایک عقد نکاح دوسرا وطی، لیکن ان دونوں میں سے حقیقی معنی کون سا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن الہمام کے نزدیک مشترک لفظ ہے۔ اکثر کے نزدیک وطی حقیقی معنی ہیں اور عقد نکاح مجازی جبکہ ایک قول اس کے برعکس ہے۔ قرآنی استعمالات کو دیکھتے ہوئے ابن الہمام کی بات زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے۔

اصطلاح میں نکاح کہتے ہیں نعقد وضع لتملك المتعة بالانثی قصدا (فتح القدیر: 3/99 طار شیدیہ سرکی روڈ)

یعنی نکاح ایک باضابطہ معاہدہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مرد کے لیے عورت سے فائدہ اٹھانا درست ہو جائے (مزید تفصیل کے لیے نکاح و طلاق کورس ملاحظہ فرمائیں!)

نکاح کا حکم

اعتدال کی حالت میں نکاح سنت ہے۔ زنا کا خطرہ ہو تو واجب ہے اور زنا کا شدید خطرہ ہو یا یقین ہو تو فرض ہے۔ حقوق ادا نہ کرنے کا خوف ہو تو مکروہ تحریمی ہے، حقوق ادا نہ کرنے کا یقین ہو تو حرام ہے۔ زنا کا بھی یقین ہے اور ظلم کا بھی یقین تب بھی حق العبد مقدم ہونے کی وجہ سے نکاح حرام ہو گا۔ (فتح القدیر: 3/100 طار شیدیہ سرکی روڈ)

ارکان نکاح

نکاح کے دو ارکان ہیں: ایجاب اور قبول۔ ایجاب و قبول کی شرط یہ ہے کہ ماضی یا حال کے الفاظ ہوں، مستقبل کے نہیں۔ ابن الہمام کے مطابق امر کے صیغے سے ایجاب درست ہے چنانچہ زوجنی ان کے نزدیک ایجاب ہے اور اس کے جواب میں زوجتك قبول ہے۔ جبکہ صاحب ہدایہ

کے نزدیک زوجنی توکیل نکاح ہے اور زوجتك بظاہر ایک لفظ ہے لیکن حکماً یہ ایجاب وقبول کو متضمن ہو کر دو لفظ ہیں۔

الفاظ نکاح کی بحث

امام شافعی کے نزدیک نکاح کے صرف حقیقی الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے مجازی سے نہیں، اس لیے کہ مجازی الفاظ (ملکیت، بیع وغیر) میں حقیقی معنی کسی بھی طرح نہیں پائے جاتے۔ نکاح کے معنی الضم ملانا اور تزویج کے معنی ہیں التلفیق جوڑنا یہ معنی، مجازی لفظ جیسے ملکیت وغیرہ میں نہیں پائے جاتے، کیونکہ زوجیت اور نکاح کے الفاظ جوڑ اور ملاپ چاہتے ہیں جبکہ مالک اور مملوک میں اونچ نیچ کا رشتہ ہے ان میں جوڑ اور ملاپ کیسے ممکن ہے؟

صاحب ہدایہ کے الفاظ میں تملیک، بیع وغیرہ کے الفاظ نہ تو حقیقت ہیں نہ ہی مجاز بن سکتے ہیں۔ حقیقی معنی نہیں ہیں یہ تو واضح بات ہے اور مجازی اس لیے نہیں بن سکتے کہ ان کے درمیان باہم کوئی مناسبت ہی نہیں بنتی۔

احناف کے نزدیک مجازی الفاظ سے بھی نکاح جائز ہے۔ یہ کہنا کہ مجازی الفاظ میں حقیقی الفاظ کے معنی نہیں پائے جاتے، یا باہم ان میں کوئی مناسبت نہیں، درست نہیں، ہمارا موقف ہے کہ ان کے درمیان مناسبت موجود ہے اور مجاز کا علاقہ دونوں کے مابین پایا جاتا ہے اور وہ ہے سببیت۔ جیسے نکاح سبب ہے ملک متعہ کے حلال ہونے کا تو احناف کے نزدیک تملیک، بیع، صدقہ اور ھبہ کے الفاظ بھی ملک متعہ کا سبب بنتے ہیں اس لیے سببیت کا علاقہ ہونے کی وجہ سے نکاح یا تزویج کی جگہ ان الفاظ کا استعمال درست ہے۔

الفاظ نکاح کا قاعدہ

نکاح ہر ایسے لفظ سے ہو جاتا ہے جس میں نکاح یا دائمی تملیک کے معنی پائے جائیں۔ چنانچہ نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ، بیع: ان تمام الفاظ سے نکاح درست ہے کیونکہ ان میں دائمی تملیک کے معنی موجود ہیں جبکہ اجارہ، اباحت، احلال اور عاریت کے الفاظ سے نکاح درست نہیں؛ کیونکہ یہ الفاظ ملکیت مؤبدہ کے نہیں ہیں۔ (ہدایہ ثانی: ص 287 بشری)

شرائط نکاح

نکاح کی شرائط یہ ہیں:

1۔ عاقدین میں صفات لازمہ پائی جائیں یعنی وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہوں۔ (فتح القدیر: 3/100 دار شیدیہ سرکی روڈ)

2۔ جن دو کا نکاح ہو رہا ہے وہ ایک دوسرے کے لیے حلال ہوں۔ محارم میں سے نہ ہوں۔

3۔ عاقدین یا ان کا نائب ایجاب و قبول سنیں۔

4۔ کم از کم دو گواہ موجود ہوں یہ نکاح کی خاص شرط ہے۔ اس سے پہلے کی شرائط عموماً ہر عقد میں ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر: 3/100 دار شیدیہ سرکی روڈ)

5۔ گواہ ایجاب و قبول سنیں۔ (بدائع: 3/527 دار شیدیہ سرکی روڈ)

6۔ نکاح ہمیشہ کے لیے ہو، متعہ یا موقت نہ ہو۔ (بدائع: 3/556 دار شیدیہ سرکی روڈ)

7۔ مہر بھی شرط ہے لیکن مہر مقرر نہ کیا تو نکاح ہو جائے گا لیکن مہر بہر حال دینا پڑے گا۔

کیا گواہ کا عادل ہونا شرط ہے؟

امام شافعی کے نزدیک گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے۔ احناف کے نزدیک شرط نہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ کسی کو گواہ بنانا اس کو عزت و احترام دینا ہے جبکہ فاسق عزت کے بجائے

امامت کا حق دار ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو گواہ بنانا درست نہیں۔ صاحب ہدایہ نے احناف کے موقف پر دو دلائل پیش کیے ہیں:

1۔ شہادت کا تعلق ولایت سے ہے۔ جو شخص ولایت (تصرفات کی اہلیت) رکھتا ہو وہ شہادت کا حق بھی رکھتا ہے۔ فاسق بھی قطع نظر اپنے فسق کے مسلمان ہونے کے ناتے دوسرے مسلمانوں پر ولایت رکھتا ہے اس لیے وہ بھی شہادت کا اہل ہے۔

فاسق ولایت کا حق کیسے رکھتا ہے؟ اس کے دلائل یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات پر تصرف کر سکتا ہے اپنے بیوی بچوں اور غلام باندی کے حوالے سے تصرفات کے اختیارات رکھتا ہے لہذا جب اسے اپنی ذات اور متعلقہ انسانوں پر ولایت حاصل ہے تو دوسرے مسلمانوں پر جو اسی کے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اسی کی جنس سے ہیں، ولایت حاصل ہو گی۔ جیسے ایک ذمی کو دوسرے ذمی پر اس کے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔

2۔ فاسق باوجود فسق کے نفس الامر میں مسلمان ہونے کی وجہ سے جب کسی کو حاکم اور گورنر بنا سکتا ہے جیسے یزید اور حجاج نے گورنر مقرر کیے اور ان کا تقرر درست قرار پایا تو وہ خود کیوں قاضی اور گواہ وغیرہ نہیں بن سکتے۔ جب امامت کبری کی اہلیت ہے تو امامت صغری کی اہلیت تو بدرجہ اولی حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ گواہی دینے کی باری آئے گی تو ان کی گواہی قبول نہ ہو گی اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جن کی گواہی درست ہے لیکن جب دینے کی باری آئے تو قبول نہیں ہوتی جیسے نابینا گواہ بن سکتا ہے لیکن اس کی گواہی قبول نہیں۔ والدین اور اولاد کا گواہ بننا ٹھیک ہے لیکن ان کی گواہی ملزم کے فائدے میں جا رہی ہو تو قبول نہیں ہوتی۔

حل عبارت:

لانہ صلح مقلدا۔۔۔ پہلا مقلد اسم فاعل ہے اور دوسرا اسم مفعول۔ مطلب اوپر بتادیا گیا ہے۔ فیصلح مقلدا و کذا شاھدا کے بجائے فیصلح مقلدا و شاھدا درست عبارت بنتی ہے۔ (عنایہ)

مسلمان کا کتابیہ سے نکاح

کیا اس طرح نکاح ہو جائے گا؟

شیخین کے نزدیک ہو جائے گا۔ امام محمد و زفر کے نزدیک نہیں ہو گا۔ امام محمد و زفر کی دلیل یہ ہے کہ کافر مسلمان پر گواہ نہیں بن سکتا اس لیے کہ اہل کتاب گواہوں کا ان کے ایجاب و قبول کو سننا نہ سننا برابر ہے۔ جس طرح گواہوں نے ایجاب و قبول نہ سنا ہو تو نکاح نہیں ہوتا اسی طرح ذمی مسلمان کے گواہ بن جائیں تو بھی یہی سمجھا جائے گا کہ گواہوں نے ایجاب و قبول نہیں سنا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے گواہ مہر کے نہیں ہوتے نہ وہ مرد کے گواہ ہوتے ہیں بلکہ وہ تو عورت کے گواہ ہوتے ہیں۔ عورت مرد کے نکاح میں جانے کی وجہ سے گویا اس کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ دلہن کا محترم عضو مرد کی ملکیت میں جاتا ہے اس کی عزت و توقیر کے لیے یہ گواہ ہیں۔ جب یہ عورت کے گواہ ہوئے تو عورت کس مذہب کی ہے؟ ظاہر ہے وہ ذمیہ ہے اس لیے اس کے گواہ ذمی ہوں تو کیا حرج ہے؟

اسی سے اس کا جواب بھی ہو گیا کہ ان گواہوں کا سننا ایسا ہے جیسے انہوں نے سنا ہی نہ ہو۔ کیونکہ جب یہ گواہ ہی عورت کے ہیں اور عقد کا وجود یعنی اس کے ارکان و شرائط سب کچھ پایا گیا ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ گواہوں کا سننا ان کے نہ سننے کی طرح ہے یہ تو تکلف محض ہے۔ (عنایہ)

باپ، وکیل اور ایک گواہ کی موجودگی

باپ نے اپنی نابالغ بچی کے نکاح کا کسی کو وکیل بنایا اور مجلس نکاح میں خود بھی موجود رہا تو باپ ہی مباشر یعنی عاقد کہلائے گا اور وکیل کی حیثیت معبر اور سفیر کی ہوگی حقیقت میں وکیل اور وہ ایک شخص دونوں گواہ ہیں۔ اس لیے نکاح ہو گیا۔ اسی طرح باپ بالغ لڑکی کا نکاح کروائے اور لڑکی خود مجلس نکاح میں موجود ہو تو لڑکی بالغ ہونے کی وجہ سے عاقد کہلائے گی اور باپ سفیر محض۔ باپ اور ایک شاہد دونوں مل کر دو گواہ ہوں گے اور نکاح ہو جائے گا۔

فقہی قاعدے:

1۔ نکاح میں ایک شخص فریقین کا وکیل بن سکتا ہے۔ مثلاً نکاح خواں دلہن کا بھی وکیل بن جائے اور دلہا کا بھی تو یہ درست ہے۔

2۔ ہر اس شخص کی گواہی معتبر ہے جو اپنے یا دوسرے پر ولایت رکھتا ہو۔ فاسق کی گواہی بھی اسی وجہ سے درست ہے۔ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ اس لیے اس کی گواہی بھی مسلمان پر درست نہیں۔

3۔ مجلس نکاح میں مباشر اور وکیل دونوں موجود ہوں تو نکاح کی نسبت مباشر کی طرف کی جائے گی، وکیل کی طرف نہیں۔

اختلافی مسائل کا خلاصہ:

عنوان المسئلہ	احناف	شوافع
الفاظ نکاح	ہر اس لفظ سے نکاح ہو جاتا ہے جس میں نکاح یا ملکیت موبدہ کے معنی پائے جائیں، جیسے: نکاح، تزویج، ہبہ، تملیک، صدقہ، بیع	صرف حقیقی الفاظ سے نکاح ہوتا ہے مجازی سے نہیں۔
نکاح میں عورتوں کی گواہی	معتبر ہے جبکہ کم از کم ایک مرد ان کے ساتھ ہو	معتبر نہیں
فاسق نکاح کا گواہ بننا	بن سکتا ہے	نہیں بن سکتا

احناف کا آپس میں اختلاف:

عنوان المسئلہ	امام ابو حنیفہ	شاگرد
کتابیہ سے نکاح کی صورت میں کتابی گواہ بن سکتے ہیں یا بہر حال مسلمان گواہ ہونا ضروری ہے؟	شیخین کے نزدیک کتابی گواہ بن سکتے ہیں	امام محمد وزفر کے نزدیک بہر حال گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے

باب المحرمات

حرمت نکاح کی 16 اقسام:

احناف کے نقطۂ نظر کے مطابق حرمت نکاح کی بارہ انواع ہیں:

1۔ قرابت۔ 2۔ مصاہرت۔ 3۔ رضاعت۔

4۔ جمع بین المحارم۔ 5۔ حرمت بسبب ملک۔ 6۔ حرمت لعدم دین سماوی۔

7۔ آزاد کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح۔ 8۔ غیر کا حق متعلق ہونا۔

9۔ تین طلاق دینے کے بعد حلالے سے پہلے اسی عورت سے نکاح۔

10۔ خنثیٰ مشکل۔ 11۔ جنیہ۔ 12۔ جل پری۔

ان میں سے یہ رشتے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں:

1۔ قرابت۔ 2۔ مصاہرت۔ 3۔ رضاعت۔

4۔ خنثیٰ مشکل 5۔ جنیہ 6۔ جل پری۔

ان کے علاوہ کی حرمت وقتی ہے۔ عارض کی وجہ سے ہے۔ (حاشیہ مفتی ابولبابہ ہدایہ ثانی ص 10 بشری)

یہی بحث بدائع میں بھی موجود ہے، اس سے مزید چند قیمتی صورتیں سامنے آتی ہیں۔ فائدے کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

اسباب حرمت	دائمی/عارضی	دلیل
قرابت	دائمی	حرمت علیکم امھتکم وبنتکم و اخواتکم وعمتکم وخالتکم وبنت الاخ وبنت الاخت
مصاہرت	دائمی	لاتنکحوا مانکح آباء کم من النساء، وامھت نسائکم، وربائبکم، وحلائل ابناء کم
رضاعت	دائمی	واخواتکم من الرضاعة (القرآن) یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب
جمع بین المحارم	عارضی	وان تجمعوا بین الاختین (القرآن) لاتنکح المراۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا ولا علی ابنة اخیھا ولا علی ابنة اختھا
ایک وقت میں پانچواں نکاح	عارضی	فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع (القرآن)
مملوک نہ ہو	عارضی	مالکیت اور مملوکیت میں منافات ہے
مشرک نہ ہو	عارضی	لاتنکحوا المشرکت حتی یومن
لایکون تحتہ حرۃ	عارضی	لاتنکح الامة علی الحرة
غیر کی منکوحہ نہ ہو	عارضی	والمحصنت من النساء
معتدہ نہ ہو	عارضی	ولاتعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتب اجله (القرآن)

عورت کسی اور سے حاملہ نہ ہو	عارضی	الولد للفراش وللعاھر الحجر الا لاتوطا الحبالی حتی یضعن حملھن
مرتد نہ ہو	عارضی	ارتداد موت کے قائم مقام ہے
حلالے سے پہلے نکاح	عارضی	لاتحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ
خنثیٰ مشکل	دائمی	جنس مشکوک ہے اور ابضاع میں اصل حرمت ہے
جنیہ	دائمی	جنس الگ ہے۔ یہ جن ہے انسان نہیں
جل پری	دائمی	جنس الگ ہے یہ جانور ہے انسان نہیں۔

سات محرمات ابدیہ:

سات طرح کے قرابت داروں سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے:

1۔ والدین اوپر تک

2۔ اولاد نیچے تک

3۔ بھائی، بہن چاہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی

4۔ پھوپھی چچا چاہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی

5۔ ماموں خالہ چاہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی

6۔ بھانجے بھانجیاں چاہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی

7۔ بھتیجے بھتیجیاں چاہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ (فتح القدیر: 3/117&118 طار شیدیہ سرکی روڈ)

اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان پر جزء، اصلہ، جزء ابیہ اور جزء جدہ حرام ہیں۔ البتہ پہلے تین میں حرمت اعلیٰ و اسفل سب کی طرف جاتی ہے جبکہ جزء جدہ میں

صرف اصول تک حرمت جاتی ہے اس سے نیچے نہیں۔ چنانچہ پھوپھی، چچا، خالہ اور ماموں سے نکاح درست نہیں لیکن ان کی اولادوں سے نکاح درست ہے۔ (کنز الدقائق، کتاب النکاح)

سسرالی محرمات:

سسرالی رشتے سے بھی دائمی حرمت آتی ہے۔ یہ چار طرح کے رشتے ہیں:

1۔ اصول الموطوءۃ یعنی ساس سسر اوپر تک

2۔ فروع الموطوءۃ یعنی زوجین کی اولاد نیچے تک

3۔ موطوءۃ الاصول یعنی سوتیلی ماں، سوتیلا باپ اوپر تک

4۔ موطوءۃ الفروع یعنی بہو داماد۔

ساس سسر سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، چاہے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ البتہ فروع الموطوءۃ یعنی سوتیلی بیٹی سے نکاح اس وقت حرام ہے جب اس کی ماں سے دخول ہو چکا ہو ورنہ حلال ہے۔ بہو میں یہ یاد رکھیں کہ جیسے نسبی بہو حرام ہے ایسے ہی رضاعی بہو بھی حرام ہے۔ البتہ لے پالک کی بیوی حلال ہے۔ (فتح القدیر: 3/118-121 طار شیدیہ سرکی روڈ)

رضاعی محرمات:

رضاعت سے بھی وہی سات رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسبی قرابت سے حرام ہوتے ہیں:

1۔ رضاعی ماں باپ اوپر تک

2۔ رضاعی بیٹے بیٹیاں نیچے تک

3۔ رضاعی بھائی بہن

4۔ رضاعی پھوپھی رضاعی چچا۔

5۔ رضاعی خالہ رضاعی ماموں

6۔رضاعی بھانجا بھانجی

7۔رضاعی بھتیجا بھتیجی۔(فتح القدیر:121/3 دار شیدیہ)

جس طرح خونی قرابت داری میں دو بہنوں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا حرام ہے رضاعت میں بھی ان کو جمع کرنا حرام ہے۔ لہذا دو رضاعی بہنوں، اسی طرح رضاعی پھوپھی بھتیجی اور رضاعی خالہ بھانجی کو جمع کرنا درست نہیں۔

جمع بین المحارم:

جمع بین الاختین، جمع بین الام والبنت اور جمع بین المحارم کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر ان دو عورتوں کو بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی بھی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے نکاح جائز نہ ہو سکے۔ یہ قاعدہ اوپر کی تینوں صورتوں پر صادق آتا ہے۔ جمع بین المراۃ والبنت زوجہ جمہور کے نزدیک جائز ہے، عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس سے ایسا کرنا ثابت ہے؛ کیونکہ اس میں سوتیلی لڑکی کو مرد فرض کریں تب تو سوتیلی ماں سے حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن سوتیلی ماں کو مرد فرض کریں تو اس کا کوئی رشتہ قرابت یا رضاعت یا کسی بھی طرح کا نہیں نکلتا۔ یعنی ایک جانب سے قاعدہ منطبق ہوتا ہے جانبین سے نہیں ہوتا حالانکہ قاعدہ یہ تھا کہ دونوں طرف سے حرمت ثابت ہو۔(ہدایہ ثانی ج ص 13، 12 بدائع کتاب النکاح)

حرمت مصاہرت:

زنا اور دواعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ شوافع کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوتی، احناف کے نزدیک ہوتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زنا اور دواعی زنا گناہ ہیں جبکہ سسرالی رشتہ عزت و مرتبے کی چیز ہے۔ گناہ سے عزت و مرتبہ کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب دو مرد وعورت زنا کرتے ہیں تو زنا تو حرام ہے اس سے سسرالی رشتہ قائم نہیں ہوتا لیکن ان کی یہ وطی عموماً بچے کا سبب بنتی ہے جس کی وجہ سے تمام رشتے وجود میں آتے ہیں یعنی بچہ اولاً مرد وعورت کا جزو ہوتا ہے، اسی وجہ سے بچے کی نسبت دونوں کی طرف کامل طریقے ہوتی ہے پھر یہی جزئیت ان کے اصول وفروع میں بھی چلی جاتی ہے اور زانی کے اصول وفروع مزنیہ کے لیے اصول فروع کی طرح بن جاتے ہیں اور مزنیہ کے اصول وفروع زانی کے لیے اصول وفروع کی طرح بن جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بچے کے واسطے سے دونوں میں اور ان کے اصول وفروع میں جزئیت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور جزو سے استمتاع جائز نہیں اس لیے زانی اور مزنی کے لیے ایک دوسرے کے اصول وفروع سے استمتاع جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ محرمیت کا رشتہ زنا کی حیثیت سے نہیں بلکہ زنا کے بچے کا سبب بننے کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ البتہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے باوجود جزئیت کے حرام نہیں کیونکہ اس میں بہت بڑی انسانی ضرورت چھپی ہوئی ہے اگر اسے بھی جزئیت کی وجہ سے حرام کہیں تو دنیا کا فیملی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

جہاں تک بات ہے دواعی وطی کی تو وہ اس لیے محرمیت کا سبب ہے کہ دواعی سبب بنتے ہیں زنا کے اس لیے جو حکم زنا کا ہے احتیاطاً وہی اس کے دواعی کا بھی لگا دیا۔ (ہدایہ ثانی ص 14 بشری)

حرمت مصاہرت کی شرائط

کسی بھی عورت سے جماع کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ البتہ چھونے یا دیکھنے سے حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لیے احناف کے نزدیک چند شرائط ہیں، اگر یہ سب شرائط ہوں گی تو حرمت مصاہرت ثابت ہو گی، ان میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی کم ہو گی تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہو گی:

1۔۔۔ لڑکا بالغ یا مراہق ہو یعنی لڑکا بارہ سال یا اس سے زیادہ کا ہو اور لڑکی بالغہ یا مشتہاۃ یعنی نو سال یا اس سے زیادہ کی ہو۔ لڑکا یا لڑکی کی عمر اس سے کم ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ اگر چہ دوسری جانب عاقل بالغ ہو اور شہوت سے اس نے ہاتھ لگایا ہو۔

2۔۔۔ چھونا بغیر حائل کے ہو، یعنی کپڑے کے ساتھ پکڑنے یا ہاتھ لگانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، البتہ اگر کپڑے، بہت باریک ہوں کہ جس کے ساتھ بدن کی حرارت ہاتھوں کو محسوس ہو یا ہاتھوں کی حرارت بدن میں محسوس ہو تو حرمت ثابت ہو گی۔

3۔۔۔ مس کے وقت کی حالت، مس سے پہلے کی حالت سے قوی ہو تو شہوت کا تحقق ہو گا۔ اگر مس کے وقت کی حالت، مس سے پہلے کی حالت کے برابر رہے یا کمزور ہو جائے تو شہوت کا تحقق نہ ہو گا۔

4۔۔۔ شہوت کی مذکورہ شرط نمبر 3 مس کے وقت پائی جائے۔ مس سے پہلے شہوت ہو، مس کے وقت نہ ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ اس طرح اگر مس کے وقت شہوت نہ ہو، مس کے بعد خیالات سے شہوت پیدا ہو گئے ہوں اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ یہ شرط اگرچہ دوسری شرط کے ضمن میں آ چکی ہے۔ لیکن مسئلہ کو منقح کرنے کے لیے الگ سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

5۔۔۔ جس کو شہوت سے ہاتھ لگایا ہو جماع کی خواہش بھی اسی کے ساتھ ہو۔ لہٰذا:

- شہوت سے ہاتھ لگا ہو لیکن جماع کی رغبت نہ ملموسہ سے ہو نہ کسی اور سے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔
- شہوت کے ساتھ ہاتھ لگا ہو اور جماع کی خواہش بھی ہو لیکن جماع کی خواہش نہ ملموسہ سے متعین ہو اور نہ کسی اور عورت سے اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔

- جماع کی خواہش متعین عورت سے ہو لیکن وہ متعین عورت یہ ملموسہ نہ ہو کوئی اور ہو تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔
- جماع کی خواہش اسی ملموسہ سے ہو تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ یہ شرط، شامی، قاضی خان میں موجود ہے اور امداد الاحکام میں اس پر متفقہ فتویٰ بھی دیا گیا ہے۔

6۔۔ انزال نہ ہو، اگر انزالِ منی ہو گیا تو پھر حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ یہ شرط صاحب ہدایہ نے بھی بیان کی ہے۔

7۔۔ لواطت (پچھلے راستے سے جماع کرنا) چونکہ سبب للولد (بچہ پیدا کرنے کا سبب) نہیں ہے اس لیے اس سے اور ان کی خواہش سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ صاحب ہدایہ کے نزدیک عورت کے ساتھ لواطت سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جبکہ انزال نہ ہوا ہو۔

8۔۔ حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لیے فاعل کا اقرار یا دو عادل گواہوں کی گواہی کا پایا جانا ضروری ہے نیز اگر بیوی سسر پر شہوت کے ساتھ چھونے کا الزام لگائے تو شوہر کو اس کی سچائی کا غلبہ ظن یا تصدیق ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ نے تمام شرائط بیان نہیں کیں۔ چند ایک ہی بیان کی ہیں۔ مرتب نے ازراہ افادہ مزید شرائط لکھ دی ہیں۔

مجتہد فیہ محارم

1۔ امام شافعی کے نزدیک احرام کی حالت میں بھی نکاح کرنا کرانا جائز نہیں۔ دلیل لاینکح المحرم ولاینکح۔ احناف کہتے ہیں کہ نکاح سے مراد جماع ہے، نہ کہ نکاح۔ اس لیے نکاح جائز ہے جماع جائز نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جبکہ وہ محرم تھیں۔

2۔ ایک عورت اور اس کی ربیبہ کو جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ امام زفر اور ابن ابی لیلی کے نزدیک جائز نہیں۔ وسیاتی

3۔ احناف کے نزدیک زنا اور دواعی سے سسرالی رشتہ ثابت ہوتا ہے شافعیہ کے نزدیک نہیں ہوتا۔ وسیاتی

4۔ احناف کے نزدیک کتابی باندی سے نکاح جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف مسلم باندی سے نکاح جائز ہے کتابی سے جائز نہیں۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ باندی سے نکاح ضرورت اور مجبوری میں جائز ہے اور قاعدہ ہے کہ الضرورۃ تتقدر بقدرھا اس لیے جب مسلم باندی سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے تو کتابی سے نکاح کی کیا ضرورت؟ دوسری بڑی دلیل ان کی یہ ہے کہ کتابی سے نکاح کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اولاد غلام شمار ہو گی۔ کیونکہ بچے اس معاملے میں ماں کے تابع ہوتے ہیں۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو یا نہ ہو مسلم اور کتابی دونوں طرح کی باندی سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ آیت واحل لکم ماوراء ذالکم مطلق ہے۔ اس کے اطلاق میں اہل کتاب باندیاں بھی شامل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی نقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ من لم یستطع منکم طولا مفہوم شرط ہے اور من فتیاتکم المؤمنات مفہوم صفت۔ اور مفہوم مخالف کو دلیل بنانا احناف کے نزدیک جائز نہیں۔ (تح)

دلیل عقلی کا جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کو غلام بنانا تب لازم آتا جب بچے موجود ہوتے۔ ابھی بچوں کی پیدائش ہی نہیں ہوئی تو انہیں کیسے آزاد یا غلام کا عنوان دے سکتے ہیں؟ بلکہ اس شخص کے لیے تو سرے سے بچے نہ لینا جائز ہے مثلاً عزل کرتا ہے یا بانجھ یا آئسہ باندی سے نکاح کرے تو جب اصل اولاد یعنی سرے سے اولاد کے حصول سے رک سکتا ہے تو وصف یعنی آزادی

یاغلامی کاتوسوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز اگر بچوں کا غلام بننالازم آرہاہو تو یہ قباحت تو مسلمہ باندی سے نکاح کرنے میں بھی ہے فماھوجوابکم فھوجوابنا۔ نیز اگر غلام بچے پیدا ہو گئے تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ یہ شخص آزاد اولاد نہیں چاہتا،یہ نہیں کہیں گے کہ اولاد کو غلام بناناچاہتا ہے۔اور ان سب باتوں کے باوجود اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے کہ بچوں کو غلام بنانالازم آئے گاتو اس کی وجہ سے نکاح کو صرف مکروہ کہہ سکتے ہیں، حرام نہیں کہہ سکتے۔(فتح)

خلاصۂ کلام

یہ کہنادرست نہیں کہ کتابی باندی سے نکاح کرکے اپنے بچوں کو غلام بنائے گا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ شخص آزاد بچے حاصل نہیں کرناچاہتا۔ اور شرعاً اس کی اجازت ہے۔

آزاد پر باندی سے نکاح

احناف کے نزدیک آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح جائز نہیں، چاہے اس کاخواہش مند آزاد مرد ہو یاغلام۔ امام شافعی کے نزدیک غلام کے لیے جائز ہے آزاد کے لیے جائز نہیں۔ امام مالک کے نزدیک آزاد بیوی کی اجازت سے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

احناف کی نقلی دلیل حدیث ہے: لاینکح الامۃ علی الحرۃ وتنکح الحرۃ علی الامۃ۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ جیسے باندی کی سزا آدھی ہے اس کی عدت آدھی ہے اس کی طلاقیں آدھی ہیں تو اسی طرح نکاح کی نعمت بھی اس کو آدھی ہی ملے گی، یعنی آزاد عورت کے مقابلے میں اس کی حلیت نکاح نصف ہو گی: لان الرق منصف۔ اب آدھی کس طرح ہو گی؟ تو ہم نے دیکھا کہ آزاد عورت کی حلت تنہا نکاح کی صورت میں بھی ہے کہ صرف اس کے ساتھ نکاح ہو کسی اور سے مرد نے ابھی تک شادی نہ کی ہو اور حالت انضمام یعنی جب دوسری آزاد عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کر رکھا ہو تب بھی اس کا محل نکاح حلال ہے تو ہم نے اس کا نصف لے لیا کہ حالت انفراد میں باندی سے

نکاح کی اجازت دی اور حالت انضمام میں اس کے محل کو حلال نہیں کہا تا کہ آزاد عورت کی اہانت لازم نہ آئے۔ اور آزاد عورت کی اہانت دو صورتوں میں لازم آتی ہے: آزاد کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا دوسرا آزاد اور باندی دونوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا۔ جبکہ تیسری صورت جب باندی کے نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد سے نکاح کرے اس میں آزاد کی اہانت نہیں اس لیے وہ جائز ہے اسی لیے حدیث میں بھی اس کی اجازت دی گئی ہے۔

عدت نکاح کے قائم مقام، تین ایک جیسے مسائل

بیوی کو طلاق دے دی اس کی عدت کے دوران اسی کی بہن سے نکاح بھی جمع بین الاختین ہے۔ چار میں سے ایک بیوی کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت سے فارغ نہ ہو جائے پانچویں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ورنہ پانچ بیویاں ایک ساتھ رکھنا لازم آئے گا۔ حرہ کو طلاق دی ابھی عدت چل رہی ہے کہ امہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ بھی ادخال الامۃ علی الحرہ ہے۔ قاعدہ یہ بنا کہ عدت نکاح کے قائم مقام سمجھا جائے گا!

یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔ دیگر ائمہ کا مسلک کیا ہے؟ وہ اس نقشے میں ملاحظہ فرمائیے!

عنوان مسئلہ	امام صاحب	دیگر فقہی آراء
بائنہ کی عدت کی دوران اس کی بہن سے نکاح	جائز نہیں	عند الشافعی جائز ہے
چوتھی بیوی کی عدت کے دوران پانچویں سے نکاح	جائز نہیں	عند الشافعی جائز ہے
حرہ کی عدت کے دوران باندی سے نکاح	جائز نہیں	عند الصاحبین جائز ہے

پہلے دو مسائل اور ان کے دلائل و جوابات

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ طلاق بائنہ کے بعد زوجین میں نکاح مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر دوران عدت جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ مجھ پر حرام ہے پھر بھی معتدہ سے وطی کر لے تو اس پر حد واجب ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں اجنبی بن چکے ہیں۔ اس لیے اب وہ چاہے تو معتدہ کی بہن یعنی اپنی سابقہ سالی سے نکاح کر سکتا ہے۔ وعلی ہذا۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ نکاح تو ختم ہو گیا لیکن اس کے اثرات ابھی بھی قائم ہیں جیسے نفقہ واجب ہونا، عدت کے دوران باہر نہ نکلنا، بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہونا وغیرہ۔ بلکہ خود عدت بھی اسی شوہر کے اعزاز میں اور اس سے الگ ہونے کے سوگ میں ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح کے اثرات بھی بالکلیہ ختم ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ اپنی سالی سے ابھی نکاح نہیں کر سکتا۔

جہاں تک یہ مسئلہ ہے کہ شوہر دوران عدت اپنی بائنہ سے وطی کر لے تو حد زنا واجب ہوتی ہے تو اول تو مبسوط کی کتاب الطلاق کے مطابق یہ درست نہیں، مبسوط کی کتاب الطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حد واجب نہ ہو گی۔ ثانیاً اگر اس مسئلے کو درست تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ مبسوط کی کتاب الحدود سے معلوم ہوتا ہے تب بھی اس مسئلے سے یہ اخذ کرنا کہ نکاح مکمل ختم ہو چکا ہے درست نہیں۔ کیونکہ حد لگنے کی دلیل الگ ہے اور سالی سے نکاح درست نہ ہونے کی دلیل الگ۔ حد اس لیے لگے گی کہ یہ عورت اس کے لیے حرام ہو چکی تھی تو زنا کی تعریف صادق آنے کی وجہ سے حد لگی اور سالی سے نکاح کی دلیل اپنی جگہ قائم ہے کہ سابقہ نکاح کے کچھ آثار باقی ہیں اس لیے جب تک وہ ختم نہیں ہو جاتے جمع بین الاختین کی علت کی وجہ سے سالی حلال نہ ہو گی۔

حرہ کی عدت کے دوران باندی سے نکاح

صاحبین یہاں وہی دلیل دیتے ہیں جو اوپر امام شافعی نے دی کہ نکاح ختم ہو چکا ہے اس لیے ادخال الامۃ علی الحرہ یعنی کاملہ اور ناقصہ کو جمع کرنا لازم نہیں آئے گا۔ اور نظیر یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر شوہر قسم اٹھائے کہ میں اپنی آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے کسی باندی سے نکاح نہیں کروں گا اور پھر وہ آزاد کو طلاق دے کر اس کی عدت کے دوران نکاح کرے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹتی۔

امام صاحب وہی جواب دیتے ہیں جو امام شافعی کو دیے اور نظیر کا جواب یہ ہے کہ قسم کے مسائل کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں اس قسم کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آزاد کے حقوق زوجیت میں باندی کو شامل نہیں کرے گا اور ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد آزاد کے کوئی حقوق زوجیت نہیں رہتے۔ اس لیے وہ حانث نہیں ہوا اس لیے اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

اقسام فراش:۔

فراش باطل:

اس کی متعدد صور تیں ہیں:

1۔۔۔وہ زانیہ جو حمل سے نہ ہو اس کا کوئی فراش نہیں؛ کیونکہ زنا کا کوئی فراش نہیں ہوتا۔ اس سے نکاح بھی جائز ہے اور وطی بھی بغیر کسی عدت کے جائز ہے۔ وطی کا جواز شیخین کا مذہب ہے۔ امام محمد کے نزدیک نکاح جائز ہے لیکن استبراء کے بغیر وطی پسندیدہ نہیں۔ (والیہ مال ابن الھمام کمالسیاتی)

2۔۔۔زانیہ جو حاملہ ہو اور غیر زانی نکاح کرے۔ اس کا فراش بھی باطل ہے اس لیے اس سے نکاح جائز ہے البتہ بچے کے احترام میں ایک عارضی وجہ سے کہ لسے غیر کا پانی سیراب نہ کرے اس سے وطی ممنوع ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے دوسرے کے حمل کو سیراب کرنے سے

منع فرمایا ہے۔ لا یحل لامریٔ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسقی ماءہ زرع غیرہ. امام ابو یوسف اس نکاح کو باطل قرار دیتے ہیں۔ وہ اسے ثابت النسب حمل پر قیاس کرتے ہیں کہ جب وہاں بچے کے احترام میں نکاح جائز نہیں تو یہاں بھی بچے کے احترام میں جائز نہیں۔ اسی وجہ سے اسے ساقط کرانا بھی جائز نہیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ثابت النسب حمل کا احترام شوہر کی وجہ سے ہے کہ وہ اس کے لیے حلال تھی جبکہ زانی کا کوئی احترام نہیں۔

فراش قوی:

اس کی متعدد صورتیں ہیں:

1۔۔۔ نکاح صحیح کے بعد بیوی اپنے شوہر کا فراش قوی ہے۔ جب تک اس کے نکاح میں ہے اس کا کسی سے نکاح باطل ہے۔ لانہا منکوحۃ الغیر وللجمع بین الفراشین واختلاط النسب اس سے ہونے والے بچے کا نسب اس کے شوہر سے ہی ثابت ہوگا۔

2۔۔۔ مہاجرات جو مسلمان ہو کر دارالاسلام آگئیں ان کا فراش بھی قوی ہے؛ کیونکہ ان کا نکاح اپنے کافر ازواج سے نکاح صحیح تھا اس لیے عدت (استبرائے رحم) کے بغیر ان سے نکاح باطل ہے۔

3۔۔۔ شادی شدہ کافر عورتیں قیدی اور باندی بنا کر دارالاسلام میں لائی جائیں تو کیونکہ ان کا نکاح اپنے شوہروں سے نکاح صحیح تھا اس لیے ان کا فراش بھی قوی ہے اس لیے ان سے نکاح عدت گزرے (استبرائے رحم کے) بغیر درست نہیں۔

4۔۔۔ ام ولدہ اگر حاملہ ہو اور آقا اعتراف کر چکا ہو کہ یہ حمل اس سے ہے تو وضع حمل سے قبل اس کا نکاح جمع بین الفراشین کی وجہ سے باطل ہے؛ کیونکہ ام ولدہ پہلے ہی اپنے آقا کا فراش ہوتی ہے اور جب حاملہ ہو اور آقا اس حمل کا اقرار بھی کر چکا ہو تو وہ اس کا اتنا قوی فراش بن جاتی

ہے کہ بیوی کی طرح بچے کی پیدائش کے بعد بغیر اس کے دعویٰ کے بھی اسی کی طرف اس بچے کی نسبت ہوتی ہے۔اس لیے ایسی صورت حال میں یہ باندی اگر کسی کے نکاح میں جاتی ہے تو دو فراش ایک جیسی قوت والے جمع ہو جائیں گے جو درست نہیں۔

فراش متوسط:

ام ولدہ اپنے آقا کا فراش ہوتی ہے لیکن جب تک حمل مع الاقرار نہ ہو فراش متوسط ہوتی ہے، حمل مع الاقرار کے بعد فراش قوی بنتی ہے کما مر۔ فراش متوسط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر آقا پیدا ہونے والے بچے کی نفی کر دے تو لعان لازم نہیں آتا۔ فراش قوی میں لعان لازم آتا ہے ۔اس لیے ام ولدہ کا نکاح جبکہ حاملہ نہ ہو جائز ہے؛ کیونکہ اس سے دو مساوی قوت والے فراشوں کو جمع کرنا لازم نہیں آتا۔

فراش ضعیف:

آقا نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی ام ولدہ نہیں ہے اس کے بعد اس کا نکاح کسی سے کرا دیا تو گو آقا کو استبراء کے بعد نکاح کرانا چاہیے تھا لیکن اس نے اس کے بغیر ہی نکاح کرا دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا اور شوہر کے لیے اس سے بغیر استبرائے رحم کے وطی بھی درست ہے۔

یاد رہے یہاں اگرچہ باندی آقا کا فراش بنی ہے لیکن یہ فراش نہایت ضعیف درجے کا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ باندی بچہ لے کر آجائے تب بھی اس کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوتا جب تک آقا اس کی تصدیق نہ کر دے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ شوہر کو استبراء کے بعد اس باندی سے وطی کرنی چاہیے؛ کیونکہ ممکن ہے وہ حاملہ ہو اور حاملہ من الزنا کا بھی یہی حکم ہے کہ نکاح جائز ہے لیکن استبراء کے بغیر وطی جائز نہیں۔اسی طرح باندی کو بیچا جا رہا ہو تو بیچنا درست ہے لیکن مشتری پر استبراء واجب ہے اس کے بغیر وطی جائز نہیں؛ کیونکہ ممکن ہے باندی حمل سے ہو۔امام محمد تو مزنیہ سے نکاح کے بعد اس کے بھی استبراء کے قائل ہیں۔

قال الفقيه ابوالليث رحمه الله:وقول محمد اقرب الى الاحتياط(كفايه)قال ابن الهمام رحمه الله:واختار الفقيه ابوالليث قول محمد رحمه الله:لانه احوط(فتح القدير مع الهدايه والعنايه:3/403،طبع رشيديه)

شیخین فرماتے ہیں کہ اپنے نطفے کی حفاظت کے لیے خود آقا کو استبراء کروانا چاہیے تھا وجوباً لیکن جب اس نے استبراء نہیں کروایا تو نکاح جائز ہے کیونکہ کسی باندی اپنے آقا کی فراش قوی نہیں ہوتی، فراش ضعیف ہوتی ہے اور فراش ضعیف شرعاً معتبر نہیں، جب نکاح جائز ہے تو وطی بھی بغیر تردد کے جائز ہے؛ کیونکہ اس سے نکاح کا جواز اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا رحم آقا کے نطفے سے مشغول نہیں ہاں وہم ہے لیکن شرعاً وہم کا اعتبار نہیں۔

حاملہ من الزنا والی نظیر کا جواب یہ ہے کہ ہمارے مسئلے میں حاملہ ہونا موہوم ہے جبکہ حاملہ من الزنا میں حمل یقینی تھا، سو موہوم کو محقق پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور شراء والی نظیر پر قیاس اس لیے درست نہیں کہ وہ نکاح نہیں بیع و شراء ہے، باندی کی بیع و شراء تو حمل کے ساتھ بھی درست ہے حتی کہ حمل اگر اس کے شوہر سے ہو تب بھی اس کی بیع درست ہے، کیا اس موطوءہ باندی کا نکاح حمل کے ساتھ درست ہے؟ ظاہر ہے نہیں۔(وفیہ نظر)

نکاح موقت اور متعہ میں فرق:

متعہ اور نکاح موقت اس معنی میں مشترک ہیں کہ یہ تابید کے لیے نہیں بلکہ محدود وقت کے لیے ہوتے ہیں اور دونوں ہی مقاصد نکاح کو پورا نہیں کرتے لیکن کچھ ان میں فرق بھی ہیں۔ یہ فرق فتح القدیر:3/149 اور عنایہ:3/150 نے صراحتاً لکھے ہیں اور صاحب ہدایہ کے کلام سے اشارتاً مستنبط ہوتے ہیں:

متعہ	نکاح موقت
الفاظ متعہ کے ہوتے ہیں	الفاظ نکاح کے ہوتے ہیں

گواہ ہونا ضروری نہیں	گواہ ہوتے ہیں
مدت متعین ہونا ضروری نہیں	مدت متعین ہوتی ہے
عدم جواز پر اہلسنت کا اتفاق ہے	امام زفر کے نزدیک جائز ہے۔

نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا:

نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ نکاح ہو جاتا ہے اور شرط فاسد ہو جاتی ہے جبکہ بیع شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے۔

حل عبارت:

یقسم علی مہر مثلیہما کافاد مولا عنایہ اور فتح القدیر میں یہ لکھا ہے کہ مثلاً دونوں کے مہر کا مجموعہ 1000 روپے ہیں۔ حلال کے بھی 500 اور حرام کے بھی 500 اور مہر مثل کا مجموعہ 3000 روپے ہیں۔ حلال کا 1000 روپے اور حرام کا 2000 ہو تو صاحبین کے نزدیک مہر مسمی 1000 کو 3 سے تقسیم کریں گے اور 333 روپے حلال کو دیں گے اور 666 روپے حرام کا مہر ہو گا جو معاف ہو جائے گا؛ کیونکہ اس سے نکاح ہی حرام ہے۔ (ہدایہ ثانی اشرفی ص 21)

معرکۃ الآرا مسئلہ، قضاء القاضی بشہادۃ الزور

جھوٹے گواہوں سے کوئی نکاح عدالت کے سامنے ثابت کر دیا جائے تو قانون کی رو سے تو بالاتفاق وطی جائز ہے لیکن دیانت اور حقیقت کی رو سے بھی وطی جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے جس کو اختلافات والے نقشے کے بالکل آخر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ صاحبین کے دلائل واضح ہیں جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قانوناً نکاح کو تو آپ بھی مانتے ہیں؛ کیونکہ عدالت ثبوتوں کو دیکھتی ہے وہ گواہوں کو سچا ہی سمجھتی ہے جہاں تک بات ہے دیانت اور حقیقت کی تو جب قضاء کو درست مان لیا گیا تو حقیقت میں بھی درست مان لیا جائے گا یہ سمجھ کر کہ پہلے بھری

مجلس میں اقتضاء نکاح ہوا اس کے بعد قاضی نے ان کے میاں بیوی ہونے کا فیصلہ سنایا(ہدایہ ثانی بشریٰ ص22)

صاحبین اسے املاک مرسلہ پر قیاس کرتے ہیں۔ املاک مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ ملکیت کا دعویٰ ہو لیکن سبب بیان نہ کرے۔ مثلاً کوئی شخص عدالت میں دعوی کرے کہ یہ باندی اس کی ہے اور گواہ گواہی بھی دیں کہ مدعی کی ہے لیکن یہ نہ بتایا جائے کہ کیوں اس کی ہے؟ اس نے خریدا ہے یا میراث میں ملی ہے؟ کسی نے ہبہ کی ہے؟ تو قضا کی رو سے مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی ہے اور اس کے لیے قانوناً وطی جائز ہے، لیکن باطناً اگر اس کے گواہ جھوٹے ہوں تو اس کے لیے اس سے وطی جائز نہیں۔ امام صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ املاک مرسلہ والے مسئلے میں اسباب کئی ہو سکتے ہیں، کوئی سبب بیان نہ کرنے کی وجہ سے ملکیت میں دیانتاً فساد آیا جبکہ ہمارے اس مسئلے میں اسباب میں کوئی تزاحم اور ٹکراؤ نہیں کیونکہ سبب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ ہے نکاح۔

بین الائمہ اختلافی مسائل:

عنوان المسئلہ	احناف	شوافع
زنا سے حرمت مصاہرت	ثابت ہو جاتی ہے	ثابت نہیں ہوتی
دواعی زنا سے مصاہرت	ثابت ہو جاتی ہے	ثابت نہیں ہوتی
اپنی مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح	عدت کے اندر جائز نہیں	بائنہ کی عدت میں جائز ہے
حالت احرام میں نکاح	منعقد ہو جاتا ہے	منعقد نہیں ہوتا
کتابی باندی سے نکاح؟	درست ہے	درست نہیں
آزاد عورت نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا	درست نہیں	درست ہے۔ امام مالک کے نزدیک آزاد بیوی کی اجازت

		ہوتو درست ہے
چار باندیوں سے نکاح کرنا	جائز ہے	صرف ایک سے جائز ہے

وہ مسئلہ جس میں امام مالک کے ساتھ اختلاف ہے:

عنوان المسئلہ	احناف	مالکیہ
غلام دو بیویاں کرے یا چار؟	دو ہی شادیاں کر سکتا ہے۔	چار کر سکتا ہے

وہ مسائل جن میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے:

عنوان المسئلہ	امام ابو حنیفہ	شاگرد
حاملہ من الزنا سے نکاح جائز ہے؟	طرفین کے نزدیک نکاح جائز ہے وطی وضع حمل تک جائز نہیں	امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح باطل ہے۔
قضاء القاضی بشہادۃ الزور	ظاہرا و باطنا نافذ ہے	صرف ظاہرا نافذ ہے باطنا نہیں۔

باب الاولیاء والاکفاء

پہلے بچوں کے ولی اور سرپرست کے حوالے سے مسائل بیان ہوں گے پھر آئندہ باب میں کفاءت یعنی لڑکی کے برابر کے رشتے کے حوالے سے تفصیلات بیان کی جائیں گی۔ جن مسائل میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

اپنی مرضی سے نکاح

آزاد بالغ لڑکی اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو نکاح ہو جائے گا؟

ظاہر الروایۃ کے مطابق کفو ہو یا غیر کفو نکاح ہو جائے گا البتہ غیر کفو میں نکاح کرلے تو بچہ کی پیدائش سے پہلے پہلے اولیا کو تنسیخ نکاح کی درخواست عدالت میں دائر کر کے نکاح ختم کرانے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ نوادر کی روایت کے مطابق کفو میں نکاح ہو گا غیر کفو میں نکاح ہی نہ ہو گا۔ اس وقت فتوی دونوں روایتوں پر دیا جارہا ہے۔

امام محمد کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح موقوف رہے گا (امام محمد نے بعد میں اس قول سے رجوع کر کے شیخین کا موقف قبول کر لیا تھا) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہی نہ ہو گا۔ (ہدایہ ثانی اشرفی ص 22,23)

ائمہ ثلاثہ کے مطابق عورت ناقص العقل ہے اسے نکاح کے مقاصد وغیرہ کا علم نہیں اس لیے اس سوء اختیار کی وجہ سے نکاح نہ ہو گا۔ احناف کے نزدیک عورت صحیح الاختیار ہے۔ رشتہ آنے کے بعد شوہر کو پسند کرنے کا اختیار اسے شریعت نے دیا ہے تو نکاح کا اختیار کیوں نہیں؟ نیز جب اسے مالی تصرفات کا حق ہے اور وہ عاقل بالغ ہے تو نکاح کا اختیار کیوں نہیں؟

باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا

احناف کے نزدیک درست نہیں، شافعیہ کے نزدیک درست ہے۔ شافعیہ کے نزدیک باکرہ کو نکاح کے معاملات کا کوئی تجربہ نہیں اس لیے وہ صغیرہ کی طرح ہے جس طرح صغیرہ پر ولایت اجبار حاصل ہے باکرہ بالغہ پر بھی حاصل ہے یہی وجہ ہے لڑکی کی طرف سے کہ مہر بھی باپ ہی قبول کرتا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ صغیرہ کو تو سمجھ نہیں ہے اس پر اجبار سمجھ آتا ہے لیکن بالغہ تو آزاد ہے وہ احکام کی مکلف ہے مالی تصرفات میں بھی اس پر کوئی جبر نہیں ہے بلکہ خود مختار ہے اسی طرح نکاح کے معاملے میں بھی خود مختار ہے اس پر کیسے کوئی جبر کر سکتا ہے؟ لہذا بالغہ کو صغیرہ پر قیاس کرنے کے بجائے بالغ لڑکے پر قیاس کرنا چاہیے کہ جیسے اس پر کوئی ولایت اجبار نہیں لڑکی پر بھی ولایت اجبار حاصل نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک بات ہے مہر

کی تو اس کی اجازت لڑکی کی طرف سے دلالتاً موجود ہوتی ہے چنانچہ اگر لڑکی باپ کو مہر لینے سے روکنا چاہے تو روک سکتی ہے۔ تو یہ دلیل تو خود احناف کے مسلک کی موید ہے۔(ہدیہ علی شری:23)

استیذان کی صورتیں

بالغ لڑکی کا جب نکاح ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی اجازت دینے نہ دینے کی یہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

صورتیں	حکم
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی خاموش رہی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی مسکرا دی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی بغیر آواز روئی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی آواز سے روئی	نکاح درست نہیں۔
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی استہزائیہ انداز میں ہنسی	نکاح درست نہیں۔
باکرہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی نے زبان سے اجازت دی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ سے غیر ولی نے اجازت لی اور لڑکی نے زبان سے اجازت دی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ سے غیر ولی نے اجازت لی اور لڑکی خاموش رہی یا مسکرائی یا روئی	نکاح درست نہیں۔
ثیبہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی خاموش رہی یا مسکرائی یا روئی	نکاح درست نہیں۔
ثیبہ بالغہ سے ولی نے اجازت لی اور لڑکی نے زبان سے اجازت دی	نکاح درست ہے۔
باکرہ بالغہ سے ولی کے قاصد نے اجازت لی اور لڑکی نے زبان سے اجازت دی، یا خاموش رہی یا روئی یا مسکرائی	نکاح درست ہے
باکرہ بالغہ کا نکاح ولی نے کروایا جس کی خبر فضولی نے دی اور لڑکی نے زبان سے اجازت دی	نکاح درست ہے

باکرہ بالغہ کا نکاح ولی نے کروایا جس کی خبر فضولی نے دی اور لڑکی خاموش رہی یا روئی یا مسکرائی تو نکاح تو درست ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس مخبر کی خبر کے لیے کوئی شرط ہے یا نہیں؟	عند ابی حنیفہ عدد یا عدالت شرط ہے، صاحبین کے نزدیک شرط نہیں

زنا سے پردۂ بکارت زائل ہو جائے

زنا سے لڑکی کی بکارت زائل ہو جائے جبکہ لڑکی زنا میں معروف نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک لڑکی باکرہ کے حکم میں ہے۔ اگر شہرت ہو جائے تو ثیبہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بہر صورت ثیبہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک بھی ثیبہ ہے۔

صاحبین قیاس کو لیتے ہیں کہ حقیقت میں یہ ثیبہ ہو چکی ہے اس کے پاس جانے والا پہلی بار نہیں بلکہ دوسری بار جانے والا ہو گا۔ دوسرا وہ اسے نکاح فاسد کی منکوحہ اور موطوءہ بالشبہ پر قیاس کرتے ہیں کہ اس کا زبان سے بولنا شرط ہے۔ امام صاحب استحسان کو لیتے ہیں کہ ابھی تک کسی کو اس واقعہ کا علم نہیں اگر ہم نے زبان سے بولنے کو لازمی قرار دیا تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس طرح اس کا رشتہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ باقی نکاح فاسد کی منکوحہ اور موطوءۃ بالشبہ کا جواب یہ ہے کہ وہاں شریعت نے اس کے اظہار کا حکم دیا ہے کیونکہ نسب عدت اور بہت سے احکام اس سے وابستہ ہوتے ہیں جبکہ زنا کو چھپانا افضل ہے اور مزنیہ سے کوئی ایسے احکام بھی وابستہ نہیں۔

نکاح ہونے نہ ہونے کا اختلاف

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت میں اصل یہ ہے کہ اس کا نکاح نہ ہوا ہو اس لیے عورت متمسک بالاصل ہے شوہر نکاح کا دعوی کر کے خلاف اصل کا مدعی ہے اس لیے یا تو وہ گواہ پیش کرے ورنہ منکر یعنی عورت کی بات معتبر ہو گی قسم کے ساتھ (صاحبین کے نزدیک، جبکہ امام صاحب کے نزدیک بغیر قسم اس کی بات مان لی جائے گی)۔

امام زفر کے نزدیک مرد کی بات معتبر ہے۔وہ سکوت کو اصل قرار دیتے ہیں اور عورت کو سکوت کی منکر قرار دے کر اسے مدعی اور مرد کو منکر بناتے ہیں۔دلائل کے لیے نیچے دیے گئے چارٹ کو سمجھیں۔کس چیز میں کیا اصل ہے؟

صورت	حکم
عورت کہے کہ میں نے نکاح رد کر دیا تھا	اصل یہ ہے کہ عورت غیر شادی شدہ ہو،شادی خلاف اصل ہے
عورت کہے کہ میں نے نکاح رد کر دیا تھا	عند زفر عورت کا سکوت اصل ہے،رد خلاف اصل ہے
مدت خیار کے بعد من لہ الخیار کا یہ دعویٰ کہ میں نے رد کر دیا تھا	مدت خیار گزرنے کے بعد قبول اصل ہے،رد خلاف اصل
مودَع کا یہ کہنا کہ ودیعت واپس کر دی تھی	بے گناہ ہونا اور امانت دار ہونا اصل ہے،خیانت اور جرم خلاف اصل ہے

نابالغ کا ولی کون؟

نابالغ لڑکا لڑکی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کون کرا سکتا ہے؟اس مسئلے میں یہ مذاہب ہیں:

1۔ابن شبرمہ اور ابو بکر اصم کے نزدیک کوئی نکاح نہیں کروا سکتا؛کیونکہ وقت سے پہلے اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔اس کے نکاح کی ابھی حاجت ہی کیا ہے؟

2۔امام مالک کے نزدیک صرف باپ کرا سکتا ہے کوئی اور نہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ نابالغ لڑکی آزاد ہے اور آزاد پر کوئی ولایت کسی کو نہیں ہوتی،اگر ہوتی ہے تو ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہے اور نابالغ لڑکی کے نکاح کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟کیونکہ اس کے اندر شہوت ہی نہیں

ہے، اس لیے اس کے نکاح کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ بس صرف باپ کو ولایت خلاف قیاس دیں گے نص کی وجہ سے۔ حضرت عائشہ کا نکاح صغر میں حضرت ابو بکر نے کروایا تھا۔

3۔ امام شافعی کے نزدیک صرف باپ دادا کرا سکتا ہے کوئی اور نہیں، کیونکہ شفقت باپ داد میں زیادہ ہے دوسروں میں کم ہے اسی وجہ سے باپ دادا نابالغ کے مال میں مالی تصرفات کا اختیار رکھتے ہیں بقیہ عصبات کو اس کا حق نہیں۔

4۔ احناف کے نزدیک ہر ولی کرواسکتا ہے عصبہ کی ترتیب پر بیٹا پھر باپ پھر بھائی پھر چچا ولی بنے گا۔ لیکن باپ دادا کی صورت خیار بلوغ نہیں ملے گا، دوسرے ولی میں ملے گا۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ نابالغ کے نکاح کی ضرورت وقت سے پہلے پڑ سکتی ہے، ممکن ہے کوئی اچھا اور برابری کا رشتہ ابھی میسر ہو بعد میں ایسا رشتہ ملنے کی امید نہ ہو، جب اس کی حاجت ہے تو اسے خلاف قیاس نہیں کہہ سکتے اور باپ دادا نہ ہوں تو دوسرا ولی بھی ان مصالح کی تکمیل کر سکتا ہے جہاں تک بات ہے شفقت کی کمی کی تو یہ درست ہے لیکن اس کی تلافی کا راستہ ہمارے پاس ہے وہ ہے خیار بلوغ۔ چنانچہ باپ دادا نے نکاح کرایا ہو تو وہ لازم ہے بلوغت کے بعد صغیر یا صغیرہ اسے فسخ نہیں کر سکتے جبکہ کسی اور عصبہ نے نکاح کروایا ہو تو حق فسخ حاصل ہونے کی وجہ سے غیر لازم ہے۔

جہاں تک مالی تصرفات کی بات ہے تو مالی تصرفات بار بار کیے جاتے ہیں اگر اس کی اجازت باپ دادا کے علاوہ بقیہ عصبات کو دی گئی تو نقصان کا تدارک ممکن نہ ہوگا، بار بار کے تصرف سے مال ختم ہو سکتا ہے اور عدالت ہر بار جانا نہایت مشکل ہے۔ اس لیے اس کے اندر صرف ولایت ملزمہ کی اجازت دی گئی جو باپ دادا کو حاصل ہے ولایت غیر ملزمہ کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ صغیر کا مالی نقصان نہ ہو جائے۔

یہ یادرہے کہ خیار بلوغت دینے میں احناف باہم مختلف رائے رکھتے ہیں: اوپر خیار بلوغت کی جو تفصیل گزری وہ طرفین کے مسلک کے مطابق ہے جبکہ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ جس طرح باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ حاصل نہیں اسی طرح بھائی اور چچا کے کیے ہوئے نکاح میں بھی خیار بلوغ حاصل نہ ہو گا۔ امام ابویوسف کی دلیل کا جواب گزشتہ تقریر سے واضح ہے۔

پھر احناف کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ عصبات نہ ہوں ذوی الارحام ہوں تو وہ ولی بن سکتے ہیں یا نہیں؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام کے اندر بھی وہی شفقت ہے جو عصبات میں ہے اس لیے استحساناً وہ بھی نکاح کرواسکتے ہیں بلکہ بعض اوقات ذوی الارحام کی شفقت عصبات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جبکہ صاحبین کہتے ہیں کہ النکاح الی العصبات کی وجہ سے نکاح صرف عصبات کرواسکتے ہیں، ذوی الارحام میں سے کوئی ولی نہیں بن سکتا۔ عصبات غیر کفو کو اپنے خاندان سے جڑنے نہیں دیں گے جبکہ ذوی الارحام کو ان چیزوں کی فکر نہیں ہو گی۔

بالغہ مجنونہ کا ولی

بالغہ مجنونہ کا مسئلہ اس لیے بیان کیا کہ مجنونہ ہونے کی وجہ سے وہ صغیرہ کی طرح ہے۔
اگر اس کے دو ولی ہوں بیٹا اور باپ تو اس کا ولی بیٹا بنے گا یا باپ؟ شیخین کے نزدیک بیٹا بنے گا کیونکہ عصبہ کی ترتیب پر وہی مقدم ہے۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک باپ مقدم ہے کیونکہ وہ زیادہ شفیق ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ شفقت پر مدار رکھیں تو نانا زیادہ مقدم ہونا چاہیے لیکن ظاہر ہے یہاں عصبہ کی ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے شفقت پر مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

ولایت اجبار کا تعلق صغر سے ہے یا بکارت سے؟

احناف کے نزدیک اس کا تعلق صغر سے ہے لہذا ثیبہ صغیرہ کا نکاح ولی کرا سکتا ہے۔ کیونکہ صغیرہ کو کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ شافعیہ کے نزدیک اس کا تعلق بکر سے ہے لہذا ثیبہ صغیرہ کا نکاح ولی نہیں کرا سکتا ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے بعد تجربہ پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ نابالغ ہو۔ احناف کہتے ہیں کہ ایسے تجربے کا کوئی اعتبار نہیں جس میں لڑکی مشتہات ہی نہ ہوئی ہو۔

خیار بلوغ اور خیار عتق میں فرق

خیار بلوغ	خیار عتق
قضا کی ضرورت پڑتی ہے	قضا کی ضرورت نہیں پڑتی۔
لڑکا لڑکی دونوں کو خیار بلوغ ملتا ہے	صرف باندی کو ملتا ہے، غلام کو نہیں۔
خیار بلوغ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے خاموش رہے تو خیار ساقط ہو جاتا ہے	خیار عتق کا علم نہ ہو تب بھی علم ہونے پر خیار ملتا ہے۔
باکرہ کی خاموشی دلیل رضا ہے، صراحت ضروری نہیں۔	باندی کی صراحت ضروری ہے، سکوت معتبر نہیں۔
مجلس کے بعد بھی خیار رہتا ہے سوائے باکرہ کے کہ باکرہ کا سکوت رضا ہے	مجلس کی حد تک خیار رہتا ہے، مجلس کے بعد ختم ہو جاتا ہے

خیار بلوغ میں قضا کی ضرورت اس لیے ہے کہ صغیر گویا الزام لگاتا ہے ولی پر کہ اس نے ہماری مصلحت کا خیال نہیں رکھا اور الزام جہاں بھی لگے اس کو ثابت کرنے کے لیے قضا کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ خیار عتق میں شوہر پر کوئی الزام نہیں لگتا بلکہ شوہر کی ملکیت بڑھ جاتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت سے اسے صرف دو طلاق کی ملکیت تھی اب تیسری کا بھی مالک بن جاتا

ہے اس ملکیت کو بڑھنے سے روکنے اور اس کو دفع کرنے کے لیے عورت کو خیار دیا گیا ہے اور دفع کے لیے قضا کی ضرورت نہیں۔

یہی دلیل فرق نمبر 2 کی بھی ہے کیونکہ مصلحت کا خیال نہ رکھنے کا الزام جیسے لڑکی لگا سکتی ہے لڑکا بھی لگا سکتا ہے جبکہ ملکیت طلاق میں اضافہ کی وجہ سے خیار صرف عورت کو ملنا چاہیے مرد کو اس کی کیا ضرورت ہے اس کو تو ویسے بھی طلاق کا اختیار ملا ہوا ہوتا ہے۔

تیسرے فرق کی وجہ یہ ہے کہ آزاد لڑکی کو خیار بلوغ کے مسائل کا علم ہوتا ہے کیونکہ دارالاسلام اصل میں دار العلم ہوتا ہے اور آزاد کو علم کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں اس لیے اس کے حق میں مسئلہ سے لاعلمی عذر نہیں، جبکہ باندی کے حق میں مسئلہ سے لاعلمی عذر ہے کیونکہ باندی ہونے کی وجہ سے وہ ہر وقت آقا کی خدمت میں مصروف رہتی ہے، حصول علم کا وقت اسے میسر نہیں آتا۔

چوتھے فرق کی دلیل وہی شرع کا مسئلہ ہے کہ باکرہ کا سکوت رضا ہے جبکہ لڑکے اور ثیبہ کا سکوت رضا نہیں اسی طرح باندی کا سکوت بھی دلیل رضا نہیں اس کے اندر حرہ باکرہ کی طرح شرم وعار نہیں ہوتی۔

پانچویں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خیار عتق آقا کی وجہ سے ملتا ہے اور جو خیار بندے کی طرف سے ملے اس میں خیار مجلس ملتا ہی ہے جیسے مفوضہ کو شوہر کی طرف سے جب طلاق کا اختیار ملتا ہے تو وہ مجلس تک ہی منحصر رہتا ہے جبکہ خیار بلوغ کسی انسان کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ مصالح نکاح میں جو خلل پیدا ہو جاتا ہے اس کے تدارک کے لیے شریعت کی طرف سے ملتا ہے اس لیے یہ اختیار مجلس ختم ہونے کے بعد بھی قائم رہے گا جب تک صراحتاً راضی نہ ہو جائے یا کوئی اور صریح دلیل رضا نہ پائی جائے۔

تاہم یہ یادرہے کہ خیار بلوغت اور خیار عتق کی وجہ سے ہونے والی تفریق تنسیخ نکاح شمار ہوگی طلاق نہیں؛ کیونکہ عورت کو طلاق کا حق نہیں جبکہ مفوضہ جب خود پر طلاق واقع کرے تو وہ طلاق کے حکم میں ہے کیونکہ اس کا اختیار اسے شوہر کی طرف سے منتقل ہوتا ہے۔ نیز خیار بلوغ سے پہلے زوجین صغیر یا صغیرہ کا انتقال ہو جائے تو میراث جاری ہوگی کیونکہ شرعاً دہ میاں بیوی تھے

جب ولی اقرب سے استفادہ ممکن نہ ہو

ایک لڑکی کا ولی اقرب بھی ہو اور ولی ابعد بھی، لیکن ولی اقرب اتنی دور یا ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ لڑکی کے امور نکاح کی تدبیر نہ کر سکتا ہو تو کیا ولی ابعد اس کی جگہ لے کر اس کا خلا پر کر سکتا ہے؟

امام زفر قیاس کے مطابق فرماتے ہیں کہ جب ولی اقرب زندہ ہے تو اس کے ہوتے ہوئے ولی ابعد کسی صورت نکاح نہیں کرا سکتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی اقرب وہاں دور رہتے ہوئے بچی کا نکاح کرادے تو نکاح ہو جاتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ دور رہتے ہوئے ولی نکاح کرادے تو نکاح ہو جاتا ہے یہ قابل تسلیم نہیں۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تب بھی ولی اقرب اگر قرابت میں قریب ہے تو تدبیر وانتظام نکاح میں بعید ہے جبکہ ولی ابعد اگرچہ قرابت میں بعید ہے لیکن انتظامات نکاح میں قریب ہے اس لحاظ سے دونوں مساوی درجہ کے ولی مان لیے جائیں گے پھر یوں کہیں گے کہ دو مساوی درجے کے ولی جمع ہو گئے تو جو پہلے نکاح کرادے گا اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

غیبۂ منقطعہ کی تعریف

1۔ ولی اقرب اتنا دور ہو کہ سال میں ایک بار وہاں قافلے جاتے ہوں وھو اختیار القدوری

2۔ولی اقرب مسافت سفر کی دوری پر ہو وھو اختیار بعض المتأخرین.

3۔اتنا دور ہو کہ اس کی اجازت لینے تک کفو ہاتھ سے نکل جائے گا۔وھذا اشبہ بالفقہ

باب الکفاءۃ

وہ امور جن میں کفاءت (برابری) ضروری ہے۔

فائدہ:

امور	مصداق
قوم و نسل	قریش قریش کا کفو ہے، عام عربی قریش کا کفو نہیں، بقیہ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔اعاجم میں نسبی شرافت معتبر نہیں۔بنو باہلہ عام عرب کا کفو نہیں لخسلتھم
اسلام	جس کے باپ دادا مسلمان ہوں وہ جدی پشتی مسلمان کا کفو ہے، نو مسلم یا صرف باپ مسلمان ہو تو وہ جدی پشتی مسلمان کا کفو نہیں۔
آزادی	جس کے باپ دادا آزاد ہوں وہ جدی پشتی آزاد کا کفو ہے، خود آزاد ہوا ہو یا صرف باپ آزاد ہو تو وہ جدی پشتی آزاد کا کفو نہیں۔
دیانت و تقوی	شیخین کے نزدیک لڑکی دین دار ہو اور لڑکا فاسق ہو تو کفو نہیں وعلیہ الفتوی جبکہ امام محمد کے نزدیک بہت زیادہ فرق ہو مثلا شوہر مسخرہ ہو یا کھلا نشہ کرتا ہو تب کفو شمار نہ ہو گا ورنہ کفو ہو گا۔
مال	1۔مہر معجل اور ماہانہ نفقہ دینے پر قادر ہو۔اگر مزدور پیشہ ہے تو روزانہ کما کر لاتا ہو تو کفو ہے۔ 2۔غنا میں برابری نوادر کی روایت میں معتبر ہے، ظاہر الروایت میں معتبر نہیں۔حاشیہ دیکھیں!
پیشہ	تفاوت فاحش ہو تب معتبر ہے۔

قوم و نسل کفو ہے یا نہیں؟ اس کا مدار عرف ہے۔اگر اعاجم میں کوئی قوم و نسل دوسروں سے برتر سمجھی جاتی ہو اور دوسری قوم میں نکاح کرنے سے عار محسوس کرتے ہوں تو اس کا بھی

اعتبار کیا جائے گا۔ جیسے خود عربوں کی کفائت سے بنو باہلہ اور حجام وغیرہ کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ (امداد الفتاوی 356/2)

مہر مثل سے کم پر نکاح

یہ کفاءت سے ملتا جلتا مسئلہ ہے اس لیے اسے یہاں ذکر کیا ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ باپ یا دادا نابالغ کا نکاح غبن فاحش کے ساتھ کروا دیں، لڑکی کا مہر مثل زیادہ ہو پھر بھی بہت کم پر نکاح کروا دے یا نابالغ لڑکے کے سر پر مہر زیادہ ڈال دے تو نکاح منعقد ہو جائے یا باطل ہو گا؟ امام صاحب کے نزدیک نکاح ہو جائے، صاحبین کے نزدیک نکاح منعقد ہی نہ ہو گا۔

صاحبین کے دلائل یہ ہیں:

1۔ ولی کی ولایت نظر و شفقت پر موقوف ہے اور غبن فاحش کے ساتھ نکاح میں کوئی نظر و شفقت نہیں اس لیے جب علت نہیں پائی گئی تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا اور نظر و شفقت مفقود ہونے کی وجہ سے نکاح نہ ہو گا۔

2۔ دوسرا وہ اسے قیاس کرتے ہیں بیع پر جس طرح باپ دادا نابالغ کی چیز کو غبن فاحش سے نہیں بیچ سکتے، اسی طرح غبن فاحش کے ساتھ نکاح بھی نہیں کرا سکتے اگر کرا دیا تو منعقد نہ ہو گا۔

3۔ امام صاحب کے نزدیک بھی یہ نکاح صرف باپ دادا کے لیے جائز ہے، کوئی اور ولی ایسا نکاح کرائے تو جائز نہیں۔ یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ ولایت کا مدار شفقت و نظر ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ شفقت مدار ولایت ہے لیکن اس شفقت کی دلیل کیا ہے؟ قرابت۔ جتنی قرابت قریب والی ہو گی شفقت زیادہ ہو گی۔ باپ دادا میں قرابت بہت ہی نزدیک والی ہے اس لیے دلیل شفقت پائے جانے کی وجہ سے نکاح ہو جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ مہر میں غبن فاحش ہی کو انہوں نے زیادہ قرین قیاس اور زیادہ باعث شفقت سمجھا ہو گا؛ کیونکہ نکاح مالی معاملہ نہیں بلکہ اس میں زوجین کے لیے اور بھی بہت مصالح

ہیں جو مالیت سے زیادہ اہم ہیں اس لیے محض مال کو بیچ میں لا کر نکاح کے دیگر مقاصد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اسی سے صاحبین کی پہلی نظیر کا جواب بھی ہو گیا کیونکہ وہ اسے بیع جیسے مکمل مالی معاملے پر قیاس کر رہے ہیں حالانکہ نکاح مکمل مالی معاملہ نہیں ہے۔ تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی غبن فاحش کے ساتھ نکاح اس لیے نہیں کر سکتے ان کے اندر دلیل شفقت یعنی قرب قرابت نہیں ہے۔

فصل فی الوکالۃ بالنکاح وغیرھا

وکالت نکاح کی جائز صورتیں

صورتیں	مثالیں	دلیل
ایک شخص ولی ہو اور اصیل بھی	چچازاد بھائی ولی ہو اور وہی نکاح کرنا چاہتا ہو	ولی کو ولایت حاصل ہے بالنص خلافاً لزفر
ایک شخص دونوں کا ولی ہو	دادا اپنے یتیم پوتے پوتی کا نکاح کرائے	ولی کو ولایت حاصل ہے بالنص خلافاً لزفر
ایک شخص وکیل ہو اور اصیل بھی	جس کو لڑکی نے وکیل نکاح بنایا اس نے موکلہ کا نکاح خود سے کر دیا	وکیل نکاح محض متکلم اور معبر ہوتا ہے اس لیے جب وہ نکاح کرائے گا تو اس کا کلام اپنی طرف سے ایجاب اور دلہن کی طرف سے قبول کو شامل ہو گا۔
ایک شخص جانبین کا وکیل ہو	زید دلہن اور دلہا دونوں کا وکیل ہے	وکیل اصیل بن سکتا ہے تو جانبین کا وکیل کیوں نہیں بن سکتا؟

امام زفر کسی بھی صورت میں ایک شخص کے جانبین کی طرف سے نکاح کرانے کے قائل نہیں ہیں، امام شافعی نص کی وجہ سے ولی میں قائل ہیں وکیل میں قائل نہیں ہیں۔ امام ابویوسف کے نزدیک تو فضولی بھی جانبین کی طرف سے ایجاب وقبول کر سکتا ہے۔ لیکن اس پر فتوی نہیں، فتوی طرفین کے قول پر ہے کہ فضولی میں اس کی اجازت نہیں۔

امام زفر اور شافعی کی دلیل بیوع کا مشہور قاعدہ ہے کہ الواحد لایتولی طرفی العقد جیسے بیک وقت ایک شخص بائع یعنی مملک (دوسرے کو مالک بنانے والا) اور مشتری متملک (خود مالک بننے والا) نہیں بن سکتا نکاح میں بھی ایک شخص مملک (دوسرے کو مالک بنانے والا) اور متملک (خود مالک بننے والا) نہیں بن سکتا۔

البتہ امام شافعی ولی میں استثناء کرتے ہیں کہ ضرورت کی وجہ سے ولی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ دونوں کا کوئی ولی اقرب نہیں ہوتا جبکہ وکیل میں اس کے جواز کے قائل نہیں کیونکہ وکیل تو اجنبی بھی ہو سکتا ہے، کسی کو بھی بنا سکتے ہیں اور متعدد وکیل بنانے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ آپ نے وکیل نکاح کو وکیل بیع سمجھ لیا ہے جو آپ کا تسامح ہے کیونکہ وکیل بیع مباشر ہوتا ہے، بیع کے تمام حقوق وواجبات کا وہی ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ وکیل نکاح کی ایسی کوئی مرکزی حیثیت نہیں ہوتی وہ تو بے چارہ صرف متکلم اور معبر ہوتا ہے اصل حقوق وواجبات تو زوجین کے ذمہ عائد ہوتے ہیں اور جس شخص کی حیثیت مباشر کے بجائے معبر اور سفیر کی ہو وہ جانبین کی اجازت ووکالت سے بیک وقت مملک اور متملک بن سکتا ہے اس لیے جب وکیل نکاح کرائے گا تو اس کا کلام دلہا کی طرف سے ایجاب اور دلہن کی طرف سے قبول دونوں کو شامل ہوگا اور نکاح ہو جائے گا۔

نکاح فضولی کی جائز و ناجائز صورتیں

جائز صورتیں	ناجائز صورتیں
غلام یا باندی اپنا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر کر دے لیکن موقوف ہو گا	ایک شخص جانبین کا فضولی ہو
اصیل گواہوں کے سامنے ایجاب کرے اور اسی مجلس میں کوئی شخص جانب آخر کی طرف سے فضولی بن کر قبول کرے (وان قال آخر کا مطلب یہی ہے)	ایک شخص اصیل ہو اور جانب آخر کی طرف سے فضولی بھی ہو من قال اشھدوا انی تزوجت۔۔۔ فھو باطل
جانبین کی طرف سے الگ الگ فضولی ہوں	

امام شافعی کے نزدیک فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں کیونکہ فضولی کو کسی نے کوئی نیابت یا تصرف کی اجازت نہیں دی ہوتی اس لیے اس کے کسی عقد کی کوئی حیثیت نہیں؛ کیونکہ کوئی بھی عقد اس لے کیا جاتا ہے تا کہ اس کا مقصد اور حکم حاصل ہو، فضولی اس مقصد اور حکم کو لاگو کرنے پر قادر نہیں ہوتا اس لیے اس کا تصرف لغو ہو جائے گا۔

احناف کہتے ہیں کہ فضولی ایک عاقل بالغ مسلمان اور تصرفات کا اہل انسان ہوتا ہے اور ایک اہل شخص کوئی تصرف اس کے محل کی طرف نسبت کر کے کرے تو اس کو لغو اور مہمل قرار دینا انسان کی تکریم کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لیے اسے لغو قرار دینے کے بجائے اس کو لاگو کرنا چاہیے، یہ الگ بات ہے کہ اصل عاقد جب تک اجازت نہ دیدے اسے موقوف قرار دے دینا چاہیے تا کہ اگر کسی کا اس سے کوئی نقصان ہو رہا ہو تو وہ اسے کالعدم کر سکے۔ اللہ تعالی کی نظر میں بھی انسان کا ہر قول و فعل جواب دہی کے قابل اور معتبر ہے۔ اگر فضولی نے عقد غلط کیا ہو گا تو مجیز اسے باطل کر دے گا۔ صحیح کیا ہو گا تو خوش ہی نہیں بلکہ امر خیر میں معاون سمجھے گا۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ اس عقد کا نتیجہ فوری ظاہر نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اس کے بہت سے نظائر ہیں کہ عقد مان لیا جاتا ہے جبکہ اس کا نتیجہ اور حکم عقد کے بعد ظاہر ہوتا ہے جیسے خیار شرط کے ساتھ بیع ہو تو بیع درست ہو جاتی ہے لیکن خیار شرط پر موقوف بھی ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ کہ فضولی جانبین کی طرف سے متولی نہیں بن سکتا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ولی اور وکیل میں ایک شخص جانبین کی طرف سے کافی ہو سکتا ہے کیونکہ انہیں جانبین کی ولایت یا وکالت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایجاب وقبول دونوں کا متولی ایک شخص بن جاتا ہے، لیکن فضولی کو نہ ولایت حاصل ہوتی ہے نہ وکالت اس لیے اصل قاعدے کے مطابق ضروری ہے کہ عقد کے دونوں ارکان یعنی ایجاب وقبول کے لیے دو الگ الگ بندے ہوں اور وہ مجلس عقد میں ایجاب وقبول کریں۔ جب دونوں کی طرف سے الگ الگ فضولی ایک مجلس میں ایجاب وقبول کریں یا اصیل کی مجلس میں جانب آخر کا فضولی قبول کر لے تو اس سے نکاح موقوف ثابت ہو جائے گا کیونکہ تمام شرائط پائی گئیں بلکہ اگر مجلس میں خود جانب آخر قبول کر لے تو نکاح موقوف ہی نہیں بلکہ نافذ بھی ہو جائے گا، لیکن اگر فضولی ایک ہو اور وہی ایجاب وقبول کرے تو اسے صرف ایجاب کہیں گے، اس کا کلام قبول کو متضمن ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ایک جانب سے اصیل دوسری جانب سے فضولی

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب کیا کہ میں اپنا نکاح فلاں عورت سے کیا۔ یعنی اپنے حق میں اصیل ہے اور عورت کی طرف سے فضولی ہے تو اگر عورت کی طرف سے اسی مجلس میں کسی شخص نے ان گواہوں کے سامنے فضولی بن کر قبول کیا کہ گواہ رہو میں نے اس عورت کی طرف سے اس کا نکاح اس شخص کے ساتھ قبول کیا تو ایک مجلس میں ایجاب وقبول پائے جانے کی وجہ سے نکاح ہو جائے گا گو موقوف ہو گا اور اس عورت

نے اجازت دے دی تو نافذ بھی ہو جائے گا۔ لیکن اگر مجلس میں کسی شخص نے اس کی طرف سے قبول نہیں کیا تو قبول نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح نہ ہو گا اگرچہ عورت اجازت دے دے۔ یہ طرفین کا مسلک ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جس طرح ولی اور وکیل ایک فریق بن کر جانبین کے متولی ہو سکتے ہیں، فضولی بھی جانبین کا نائب بن کر ان کا نکاح کرا سکتا ہے۔ اس کے تین نظائر ہیں: طلاق علی مال، خلع علی مال اور اعتاق علی مال، کہ یہ تینوں عقود فریق ثانی کے نہ ہوتے ہوئے بھی صرف ایک فریق سے مکمل ہو جاتے ہیں۔ لہذا نکاح بھی ایک فریق سے مکمل ہو جائے گا۔

طرفین یہ دلیل دیتے ہیں کہ مسئلہ ہذا میں صرف ایجاب ہوا ہے جو ایک رکن ہے قبول جو دوسرا رکن ہے وہ مجلس کے اندر پایا نہیں جا رہا اس لیے اس کے بغیر عقد کیسے مکمل ہو سکتا ہے؟ اگر فریق ثانی حاضر ہوتے ہوئے مجلس عقد کے اندر قبول نہ کرے تو نکاح نہیں ہوتا تو اس کے غائب ہوتے ہوئے کیسے نکاح ہو گا؟ اس کی نظیر بیع ہے۔ بیع کے اندر بھی ایجاب و قبول رکن ہیں۔ جب تک مجلس میں ایجاب و قبول دونوں نہ پائے جائیں بیع مکمل نہیں ہوتی۔ لہذا نکاح کے اندر بھی بغیر ایجاب و قبول نکاح وجود میں نہیں آئے گا۔

امام ابو یوسف نے وکیل پر جو قیاس کیا ہے وہ اس لیے درست نہیں کہ وکیل کو اختیارات دونوں فریقین نے منتقل کر دیے ہوتے ہیں اس لیے وہ دونوں کی طرف سے نائب بن سکتا ہے لیکن فضولی کو کسی نے اختیارات نہیں دیے ہوتے اس لیے اسے وکیل پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اسی طرح طلاق، خلع اور اعتاق علی مال پر بھی قیاس درست نہیں کیونکہ یہ عقود شرعاً ایک شخص سے مکمل ہو جاتے ہیں، فریق ثانی اور اس کی مرضی کا اس میں سرے سے دخل ہی نہیں۔ جبکہ نکاح کے لیے فریقین اور ان کی رضامندی ہونا شرط ہے۔

البتہ دونوں فریقوں کی طرف سے الگ الگ فضولی ہوں اور وہ ایک مجلس میں ایجاب وقبول کریں تو یہ درست ہے اور نکاح موقوف رہے گا۔ اس لیے درست ہے کہ ایجاب وقبول دونوں ایک مجلس میں پائے گئے۔

لڑکی کے بجائے باندی

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک حاکم نے اپنے وزیر سے کہا کہ میرے لیے ایک لڑکی تلاش کرو نکاح کے لیے۔ وزیر نے باندی سے نکاح کرادیا تو کیا یہ نکاح ہو جائے گا؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ لڑکی کے اطلاق میں باندی بھی شامل ہے اس لیے نکاح ہو جائے گا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ عرف کے اطلاقات کے مطابق حاکم کی مراد اس کے ہمسر شہزادی تلاش کرنا تھا نہ کہ مطلقا لڑکی۔

امام صاحب جواب یہ دیتے ہیں کہ اس عرف کا اعتبار نہیں کیونکہ حاکم نے مطلق لفظ بولا تھا اور مطلق کو وہ عرف مقید کر سکتا ہے جو عرف لفظی ہو، عرف عملی یا عرف مشترک مقید نہیں کر سکتا۔ ہمارے مسئلے میں حاکم نے "امراۃ" کا لفظ کہا ہے جو حاکم کے عرف میں کفو اور غیر کفو دونوں میں مشترک ہے اس لیے کہ اشرافیہ جیسے آزاد اور شہزادیوں سے نکاح کرتے ہیں کبھی باندیوں اور عام عورت سے بھی نکاح کر لیتے ہیں۔ اور مشترک نہ مانا جائے تب بھی یہ عرف لفظی نہیں بلکہ عرف عملی ہے۔ لفظ کے لحاظ سے تو ہر عورت کو شامل ہے باندی کو بھی شامل ہے لیکن عملا معروف یہ ہے کہ ہمسر میں نکاح کروایا جاتا ہے۔ اگر عرف لفظی ہوتا تو مطلق کے لیے مقید بن جاتا ہے لیکن یہ عرف لفظی نہیں بلکہ مشترک ہے یا عرف عملی اور یہ دونوں ہی مطلق کے اطلاق کو مقید نہیں کر سکتے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ مطلقا کسی لڑکی سے شادی کرنی ہوتی تو حاکم کے لیے کیا مشکل تھا؟ وزیر کو یہ کام سونپا ہی اس لیے جاتا ہے تاکہ وہ مہارت اور اعلیٰ قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاکم کے جوڑ کی لڑکی تلاش کرے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

باب المہر

تعین اور جہالت مہر کی صورتیں

مقدار مہر	حکم	اہم بات
مہر مقرر ہی نہیں کیا	مہر مثل واجب	کیونکہ یہی اس کا حق ہے
مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح	مہر مثل واجب	عند مالک نکاح نہ ہوگا
دو تولہ ساڑھے سات ماشے سے کم مہر مقرر کیا تو کیا مہر دینا ہوگا؟	دس درہم دینے ہوں گے	عند الشافعی اتنا کم مہر مقرر کرنا جائز، عند زفر مہر مثل
ایسی چیز کو مہر بنایا جو مہر نہیں بن سکتا، جیسے: خمر و خنزیر	مہر مثل واجب ہوگا	
مہر میں جہالت فاحشہ پائی جائے: کپڑا، جانور	مہر مثل واجب ہوگا	

تیسرے مسئلے میں امام زفر دس درہم سے کم مہر کو قیاس کرتے ہیں عدم مہر پر، کہ جس طرح مہر مقرر ہی نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح مہر دس درہم سے کم مقرر کیا تب بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ احناف یہ فرماتے ہیں کہ عورت عدم تسمیہ پر فخریہ راضی ہو سکتی ہے لیکن مہر کی کمی پر راضی نہیں ہوتی اس لیے ان دونوں معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے، البتہ عورت کو دس درہم اس لیے ملیں گے کہ شریعت کی طرف سے دس درہم اقل مہر مقرر ہے اس سے مزید کمی انسان کے اختیار میں نہیں اور مہر مثل اس لیے نہیں دیں گے کہ وہ پہلے ہی مہر مثل سے دستبرداری ظاہر کر چکی ہے۔ وہ تو حق شرع سے بھی دستبردار ہو رہی تھی لیکن کیونکہ یہ انسانی اختیار سے باہر ہے اس لیے دس درہم تو اسے لینے ہی پڑیں گے۔

مہر شرعی یا اقل مہر:

دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ (35 گرام) چاندی مہر شرعی یا مہر کی کم سے کم مقدار کہلاتی ہے لقوله ﷺ لا مهر اقل من عشرة دراهم یہ وہی مقدار ہے جس پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ گویا دس درہم سے ایک عضو (عورت کا بضع) ملکیت میں آتا ہے جیسے دس درہم پر ایک عضو (یعنی ہاتھ) ملکیت سے نکلتا ہے۔ (چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے)

امام شافعی کے مسلک میں اقل مہر کی کوئی مقدار نہیں۔ حتی کہ ایک روپیہ دو روپیہ بھی مہر بن سکتا ہے جس سے مہر اور عورت کی کوئی عظمت و توقیر ظاہر نہیں ہوتی۔

مہر مثل:

لڑکی کے باپ کے خاندان کی ان خواتین کا مہر جو (8 صفات) عمر، حسن و جمال، مال، سمجھ بوجھ، دین، علاقہ، معاصرت اور بکارت و ثیوبت کے لحاظ سے اس کے ہم پلہ ہوں، ان کو جو مہر عموماً دیا جاتا ہے وہی اس کا بھی مہر مثل کہلائے گا۔ اس مہر کو مہر خاندانی بھی کہا جاتا ہے لقول ابن مسعود رحمه الله لها مهر مثل نسائها لا وكس فيه ولا شطط وهن أقارب الأب ولأن الإنسان من جنس قوم أبيه وقيمة الشيء إنما تعرف بالنظر في قيمة جنسه

مہر فاطمی:

وہ مہر جو ازواج مطہرات کو دیا گیا اور بنات النبی ﷺ کا مقرر کیا گیا۔ اس کی مقدار 131 تولہ 3 ماشہ چاندی بتائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں کافی تفصیل ہے۔ مختلف ازواج کو مختلف مہور دیے گئے ہیں۔ نیز اس کو مہر فاطمی کے بجائے مہر سنت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

مہر مسمی:

وہ مہر جو دونوں خاندان یا زوجین آپس کی رضامندی سے طے کر لیں، چاہے وہ گزشتہ تین قسموں میں سے کوئی سا بھی ہو لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دس درہم سے کم نہ ہو۔

متعہ:

قمیص، شلوار اور ایک چادر یہ تین کپڑے متعہ کہلاتے ہیں۔ یہ کپڑے کس قیمت کے ہوں؟ تو امام کرخی کے نزدیک عورت کی حیثیت کے مطابق ہوں؛ کیونکہ جب مہر مثل میں عورت کی حیثیت دیکھی جاتی ہے تو متعہ میں بھی عورت کی حیثیت دیکھنی چاہیے لیکن صحیح یہ ہے کہ حسب نص علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ مرد کی مالی حیثیت کو دیکھا جائے گا۔

متعہ دینے نہ دینے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں: ایک صورت میں متعہ دینا واجب ہے، اکثر صورتوں میں متعہ دینا مستحب ہے، جبکہ ایک صورت ایسی ہے کہ متعہ دینا اس میں نہ واجب ہے نہ مستحب۔ ہر ایک کی تفصیل یہ ہے:

1۔۔۔ اگر مطلقہ مفوضہ ہو یعنی مہر مقرر کیے بغیر نکاح ہو گیا ہو لیکن بد قسمتی سے اسے طلاق قبل الدخول دے دی گئی ہو تو واحد اس ایک صورت میں ومتعوھن متعہ دینا واجب ہے ؛کیونکہ اگر نکاح رہتا تو مفوضہ مہر مثل کی حق دار بنتی، لیکن طلاق قبل الدخول کی وجہ سے مہر مثل ساقط ہو گیا، مہر مثل گو ساقط ہو گیا مگر عقد کا بھی کچھ تقاضا ہے اور وہ یہ کہ کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے جو مہر مثل کا بدل اور خلیفہ بن سکے اور مہر مثل کا وہ بدل اور خلیفہ متعہ ہے۔

2۔۔۔ مذکورہ بالا ایک صورت میں متعہ واجب ہے بقیہ صورتوں میں مستحب ہے واجب نہیں، واجب اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ یہ قاعدہ آپ کے علم میں ہو گا کہ اصل اور بدل کبھی جمع نہیں ہو سکتے جیسے وضو اور تیمم کبھی جمع نہیں ہو سکتے، اگر ہم نے بقیہ صورتوں میں بھی متعہ واجب کیا تو اصل اور بدل کا جمع ہونا لازم آئے گا کیونکہ بقیہ صورتوں میں مہر مقرر ہوا ہے جو اصل ہو گا اور

عورت کو اس کا کل یا بعض ملنا ہی ملنا ہے، اگر متعہ دینا بھی واجب کیا تو جمع بین الاصل والبدل لازم آئے گا۔ جبکہ مستحب کہنے میں یہ لازم نہیں آتا کیونکہ لڑکے کے ذمہ مستحب پر عمل واجب نہیں اور لڑکی کے لیے اس کا تقاضا کرنا بھی جائز نہیں۔

3۔۔۔۔ وہ ایک صورت جس میں متعہ دینا نہ واجب ہے نہ مستحب، وہ مطلقہ ہے جس کا مہر مقرر کر دیا گیا تھا لیکن قبل الدخول طلاق ہو گئی تو اس کو نصف مہر دیا جاتا ہے فنصف ما فرضتم اس کو دیا جانے والا نصف مہر دراصل متعہ کا بدل ہے لہذا جب یہ متعہ کا بدل ہے تو بدل کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے کوئی متعہ نہیں دیا جائے گا۔

امام شافعی پہلی اور تیسری بات کو مانتے ہیں لیکن وہ درمیان والی بات تسلیم نہیں کرتے وہ یہ فرماتے ہیں کہ بقیہ مطلقات کو متعہ دینا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے؛ کیونکہ شوہر نے طلاق کا داغ دے کر اسے ہمیشہ کے لیے داغ دار اور وحشت میں ڈال دیا جس کی تھوڑی بہت تلافی کے لیے متعہ واجب ہونا چاہیے۔

احناف جواباً عرض کرتے ہیں کہ شوہر نے صرف طلاق دی ہے، طلاق دینا کسی مناسب یا ناگزیر وجہ سے ہی ہو گا اس لیے اگر عورت کو وحشت ہو رہی ہے تو اس میں شوہر کا کوئی قصور نہیں۔

خلوت صحیحہ:

نکاح کے بعد زوجین کہیں تنہائی میں ملاقات کریں اور اس تنہائی کے دوران جماع کرنے سے کوئی حسی، طبعی یا شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ حسی رکاوٹ جیسے بیوی کی شرمگاہ میں ہڈی ہونا۔ طبعی رکاوٹ جیسے مرد کا بیمار ہونا، شرعی رکاوٹ جیسے حیض سے ہونا، یا حالت احرام میں یا فرض نماز میں ہونا یا فرض روزے سے ہونا۔ خلوت صحیحہ کی وجہ سے کامل مہر واجب ہوتا ہے اور اس کے بعد طلاق ہو جائے تو عدت بھی واجب ہوتی ہے۔

خلوت فاسدہ:

اگر تنہائی کے وقت مذکورہ رکاوٹوں میں سے کوئی رکاوٹ ہو تو وہ خلوت فاسدہ ہے۔ نفل، نماز، نفلی روزہ، مقطوع الذکر ہونا اور خصی ہونا مانع نہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کے ہوتے ہوئے تنہائی ہو تو وہ خلوت صحیحہ کہلائے گی۔ نفلی رزہ کو منتقی کی روایت کے مطابق یہ مانا گیا ہے کہ بغیر عذر بھی توڑ سکتے ہیں اور خاص یہاں اسی پر فتویٰ بھی ہے لیکن ویسے روزے کے عمومی مسائل میں فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر عذر نہیں توڑنا چاہیے۔

صاحبین کے نزدیک خصی ہونا خلوت صحیحہ سے مانع نہیں اس لیے مکمل مہر واجب ہو گا لیکن مجبوب یعنی مقطوع الذکر والخصیتین ہونا مانع ہے کیونکہ جب مرض مانع ہے تو مقطوع الذکر ہونا اس سے بڑی بیماری ہے اس لیے وہ بدرجہ اولیٰ مانع ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت خود کو حوالے کر چکی، اب اگر مرد چاہے تو کم از کم اس کے فرج کو رگڑ کر اور اس کے جسمانی اعضا سے استمتاع کر کے فائدہ ضرور اٹھا سکتا ہے اس لیے خلوت صحیح بن کر مکمل مہر واجب ہو گا۔

خلوت فاسدہ ہوئی ہو تو طلاق کی صورت میں نصف مہر واجب ہو گا، مہر کامل واجب نہ ہو گا البتہ عدت پھر بھی واجب ہو گی۔ وعلیہ الفتوی۔ عدت مکمل اس لیے واجب ہو گی کہ عدت اللہ کا حکم ہے اسی طرح رحم میں بچہ ہونے کا احتمال بھی ہے اس لیے شریعت اور بچے کے حق کے پیش نظر عدت واجب ہو گی جبکہ مہر پورا اس لیے واجب نہ ہو گا کہ مہر مال ہے اور مال میں اصل یہ ہے کہ جب تک ثبوت نہ ہوں مال کسی کے ذمہ واجب نہیں کر سکتے، یہاں نصف مہر کی نص موجود ہے اس لیے نصف مہر دے دیں گے لیکن بقیہ نصف مہر محض ایک احتمال کی بنا پر نہیں دے سکتے۔

خلوت فاسدہ کی صورتیں

صورتیں	مانع کی قسم	دخول اور خلوت سے پہلے طلاق
بیوی کو اندرونی بیماری ہو جو جماع سے مانع ہو	مانع حسی ہے	مہر آدھا، عدت واجب
شوہر کو کوئی بھی بیماری ہو	مانع حسی ہے	مہر آدھا، عدت واجب
رمضان کا روزہ رکھا ہوا ہو	مانع شرعی ہے	مہر آدھا، عدت واجب
حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو	مانع شرعی ہے	مہر آدھا، عدت واجب
حالت حیض سے ہو	مانع طبعی و شرعی	مہر آدھا، عدت واجب
نفلی روزہ سے ہو	مانع نہیں ہے	مکمل مہر، عدت واجب
قضا روزہ رکھا ہو	مانع شرعی ہونا راجح	مہر آدھا، عدت واجب
نذر کا روزہ رکھا ہو	مانع شرعی ہونا راجح	مہر آدھا، عدت واجب
فرض نماز، ادا ہو یا قضا	مانع شرعی ہے	مہر آدھا، عدت واجب
نفل نماز	مانع نہیں ہے	مکمل مہر، عدت واجب
شوہر مقطوع الذکر ہو	مانع نہیں ہے	مکمل مہر، عدت واجب
شوہر عنین ہو	مانع نہیں ہے	مکمل مہر، عدت واجب
نکاح فاسد کی خلوت صحیحہ	مانع شرعی ہے	مہر واجب ہی نہیں، عدت واجب ہے

طلاق قبل الدخول کی صورتیں

مقدار مہر	حکم	اہم بات
دس درہم سے کم مہر اور طلاق قبل الدخول	پانچ درہم واجب، متعہ مستحب	عندزفر متعہ واجب ہوگا کما مر
مہر مسمی ہو اور طلاق دخول یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہو	نصف مہر واجب، متعہ نہ واجب نہ مستحب	
مہر مسمی اور وفات قبل الدخول والخلوۃ الصحیحۃ	مکمل مہر مسمی	
مہر مقرر نہیں اور طلاق قبل الدخول والخلوۃ الصحیحۃ	صرف متعہ واجب	عند مالک: متعہ مستحب
بعد العقد مہر مقرر کیا اور طلاق قبل الدخول والخلوۃ الصحیحۃ	متعہ	عند الشافعی: بعد العقد مقرر کردہ مہر کا نصف
مہر مسمی میں بعد العقد اضافہ اور طلاق قبل الدخول	صرف مہر مسمی	عند الشافعی: بعد العقد مقرر کردہ مہر کا نصف
مہر مسمی میں بعد العقد کمی کی گئی اور طلاق قبل الدخول	مہر مسمی کے بجائے کم مہر	

احناف کے نزدیک عقد کے وقت جو مہر بولا جائے وہی اصل مہر ہے عقد کے بعد جو اضافہ یا ڈسکاؤنٹ کیا جائے وہ تبرع ہے اس لیے اگر طلاق قبل الدخول ہوئی تو صرف اسی مہر کا نصف دینا ہوگا جو عقد کے وقت بولا گیا، جبکہ امام شافعی کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے پہلے قول کے

مطابق مہر کا وہ حصہ جس کا اضافہ یا ڈسکاؤنٹ عقد کے بعد کیا جائے وہ مہر کا حصہ بن جاتا ہے لہذا طلاق قبل الدخول کی صورت میں اصل مہر مع اضافہ یا ڈسکاؤنٹ کے بعد بننے والے مہر کا نصف واجب ہو گا۔

نکاح شغار (وٹہ سٹہ)

ایک شخص اپنا نکاح دوسرے کی بیٹی یا بہن کے ساتھ اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کرائے گا اور یہی مہر بھی ہو گا، اس کو نکاح الشغار کہا جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا؛ کیونکہ وٹہ سٹے کا مطلب ہے کہ نصف بضع کو نکاح میں لیا اور نصف کو اپنی بہن کے نکاح کا عوض بطور مہر بنایا۔ اس طرح بضع مال مشترک بن گیا جو جائز نہیں، اس لیے نکاح ہی جائز نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ بغیر مہر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور فساد مہر کی صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی زیادہ سے زیادہ فساد مہر ہوا ہے اور فساد مہر کی وجہ سے نکاح کو باطل نہیں کہا جاتا بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے، اس لیے نکاح ہو جائے گا اور فساد مہر کی وجہ سے مہر مثل واجب ہو گا۔ لا شغار فی الاسلام کا مطلب بھی یہی ہے کہ وٹہ سٹہ کے نکاح میں مہر نہ دینے کی کوئی حیثیت نہیں۔ بضع مال مشترک اس وقت بنتا جب شرکت کا کوئی دعوی دار بھی ہوتا، یہاں کون شرکت کا دعوی کر سکتا ہے؟ اس لیے اس کو شرکت بنانے کے بجائے مہر فاسد بنانا چاہیے۔

بیوی کی خدمت اور تعلیم کو مہر بنایا جا سکتا ہے؟

اس مسئلے میں متعدد آرا ہیں:

1۔ امام شافعی کے نزدیک اس کو مہر بنایا سکتا ہے۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خدمت اور تعلیم ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بدلے عام حالات میں بھی اجرت یا فیس لی جا سکتی ہے لہذا جب

ان کے بدلے طے کر کے عوض لیا جاسکتا ہے تو یہ چیزیں مہر بھی بن سکتی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح شوہر کی جگہ کسی اور آزاد کی خدمت کو مہر بنانا جائز ہے اسی طرح خود شوہر کی خدمت کو بھی مہر بنانا جائز ہے۔ تیسرا وہ قیاس کرتے ہیں رعی الغنم پر کہ موسی علیہ السلام نے بھی نکاح کے بدلے بکریاں چرائی تھیں۔

2۔ دوسرا موقف امام محمد کا ہے وہ کہتے ہیں کہ شوہر کی خدمت کو مہر بنایا جاسکتا ہے تعلیم کو نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر بھی انسان ہے اور ہر انسان کی خدمات اور سر دست عقد اجارہ کے ذریعے متقوم اور مال بن سکتی ہیں اس لیے شوہر کی خدمات کو بھی مال مان کر مہر بنانا جائز ہونا چاہیے لیکن اس کے معارض ایک بات آجاتی ہے کہ اس سے قلب موضوع لازم آتا ہے کہ شوہر کا بجائے مخدوم بننے کے خادم بننا لازم آتا ہے اس معارضہ کی وجہ سے ہم شوہر سے خدمت لے نہیں سکتے اس لیے اس کی نظیر سے یہ مسئلہ حل ہو گا کہ دوسرے کے غلام کو مہر بنادیا جائے تو مہر بن جاتا ہے لیکن کیونکہ دوسرے کا غلام ہونے کی وجہ سے وہ اس کو حوالہ نہیں کر سکتا تو کم از کم اس غلام کی قیمت دے کر مسئلہ حل کیا جاتا ہے چنانچہ غلام کی قیمت ہی مہر بن جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی جب شوہر اپنی خدمات اپنی بیوی کو پیش نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کی قیمت ہی مہر میں دے دے۔

3۔ تیسرا موقف شیخین کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نہ خدمت کو مہر بنایا جاسکتا ہے نہ تعلیم کو؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ان تبتغوا باموالکم کے ذریعے ہمیں تنبیہ کی ہے کہ مہر مال ہونا چاہیے جبکہ یہاں نہ آزاد کی خدمات کو ہم مال کہہ سکتے نہ تعلیم کو مال کہہ سکتے ہیں؛ کیونکہ مال تو وہ چیز ہوتی ہے جس کو محفوظ اور کہیں اسٹاک کیا جاسکتا ہو تعلیم اور خدمت اعراض اور منافع میں سے ہے ان کو اسٹاک نہیں کیا جاسکتا اس لیے ان کو مہر بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر غلام اپنی خدمات کے عوض کسی عورت سے نکاح کرے تو وہ مہر بن جائے گا کیونکہ غلام مال ہے تو اس کی خدمات بھی مال ہوں گی

لیکن مسئلہ آزاد کا ہے کہ وہ جب مال نہیں تو اس کی خدمات بھی مال نہیں بن سکتیں۔ نیز غلام جب اپنے آقا کے حکم سے نکاح کر رہا ہے اور اپنی خدمات کے عوض کر رہا ہے تو گویا وہ بیوی کی خدمت کرتے ہوئے معناً آقا ہی کی خدمت کر رہا ہے۔

رہی یہ بات کہ کوئی بھی آزاد انسان کسی کے ہاں ملازمت اختیار کر کے اپنے منافع اور خدمات کا عوض لیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا عقد اجارہ کرنے سے ہوتا ہے عقد اجارہ کی وجہ سے بوجہ مجبوری اور انسانی ضرورت کے پیش نظر آزاد کی خدمات متقوم بن جاتی ہیں، ورنہ قیاس کی رو سے اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، جبکہ یہاں ان کو متقوم بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ قلب موضوع لازم آتا ہے، اس لیے اس کا تقوم بھی ظاہر نہیں ہوگا۔

لہٰذا جب یہ مہر بن نہیں سکتا تو اس کی نظیر وہ مسئلہ بن جائے گا جس میں غیر مہر کو مہر بنالیا جاتا ہے جیسے خمر یا خنزیر کو مہر بنالیا جائے کہ اس صورت میں مہر مثل لازم آتا ہے یہاں بھی مہر مثل لازم آئے گا۔

دوسرے کسی آزاد کی خدمت کو مہر بنانے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہاں اس کے ساتھ شوہر عقد اجارہ کرتا ہے جس کی شرعاً اجازت ہے اور جز آخر شوہر نہیں اس لیے قلب موضوع بھی لازم نہیں آئے گا۔

اور رعی الغنم پر قیاس اس لیے درست نہیں کہ مفتی بہ قول کے مطابق رعی الغنم کو مہر بنانا عند الاحناف جائز ہی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں رعی الغنم کو مہر نہیں بنایا گیا تھا بلکہ مہر الگ مقرر کیا گیا تھا اور رعی الغنم کی اجرت الگ مقرر کی گئی تھی یعنی نکاح اور اجارہ دو الگ الگ عقود ہوئے تھے، اختصاراً دونوں کو ساتھ ذکر کر دیا گیا۔ اور اگر درست مان بھی لیا جائے تو اس سے وہ قلب موضوع اور مناقضہ لازم نہیں آتا جو عدم جواز کی اصل علت ہے؛ کیونکہ قدیم

تہذیب وتمدن میں مرد ہی بکرایاں چرایا کرتے تھے اور آج بھی گاؤں دیہاتوں میں مرد ہی بکریاں چراتے ہیں۔

مالا یحتمل التعیین اور ما یحتمل التعیین

اس مسئلے کی متعدد صورتیں ہیں:

1۔مہر کرنسی ہو گی جو متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتی اس کے بعد اس کی دو صورتیں ہیں یا تو بیوی نے مہر پر قبضہ کر لیا ہو گا یا نہیں کیا ہو گا۔

2۔مہر مکیلی موزونی چیز ہو یعنی ایسی چیز جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے لیکن متعین نہ کی جائے تو پھر متعین نہیں ہوتی بلکہ واجب فی الذمہ رہتی ہے۔اس صورت میں اگر اسے متعین نہیں کیا بلکہ واجب فی الذمہ رکھا تو دو صورتیں ہیں: یا تو بیوی نے قبضہ میں لینے کے بعد ہبہ کیا یا پھر قبضہ سے پہلے ہی بری کر دیا۔

3۔کوئی زمین یا سامان مہر میں رکھا یعنی ایسی چیز جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے اور متعین نہ کی جائے تب بھی نکاح میں قابل برداشت ہے اور متعین سمجھی جاتی ہے۔پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں یا تو قبضہ میں لے کر ہبہ کیا ہو گا یا قبضہ سے پہلے ہی بری کیا ہو گا۔

امام صاحب کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ صورت جس میں شوہر کے پاس اس کا حق بننے والا نصف مہر بعینہ بغیر کسی عوض کے صحیح سلامت واپس آجائے یا اسی کے پاس رہ جائے تو وہ رجوع بالنصف نہیں کرے گا لیکن اگر بعینہ مہر واپس نہ آئے بلکہ سبب تبدیل ہو جائے یا کسی عوض کے بدلے اس کے پاس واپس آئے یا نصف مکمل نہ ملے بلکہ اس سے کم ملے تو ان صورتوں میں وہ اپنا حق برابر کر سکتا ہے۔چنانچہ صورت نمبر ایک اور تین میں جب عورت نے مہر پر قبضہ کرنے کے بعد واپس ہبہ کیا تو ان صورتوں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوا اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ شوہر کو بعینہ اس کا حق ملا بلکہ اس کو اس کے مہر کا غیر سمجھیں گے کہ عورت نے کوئی

اور چیز گفٹ کی ہے، مہر بعینہ واپس نہیں کیا۔ اسی طرح بیوی اگر قیمتاً وہ چیز شوہر کو فروخت کر دے تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں شوہر نصف مہر لینے میں حق بجانب ہو گا۔ اسی طرح اگر شوہر نے آدھے سے زیادہ مہر دے دیا تھا مثلاً ایک ہزار مہر کی صورت میں 800 روپے مہر دے دیا تھا، بیوی نے 500 معاف کر دیا یا کل مہر ہبہ کر دیا پھر طلاق قبل الدخول ہو گئی تو طلاق قبل الدخول کی وجہ سے شوہر کو نصف مہر کا جو حق ہے اس میں سے شوہر صرف 300 واپس لے سکتا ہے کیونکہ 200 تو بیوی معاف کر چکی ہے جس کی وجہ سے وہ پہلے ہی شوہر کی جیب میں ہے بقیہ 800 میں سے 500 بیوی کا حق مہر ہے وہ واپس نہ ہوں گے صرف 300 روپے واپس ہوں گے۔

امام زفر کا موقف ہر صورت میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں جیسے ہبہ کو الگ سبب اور طلاق قبل الدخول کو الگ سبب مانا گیا اور اس بنا پر شوہر کو رجوع بالنصف کی اجازت دی گئی اسی طرح ابراء کو بھی مہر پر قبضہ کے بعد ہبہ مان لیا جائے اور طلاق قبل الدخول الگ سبب ہے ہی، اس لیے اس جیسی تمام صورتوں میں وہ رجوع بالنصف کے قائل ہیں۔

صاحبین کا موقف یہ ہے کہ جن صورتوں میں بیوی مہر کے کسی حصہ پر باقاعدہ قبضہ کر کے پھر ہبہ کر دیتی ہے ان سب صورتوں میں صورت نمبر ایک والا حکم جاری ہو گا بقیہ صورتیں جس میں بیوی مہر کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کرتی اس میں وہ امام صاحب کے موقف سے متفق ہیں۔ چنانچہ اگر بیوی نے نصف مہر پر قبضہ کر لیا تھا اس کے بعد ہبہ کیا اور پھر طلاق قبل الدخول ہو گئی تو وہ بعض مہر کو کل مہر قیاس کر کے اور اس کو ڈسکاؤنٹ مان کر یوں کہتے ہیں کہ 500 کو کل مہر فرض کر لیا جائے لہذا طلاق قبل الدخول کی صورت میں بیوی سے 250 واپس لیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح 800 والی مثال میں شوہر 400 واپس لے سکتا ہے۔ امام صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نکاح میں حط یا زیادۃ کو مہر کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا کما مر۔

اختلاف	حکم	صورتیں
کیونکہ ہبہ الگ سبب ہے اور طلاق قبل الدخول الگ سبب ہے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے	کرنسی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لیے بیوی نے جو رقم شوہر کو ہبہ کی اسے وہی مہر والی رقم شمار نہیں کیا جائے گا اس لیے بیوی کو 500 واپس کرنے ہوں گے	مہر میں ہزار روپے کرنسی رکھی (جو متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتی) بیوی نے لے کر شوہر ہی کو ہبہ کر دی اور شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی
امام زفر گزشتہ مسئلہ کے قیاس کے مطابق عورت پر نصف مہر واجب کرتے ہیں	ائمہ ثلاثہ کے نزدیک میاں بیوی میں سے کوئی کسی سے کچھ بھی واپس نہیں لے گا، شوہر اس لیے کہ بیوی اسے بری کر چکی ہے اور بیوی پر 500 آنے چاہئیں کیونکہ اسے طلاق قبل الدخول ہوئی ہے لیکن استحساناً اس لیے نہیں آئے گا کہ شوہر کی جیب سے کچھ بھی نہیں گیا اس لا متنصف الصداق	مہر میں ہزار روپے کرنسی رکھی (یعنی جو متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتی) بیوی نے مہر لینے سے پہلے ہی شوہر کو 1000 سے بری کر دیا اور شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی
یہ متفق علیہ مسئلہ ہے	کیونکہ مہر متعین نہیں ہوا اس لیے شوہر نے بعد میں جب وہ چیز دی تو اس سے بھی متعین نہیں ہوئی اور جب بیوی نے شوہر کو وہی چیز ہبہ کی تو اسے وہی مہر والی چیز شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ الگ الگ شمار کیا جائے گا، اس لیے بیوی کو صورت نمبر 1 کی طرح نصف مہر واپس کرنا ہو گا	مہر میں مکیلی موزونی چیز رکھی اور اسے متعین نہیں کیا (یعنی ایسی چیز کو مہر بنایا جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، ورنہ متعین نہیں ہوتی اور اس نے متعین نہیں کیا) بیوی نے بعد میں لے کر شوہر ہی کو ہبہ کر دیا اور شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی

مہر میں مکیلی موزونی چیز رکھی اور اسے متعین کر دیا، بیوی نے لے کر شوہر کو ہبہ کر دیا پھر شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی	کیونکہ مہر متعین ہو چکا ہے اس لیے اب عورت کو آدھا مہر واپس نہیں کرنا ہو گا؛ کیونکہ شوہر کا جو حق تھا یعنی متعین نصف مہر وہ اس کے پاس پہلے ہی آ چکا ہے۔	عندزفر پہلی صورت کی طرح یہاں بھی نصف مہر مرد لے سکتا ہے۔
کوئی معین سامان یا زمین مہر میں رکھی یعنی ایسی چیز مہر مقرر کی جو ہر صورت نکاح میں متعین سمجھی جاتی ہے بیوی نے مہر لے کر شوہر ہی کو ہبہ کر دیا اور شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی	کیونکہ مہر متعین ہو چکا ہے اس لیے اب عورت کو آدھا مہر واپس نہیں کرنا ہو گا؛ کیونکہ شوہر کا جو حق تھا یعنی متعین نصف مہر وہ اس کے پاس پہلے ہی آ چکا ہے۔	عندزفر عورت پر نصف واپس کرنا واجب ہے کما مر
کوئی غیر معین سامان یا زمین مہر میں رکھی، بیوی نے مہر لیے بغیر شوہر کو بری کر دیا اور شوہر نے طلاق قبل الدخول دے دی	کیونکہ واجب فی الذمہ ہونے کے باوجود مہر متعین مانا گیا ہے اس لیے اب عورت کو آدھا مہر واپس نہیں کرنا ہو گا؛ کیونکہ شوہر کا جو حق بنتا تھا وہ اس کے پاس آ چکا۔	عندزفر عورت پر نصف واپس کرنا واجب ہے۔

متردد مہر کی صورتیں

1۔ اگر اس شرط پر نکاح ہوا کہ عورت کو اسی شہر میں رکھا، یا دوسری شادی نہ کی تو مہر مثل سے کم مثلاً ایک ہزار درہم مہر ہو گا اور دوسرے شہر لے گئے یا دوسری شادی کی تو اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی گئی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط عقد نکاح کے مقتضا کے خلاف نہیں بلکہ عورت کے حق میں فائدہ مند اور صحیح ہے اس لیے شرط صحیح ہے۔ اگر شرط پوری کی تو کم والا مہر دینا ہو گا اور شرط کی مخالفت کی تو مہر مثل دینا ہو گا؛ کیونکہ عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل ہی مرجع ہے۔

2۔یہ شرط لگی کہ عورت کو اسی شہر میں رکھا تو مثلا ایک ہزار درہم مہر ہو گا اور اگر دوسرے شہر میں لے گئے تو دس ہزار مہر دینا ہو گا جبکہ مہر مثل ڈیڑھ ہزار درہم ہو تو امام صاحب کے نزدیک شرط پوری کی تو ایک ہزار درہم دینے ہوں گے لیکن شرط کی مخالفت کی صورت میں مہر مثل یعنی ڈیڑھ ہزار درہم دینے ہوں گے۔صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں لہذا شرط پوری نہ کی تو دس ہزار مہر دینا ہو گا۔امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں،لہذا دونوں صورتوں میں مہر مثل دینا ہو گا۔پہلے فتوی امام صاحب کے قول پر تھا اب فتوی صاحبین کے قول پر دیا جاسکتا ہے خصوصا ان معاشروں میں جہاں عورت کو شوہر کے مظالم سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ کاروائی کی جائے۔

3۔مہر کو کسی چیز پر معلق کر کے متردد نہ کیا جائے بلکہ شروع سے ہی متردد ہو جیسے یہ کہا کہ مہر یہ غلام ہے یا یہ غلام۔اور دونوں غلاموں کی قیمتوں میں تفاوت ہو،ایک غلام اوکس یعنی کم قیمت مثلا 1000 کا ہو اور دوسرا غلام ارفع مثلا 2000 کا ہو تو مہر کیا بنے گا؟اس میں اختلاف رائے ہے:

امام صاحب فرماتے ہیں کہ مہر مسمی کو اس وقت لیا جاتا ہے جب اس میں کوئی فساد نہ ہو جبکہ یہاں جہالت اور تردد کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہو گیا اس لیے مہر مثل کو معیار بنایا جائے گا کیونکہ مہر مثل ہی عورت کا اصل حق ہوتا ہے لہذا اگر مہر مثل مثلا 500 ہو تو یوں سمجھا جائے گا کہ حق تو 500 تھا لیکن شوہر مہر زیادہ کرنے پر راضی ہے اس لیے اوکس دے دیا جائے اور اگر مہر 2500 ہو تو یوں سمجھا جائے گا کہ حق 2500 تھا لیکن عورت ڈسکاؤنٹ دینے پر راضی ہے اس لیے مہر میں ارفع یعنی 2000 والا غلام دے دیا جائے۔

صاحبین کا یہ کہنا ہے کہ مہر مثل اس وقت لیا جاتا ہے جب مہر مسمی نہ ہو جبکہ یہاں کسی درجے میں مہر مقرر کیا گیا ہے لہذا ہر صورت میں مہر مسمی ہی کو ترجیح دینی چاہیے جہاں تک بات

تردد اور جہالت کی ہے تو اس کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوکس کو مہر بنایا جائے کیونکہ وہ متیقن ہے۔

البتہ اگر طلاق قبل الدخول ہو جائے تو بالاتفاق اوکس ہی کا نصف عورت کا حق بنے گا؛ صاحبین کے نزدیک تو اس لیے کہ ان کے نزدیک یہی مہر مسمی تھا اور طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر مسمی کا نصف واجب ہوتا ہے اور امام صاحب کے اصول کے مطابق مہر مثل کو معیار بنایا گیا ہے اور مہر مثل کا نصف نہیں آتا بلکہ متعہ آتا ہے اس لیے متعہ واجب ہونا چاہیے لیکن شوہر کیونکہ اوکس دینے پر تیار تھا اس لیے اوکس کا بطور متعہ نصف دے دیا جائے گا۔

مجہول چیز کو مہر بنانے کی صورتیں

صورت	تکییف	حکم
جانور کہا لیکن نہ نوع بتائی نہ کوالٹی	ذوات القیم، عددی	جہالت فاحشہ ہے اس لیے مہر مثل واجب
جانور کی نوع بتائی جیسے گائے لیکن کوالٹی نہیں بتائی	ذوات القیم، عددی	جہالت کم ہے، لہٰذا مہر مانا جائے گا، متوسط جانور بھی دے سکتا ہے اور اس کی قیمت بھی۔
کپڑے کو مہر بنایا نہ نوع بتائی نہ کوالٹی	ذوات القیم، مذروعی	جہالت فاحشہ ہے اس لیے مہر مثل واجب
کپڑے کو مہر بنایا نوع بتائی، کوالٹی نہیں بتائی	ذوات القیم، مذروعی	جہالت کم ہے اس لیے مہر مانا جائے گا اور قیمت بھی دے سکتا ہے
کپڑے کو مہر بنایا نوع بتائی، کوالٹی بھی بتائی	ذوات القیم، مذروعی	مہر مانا جائے گا اور قیمت بھی دے سکتا ہے۔
مکیلی موزونی چیز کو مہر بنایا، نوع بتائی، کوالٹی نہیں	ذوات الامثال	مہر مانا جائے گا اور قیمت بھی دے سکتا ہے
مکیلی موزونی چیز کو مہر بنایا، نوع کوالٹی سب بتائی	ذوات الامثال	مہر مانا جائے گا اور قیمت دینے کا اختیار نہیں۔

جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں!

دو مسئلے ہیں:

1۔ شوہر نے ایک مٹکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس میں سرکہ ہے یہ آپ کا مہر ہے لیکن جب مٹکا کھول کر دیکھا تو وہ شراب نکلی یعنی مشار الیہ شراب تھی جبکہ مہر مسمی سرکہ۔ اور غور کرو تو سرکہ الگ جنس کی چیز ہے اور شراب الگ جنس کی چیز۔

2۔ شوہر نے ایک غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ غلام تمہارا مہر ہے بعد میں پتا چلا کہ وہ آزاد ہے۔ اس صورت میں مشار الیہ آزاد ہے جبکہ مہر مسمی غلام۔ اور غور کرو کہ غلام اور آزاد دونوں انسان کی جنس سے ہیں، صرف وصف الگ ہے۔

یہاں تین آرا ہیں:

1۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ ظاہر کو دیکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں جو چیز طے کی ہے اگر وہ ذوات الامثال میں سے ہے تو مثل دے اور ذوات القیم میں سے ہے تو اس کی قیمت دے کیونکہ اس نے ایک چیز کی طمع دلائی ہے بلکہ اس کو طے کیا ہے تو انسان کی ایک زبان ہونی چاہیے اس لیے جو کہا ہے وہی دینا چاہیے یا اس کا متبادل دینا چاہیے۔ دیکھا جائے تو سب سے آسان اور زیادہ جلدی سمجھ میں آنے والا موقف یہی ہے۔

2۔ امام صاحب گہرائی میں چلے جاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اشارہ اور تسمیہ دو چیزیں جمع ہو رہی ہیں لہذا اس کو مد نظر رکھ کر مسئلہ کو حل کرنا ہو گا چنانچہ قاعدہ یہ ہے کہ مسمی اور مشار الیہ جمع ہو جائیں تو مشار الیہ کو ترجیح ہوتی ہے لکونہ ابلغ فی المقصود وقاطع للشرکۃ۔ اب مسمی پہلے مسئلے میں خل اور دوسرے مسئلے میں عبد ہے جبکہ مشار الیہ خمر اور حر ہے تو یہ مانا جائے گا کہ عقد ہی خمر اور حر پر ہوا اور یہ چیزیں مہر نہیں بن سکتیں اس لیے مہر مثل واجب ہو گا۔

اس کے مقابلے میں امام محمد اور زیادہ گہرائی میں جاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسمی اگر مشار الیہ کی جنس سے ہو تب تو اشارہ کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ جنس ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے اور وصف حریت کو تابع مان کر لغو سمجھا جائے گا لیکن جب مسمی اور مشار الیہ میں واضح تضاد ہو دونوں کی جنس الگ الگ ہو تو اس صورت میں تسمیہ کو ترجیح ہوگی اشارے کو نہیں کیونکہ اشارہ ذات کی طرف ہوتا ہے، اس سے موجود چیز کی ذات کے علاوہ مزید کوئی اضافی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جبکہ تسمیہ میں ماہیت کی تعریف بھی آجاتی ہے اس لیے وضاحت میں وہ زیادہ آگے ہے۔

اگر ایک غلام کے بجائے دو کی طرف اشارہ کیا اور ایک آزاد ایک غلام نکل آیا تو بھی یہی اختلاف جاری ہو گا۔ امام ابو یوسف اپنی اصل کے مطابق فرماتے ہیں کہ ایک غلام اور دوسرے کی قیمت دی جائے۔ جبکہ طرفین کے نزدیک مشار الیہ اور مسمی دونوں کی جنس ایک ہے اس لیے مشار الیہ واجب ہو گا یعنی ایک ہی غلام واجب ہو گا اور دوسرا آزاد ہے اس لیے اس کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ وہ سرے سے مہر بنا ہی نہیں۔ البتہ اگر وہ ایک غلام مہر مثل سے کم ہو تو کیا کیا جائے گا؟ امام محمد فرماتے ہیں کہ مہر مثل کی تکمیل کی جائے گی جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دس درہم سے کم اس کی قیمت ہو تب تو دس درہم مکمل کیے جائیں گے لیکن مہر مثل سے کم ہو تو مہر مثل مکمل نہیں دیا جائے گا کیونکہ جب مہر مسمی کو مہر مان رہے ہیں تو مہر مسمی کے ہوتے ہوئے مہر مثل کو نہیں دیکھا جا سکتا، کیونکہ مہر مسمی اور مہر مثل دونوں کو جمع کرنا درست نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر دونوں آزاد ہوتے تو مہر مثل واجب ہوتا اس لیے جب ایک آزاد نکلا تب بھی مہر مثل واجب ہونا چاہیے۔

نکاح صحیح اور فاسد کے درمیان فروق اور مشترکات

نکاح کے ارکان پورے ہوں لیکن اس کی کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے اس کے کچھ احکام نکاح صحیح سے الگ ہیں اور کچھ احکام میں یہ نکاح صحیح کی طرح ہے۔ جن احکام میں مختلف ہیں ان میں سے تین یہ ہیں:

1۔ طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر ملتا ہے لیکن تفریق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر نہیں ملے گا؛ کیونکہ نکاح فاسد میں مہر صرف اسی صورت میں ملتا ہے جب وطی کرلی ہو، قبل الوطی تفریق ہو جائے تو کیونکہ عقد ہی گناہ اور واجب الفسخ ہوتا ہے اس لیے اس کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔

2۔ تفریق قبل الوطی ہو جائے تو اسے قائم مقام دخول نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ نکاح صحیح میں میں تو ہم صرف قدرت علی الوطی کو وطی کہہ دیتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں کہہ سکتے فساد عقد اور گناہ ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے اسے خلوۃ الحائض پر قیاس کر سکتے ہیں۔

3۔ نکاح صحیح کی صورت میں مہر جتنا بھی مقرر کیا ہو مرد دینے کا پابند ہے جبکہ نکاح فاسد میں دو صورتیں ہیں: اگر مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو تب تو مہر مسمی دیا جائے گا کیونکہ عورت کم پر راضی ہو گئی لیکن اگر دوسری صورت ہو کہ مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ ہو تو ہم مہر مثل دیں گے اس سے زیادہ نہیں، وجہ وہی ہے کہ اس عقد کی کوئی تکریم نہیں ہے اس لیے مہر مثل سے زیادہ کا تسمیہ سرے سے درست نہیں۔ امام زفر کہتے ہیں کہ ہر صورت میں مہر مسمی ملے گا وہ اسے بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں۔ ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ بیع فاسد کے اندر مبیع مال متقوم ہوتی ہے اس لیے اس کی جو قیمت بنتی ہے وہ دینی پڑے گی چاہے وہ ثمن متعین سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو جبکہ اس صورت میں بضع کو مال نہیں کہہ سکتے۔ یہاں اس میں جو تقوم آتا ہے وہ تسمیہ کی وجہ سے آتا ہے لیکن جب تسمیہ ہی فاسد ہے تو تسمیہ کی بجائے مہر مثل واجب ہو گا۔

4۔ نکاح صحیح میں دخول نہ ہو تب بھی بچے کو ثابت النسب مانا جاتا ہے اسی طرح اگر نکاح کو چھ ماہ ہو گئے ہوں لیکن رخصتی کو چھ ماہ نہ ہوئے ہوں اور بچہ پیدا ہو جائے تو نکاح کو دخول کے قائم مقام مان کر بچہ ثابت النسب مانا جاتا ہے لیکن نکاح فاسد میں ایسا نہیں ہو گا یہاں دخول کے بعد سے ہی حمل کی مدت شمار کی جائے گی۔

جن احکام میں نکاح فاسد نکاح صحیح کی طرح ہے وہ یہ ہیں:

1۔ نکاح فاسد میں بھی تفریق کے بعد عدت واجب ہو گی جیسے نکاح صحیح میں عدت واجب ہوتی ہے۔ یہاں اشتباہ نسب سے بچانے کے لیے احتیاطاً شبہ نکاح کو حقیقی نکاح سے ملحق کیا گیا ہے۔

2۔ نکاح صحیح کی عدت طلاق سے شروع ہوتی ہے آخری وطی سے نہیں اسی طرح نکاح فاسد کی عدت بھی تفریق کے بعد شروع ہو گی نہ کہ آخری وطی سے۔ یہاں بھی احتیاطاً شبہ نکاح کو حقیقی نکاح سے ملحق کیا گیا ہے۔

3۔ جیسے نکاح صحیح میں نسب ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے نکاح فاسد بھی باپ سے نسب ثابت کیا جائے گا، تا کہ بچہ غیر ثابت النسب نہ بن جائے۔

بیع اور نکاح کی وکالت میں فرق

اگر وکیل مؤکل کی کوئی چیز بیچ دے اور ثمن کا ضامن بھی بن جائے تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ وکیل کا ضامن لنفسہ بننا لازم آتا ہے اور الواحد لا یتولی طرفی العقد کے خلاف بھی ہے۔ باپ اگر صغیر کی کوئی چیز بیچ دے اور اس کے ثمن کا ضامن بن جائے یہ بھی اسی دلیل کے تحت جائز نہیں، لیکن نکاح میں یہ جائز ہے کہ باپ اپنی صغیرہ یا بالغہ کا نکاح کروائے اور مہر کا ضامن بھی بن جائے یا باپ صغیر کا نکاح کرائے اور اس کے مہر کا ضمانتی بھی بن جائے۔ نکاح میں یہ ضامن لنفسہ نہیں بنے گا؛ کیونکہ پیچھے گزرا ہے کہ الواحد لا یتولی طرفی العقد کا قاعدہ بیوع میں چلتا ہے نکاحات

میں نہیں؛ کیونکہ نکاح میں وکیل کی حیثیت عاقد اور مباشر کی نہیں ہوتی بلکہ وہ سفیر محض ہوتا ہے عاقد تو دلہا دلہن خود ہوتے ہیں اس لیے غور کیا جائے تو وکیل یا ولی اپنے ضامن نہیں بنتے بلکہ غیر (یعنی بچے) کے ضامن بنتے ہیں۔

مہر وصولی تک پاس نہ آنے دینا:

اگر مہر معجل ہو تو مہر وصول کرنے تک عورت شوہر کو دخول سے، کہیں ساتھ لے جانے سے انکار کر سکتی ہے اور جب مرضی کہیں جا سکتی ہے؛ کیونکہ ابھی تک اسے اس کے مبدل یعنی بضع کا عوض نہیں دیا گیا اس لیے وہ بدل یعنی مہر کی وصولی تک اسے محبوس کر سکتی ہے جیسے بائع ثمن کی وصولی تک مبیع کو محبوس کر سکتا ہے۔ البتہ مہر موجل ہو تو طرفین کے نزدیک اب عورت انکار نہیں کر سکتی جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک انکار کر سکتی ہے، فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مہر عورت کا حق ہے جو اس نے موخر کر دیا لہذا اب وہ شوہر کے حق کو موخر نہیں کر سکتی جیسے کسی چیز کی ادھار بیع ہو تو مبیع دینی پڑتی ہے کیونکہ بائع خود راضی ہوتا ہے ثمن کی تاخیر پر۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ مہر نقد ہو، ادھار شوہر نے کیا ہے عورت نے نہیں، اس لیے ہم یوں کہیں گے کہ گویا مرد خود راضی ہے اپنا حق موخر کرنے پر لہذا پہلے عورت کو اس کا بدل دے پھر شوق سے مبدل لے جائے۔

اگر شوہر نے عورت کی رضامندی سے بلا جبر و اکراہ کے دخول یا خلوت کر لی ہے تو کیا اب عورت شوہر کی پابند ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: صاحبین کے نزدیک مہر معجل ہو یا موجل جب دخول ہو گیا تو گویا اس نے مبدل پر قبضہ دیدیا جیسے بیع میں بائع مبیع پر قبضہ دیدے تو ثمن کی وجہ سے واپس نہیں لے سکتا اسی طرح عورت مبدل دینے کے بعد مہر نہ دینے کی وجہ سے وطی وغیرہ سے انکار نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے پہلی وطی سے مہر بھی موکد ہو جاتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب بھی وہ انکار کر سکتی ہے، کیونکہ مہر صرف پہلی وطی کا بدل نہیں بلکہ ہر ہر وطی کے بدلے میں ہوتا ہے لیکن پہلی ہی وطی کے بعد اسے اس لیے موکد مان لیا جاتا ہے کہ بقیہ وطیات مجہول ہوتی ہیں کہ وہ ہوں گی یا نہیں اور ہوں گی تو کتنی ہوں گی۔ پھر جیسے جیسے وطی ہوتی جاتی ہے مہر معجل اس کے مقابلے میں آتا جاتا ہے۔ جیسے ایک غلام ایک جنایت کرے تب بھی اسے جنایت میں دیدیا جاتا ہے اور مزید کافی جنایات کرلے تب بھی اسی ایک ہی کو دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلی وطی سے عورت کا "حق منع" ختم نہیں ہوا اس لیے بقیہ وطیات کے عوض وہ مہر کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے۔ یہاں اگر وہ شوہر کو پاس آنے سے منع کردے تو ناشزہ شمار ہوگی یا نہیں اور نفقہ ملے گا یا نہیں؟ تو امام صاحب کے نزدیک یہ ناشزہ نہیں اس لیے نفقہ ملے گا، صاحبین کے نزدیک ناشزہ ہے اس لیے نفقہ نہیں ملے گا۔

مقدار مہر اور اصل مہر میں اختلاف کی چھ صورتیں

1۔ مقدار مہر میں اختلاف:

زوجین کے مابین مقدار مہر میں اختلاف ہو جائے، چاہے طلاق سے پہلے ہو یا طلاق کے بعد اور بینہ کسی کے پاس نہ ہو تو طرفین کے نزدیک مہر مثل کو معیار بنایا جائے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک مہر مسمی کو اصل مانا جائے گا۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ منافع بضع کی قیمت کا تعین مہر مثل سے کرنا ضرورت اور مجبوری کے وقت ہوتا ہے اور ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب مہر مسمی کو مہر بنانا ممکن نہ ہو لہذا جب تک مہر مسمی کو مہر بنانا ممکن ہو تو اسی کو مہر بنایا جائے گا ہاں جب شوہر اتنا کم مہر بتائے کہ اتنا کم مہر اس جیسی عورت کا ممکن نہ ہو تب مجبوراً مہر مثل کی طرف جائیں گے۔ چنانچہ اگر مہر کی مقدار میں تنازع ہوا، شوہر مہر مسمی کا دعویدار ہے اور کہتا ہے کہ ایک ہزار درہم مقرر ہوا تھا اور بیوی دو ہزار درہم کہہ رہی ہے جو اس کا مہر مثل ہے اور بینہ کسی کے پاس نہیں ہے تو قانون عدالت

کے مطابق عورت ایک ہزار زیادہ مانگ کر مدعی بن رہی ہے اور شوہر اس زیادتی کا منکر ہے لہذا اگر مہر مثل دو ہزار ہوں، تب بھی منکر ہونے کی وجہ سے حلف اٹھا لینے کے بعد شوہر کی بات مانی جائے گی۔ اگر طلاق قبل الدخول دی ہے تو 500 درہم واجب ہوں گے جو اس ہزار کا نصف ہے۔

صورت حال بر عکس ہو کہ مرد دو ہزار کہے اور بیوی ایک ہزار اور مہر مثل ایک ہزار ہو تب تو ظاہر ہے مرد ہی کی بات معتبر ہوگی کہ مہر مسمی بھی ہے اور عورت کے لیے مفید بھی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا موجب اصلی جبکہ دخول ہو چکا ہو مہر مثل ہے اور قبل الدخول طلاق کی صورت میں متعہ مثلیہ ہے اس لیے تنازع کی صورت میں اصل کی طرف رجوع کریں گے اور اصل کو واجب کریں گے، لہذا اگر شوہر ایک ہزار درہم کا دعوی دار ہو اور عورت دو ہزار درہم کہے تو دیکھیں گے کہ مہر مثل کتنا ہے؟ اگر مہر مثل ایک ہزار ہی ہو تو ظاہر حال شوہر کا گواہ ہے اس لیے اسی کے حق میں فیصلہ دیں گے اور اگر مہر مثل واقعی میں 2000 ہو تو عورت کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔ ان القول فی الدعاوی قول من یشھد لہ الظاھر والظاھر شاھد لمن یشھد لہ مھر المثل لأنہ ھو الموجب الأصلی فی باب النکاح جیسے مکان کے کرایہ میں اختلاف ہو جائے تو اجرت مثل کو معیار بنایا جاتا ہے یا جیسے کپڑا رنگنے کے بعد صباغ اور رب الثوب میں اختلاف ہو جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ جو رنگ اس میں لگایا گیا ہے اس کی قیمت کس کے دعوی کی تائید کرتی ہے اگر کلر کی قیمت صباغ کے موقف کی تائید کرے تو اس کی بات معتبر ہوتی ہے اور اگر کلر کی قیمت کم ہو اور رب الثوب کے دعوی کی تائید کرے تو اس کی بات کا اعتبار ہوتا ہے۔

ہاں! اگر بینہ کسی کے پاس ہو تو اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ دونوں کے پاس بینہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ مدعی کون بن رہا ہے؟ جو مدعی بنے اس کے گواہ معتبر ہوں گے چنانچہ مہر مثل ایک ہزار والی صورت میں بیوی کا قول معتبر ہوگا؛ کیونکہ اس کا بینہ خلاف اصل یعنی دو ہزار کو ثا

بت کررہاہے اور خلاف اصل کا دعویدار مدعی ہوتا ہے اور اگر مہر مثل دوہزار ہو تو شوہر کا قول یعنی ایک ہزار کا دعوی خلاف اصل پر مبنی ہونے کی وجہ سے وہ مدعی بنے گا اور اس کے گواہ معتبر ہوں گے۔

تحالف کی صورت

اگر مہر مثل کسی کے قول کے موافق نہ ہو مثلاً نہ ہزار ہو نہ دوہزار بلکہ 1500 ہو تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور قاضی اپنی طرف سے مہر مثل کا فیصلہ کر دے گا۔ یہ امام جصاص رازی کی تخریج ہے۔ امام کرخی کی تخریج کے مطابق آخری تینوں مسائل میں تحالف ہو گا اور پھر مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔

ایک تعارض کا جواب

البتہ یہاں ایک الجھن ہے۔ وہ یہ کہ متن میں قبل الدخول کی صورت میں متعہ مثلیہ کے بجائے مرد کے قول کے مطابق نصف مسمی دینے کا کہا گیا ہے حالانکہ طرفین کے اصول کے مطابق جب بعد الدخول مہر مثل کو معیار مانا ہے تو قبل الدخول متعہ مثلیہ کو معیار ماننا چاہیے کما مر فی السابق۔

اس کا حل صاحب ہدایہ نے یہ پیش کیا ہے کہ دراصل مبسوط، جامع صغیر اور جامع کبیر میں بیان کردہ مثالوں کی وجہ سے یہ عبارات مختلف ہوئی ہیں۔ مبسوط اور جامع صغیر میں متن والی بات لکھی ہے کہ نصف مسمی واجب ہو گا جبکہ جامع کبیر میں اصولی بات لکھی ہے کہ متعہ مثلیہ واجب ہو گا اور صحیح بات جامع کبیر ہی کی ہے، لیکن مبسوط اور جامع صغیر کی عبارت بھی غلط نہیں ہے کیونکہ مبسوط میں مثال ایک ہزار اور دوہزار سے دی گئی ہے کہ مرد ایک ہزار کہہ رہا ہے اور عورت دوہزار، جبکہ جامع کبیر میں 10 اور 100 درہم کی مثال دی گئی ہے کہ مرد 10 درہم مہر بتا رہا ہے اور

عورت 100 درہم۔ غور کیا جائے تو صورت حال یہ بن رہی ہے کہ جس عورت کا مہر مثل 100 درہم ہے اور متعہ مثلیہ 20 درہم، مرد اس کے لیے 1000 مہر مسمی بیان کر رہا ہے جس کا نصف یعنی 500 عورت کے حق میں بہت زیادہ اور نہایت مفید ہے گویا مرد عورت کے مہر مثل سے 9 گنا زیادہ کا دعوی کر کے زیادہ پر راضی ہو رہا ہے۔ اس لیے عورت کے حق میں اس مخصوص صورت حال میں یہی بہتر ہے کہ نصف مسمی واجب کیا جائے۔

ہاں! جامع صغیر میں صرف مسئلہ بیان ہوا ہے مثال نہیں دی گئی جس سے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا لیکن ہم تاویل یہ کریں گے کہ جامع صغیر دراصل مبسوط ہی کے مسائل کی تلخیص ہے اس لیے جامع صغیر کے مسائل کی امثلہ کے لیے مبسوط ہی کو دیکھا جائے گا۔

بہر حال! قدوری کی عبارت سرسری نظر سے محل نظر معلوم ہوتی ہے، کسی کو بھی اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے جب تک اسے یہ تفصیل معلوم نہ ہو۔

فائدہ:

امام محمد نے پہلے المبسوط لکھی تھی 53 جلدوں میں۔ اس کی تلخیص الجامع الصغیر سے کی ایک جلد میں اور الجامع الصغیر کی تصنیف کے بعد الجامع الکبیر لکھی۔

2۔ نفس مہر میں اختلاف:

یعنی مہر مقرر ہوا بھی تھا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ان کی زندگی میں ہو۔ شوہر کا دعوی ہو کہ مہر مقرر ہی نہیں ہوا، بیوی یہ کہے کہ مقرر ہوا ہے۔ اس صورت میں بالاجماع مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔ طرفین کا موقف تو واضح ہے کہ ان کے نزدیک مہر مثل ہی کو معیار بنایا جاتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مہر مثل پر فیصلہ اس لیے ہو گا پیچھے گزرا ہے کہ جب مہر مسمی کو مہر بنانا ممکن

نہ ہو تو مجبوری میں مہر مثل کی طرف جائیں گے اور یہاں یہ مجبوری موجود ہے اس لیے مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔

3،4۔ احد الزوجین کے انتقال کے بعد اختلاف:

زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہونے کے بعد اختلاف ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: مقدار میں اختلاف ہو گا یا نفس مہر میں۔ دونوں کا وہی حکم ہے جو اوپر گزرا کہ مقدار والی صورت میں طرفین مہر مثل کو معیار بناتے ہیں اور امام ابو یوسف مہر مسمی پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اگر نفس مہر میں اختلاف ہو تو بالاتفاق مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔

5،6۔ زوجین کے انتقال کے بعد اختلاف:

اگر میاں بیوی دونوں فوت ہو گئے اور اس کے بعد ان کے ورثا میں یہ اختلاف ہو تو پہلی صورت یہ ہے کہ مقدار میں اختلاف ہو گا، دوسری صورت یہ ہے کہ نفس مہر میں اختلاف ہو گا۔ پہلی صورت میں شوہر کے ورثا مقدار کم بتا رہے ہوں گے، بیوی کے ورثا زیادہ کے مدعی ہوں گے۔ دوسری صورت میں شوہر کے ورثا نفس مہر کے منکر ہوں گے اور بیوی کے ورثا نفس مہر کے مدعی۔ یاد رہے کہ اگر شوہر کا پہلے انتقال ہوا تھا تو اس کے وارث مرحومہ کے حصۂ میراث اور مکمل مہر دونوں کا تقاضا کریں گے اور اگر پہلے بیوی فوت ہوئی تھی تو مہر میں شوہر کا بننے والا حصہ شوہر کو دینے کے بعد بقیہ مہر وغیرہ بیوی کے ورثا میں تقسیم ہو گا۔

دونوں ہی صورتوں میں امام صاحب اپنے سابقہ موقف سے نیچے آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دونوں کے انتقال کا مطلب یہ ہے کہ ان کے تمام معاصر جن کو دیکھ کر مہر مثل کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا وہ دنیا سے جا چکے ہیں، اب کس کو دیکھ کر مہر مثل کا فیصلہ ہو گا؟ لہٰذا جب مہر مثل کا تعین متعذر ہے تو مجبوراً مقدار والی صورت میں مہر مسمی جس کے مدعی شوہر کے ورثا ہیں اسی

کومان لیں گے چاہے وہ بہت معمولی رقم ہی کیوں نہ بن رہی ہو۔ اور دوسری صورت میں شوہر کے ورثا کے دعوی کے مطابق سرے سے مہر ہی نہیں دیا جائے گا۔

جبکہ امام ابویوسف اور امام محمد مقدار میں اختلاف کی صورت میں اپنے اپنے موقف پر رہتے ہیں۔ اور نفس مہر میں اختلاف کی صورت میں دونوں مہر مثل پر فیصلہ دینے کے قائل ہیں جیسے کہ صورت نمبر 2 اور 4 میں گزرا۔ اب چارٹ ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل کا چارٹ

صورت	حکم
دونوں زندہ ہیں، شوہر مقدار کم کہہ رہا ہے بیوی زیادہ کہہ رہی ہے	مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا عندھما و عند ابی یوسف مہر مسمی کو۔
دونوں زندہ ہیں، اصل مسمی میں اختلاف، شوہر منکر، عورت مدعی	مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا بالاجماع
ایک فوت ہو گیا، اب اس کے ورثا کا زندہ سے مقدار میں اختلاف	مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا عندھما و عند ابی یوسف مہر مسمی کو۔
ایک فوت، ورثا کا زندہ سے اصل مسمی میں اختلاف، شوہر منکر، عورت مدعی	مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا بالاجماع
دونوں فوت، شوہر کے ورثا مقدار کم کہہ رہے ہیں بیوی کے ورثا زیادہ کے مدعی	امام ابویوسف کا وہی مذہب، عندالامام شوہر کی بات معتبر جبکہ عند محمد مہر مثل
دونوں فوت، اصل مسمی میں اختلاف، شوہر کے ورثا منکر، عورت کے وارث مدعی	عندالامام شوہر کے ورثا کی بات معتبر جبکہ عندھما مہر مثل

ہدیہ یا مہر؟

شوہر نے بیوی کو مختلف چیزیں بھیجیں۔ بعد میں اختلاف ہوا کہ یہ ہدایا تھے یا مہر کا حصہ؟ شوہر کا دعوی ہے کہ یہ مہر تھا، بیوی کہتی ہے کہ ہدیہ تھا، تو کس کی بات مانی جائے گی؟ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب طلاق کے بعد سامان کی واپسی کے مطالبات کیے جائیں۔ حکم یہ ہے کہ اگر وہ اشیا کھانے پینے کی ہوں یا عورتوں کے استعمال کی اشیا ہوں تو ہدیہ شمار ہو گا اور اگر مردانہ استعمال کی اشیا ہوں یا گندم وغیرہ اس طرح کی چیزیں ہوں جو دونوں کے استعمال میں آتی ہیں تو مرد کی بات معتبر ہو گی؛ لأنه هو المملك فكان أعرف بجهة التمليك كيف وأن الظاهر أنه يسعى في إسقاط الواجب

باب نكاح أهل الشرك

غیر مسلموں کے نکاح اور مہر کی صورتیں

صورت	حکم
ذمیوں نے مردار کو مہر بنایا پھر مسلمان ہو گئے یا فیصلہ کرانے ہمارے پاس آئے	عند الامام میتہ ہی ملے گا مہر مثل نہیں، جبکہ عندھما وزفر مہر مثل ملے گا
حربیوں نے مردار کو مہر بنایا پھر مسلمان ہو گئے یا فیصلہ کرانے ہمارے پاس آئے	عند الائمۃ الثلاثۃ میتہ ہی ملے گا مہر مثل نہیں جبکہ عند زفر مہر مثل
ذمیوں نے مہر مقرر ہی نہیں کیا یا مہر نہ دینے کی شرط رکھی پھر مسلمان ہو گئے	عند الامام مہر نہیں ملے گا و عندھما وزفر مہر مثل
حربیوں نے مہر مقرر ہی نہیں کیا یا مہر نہ دینے کی شرط رکھی پھر مسلمان ہو گئے	عند الائمۃ الثلاثۃ مہر نہیں ملے گا و عند زفر مہر مثل

امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اسلامی احکام کافروں پر بھی لاگو ہیں چاہے وہ حربی کافر ہوں یا ذمی، اس لیے ان پر لازم ہے کہ اسلامی طریقے سے تمام کام کریں۔ نکاح اور مہر کے احکام میں بھی اسلام کے مطابق چلیں ورنہ نکاح فاسد ہو جائے گا چنانچہ میتہ کو مہر بنایا یا مہر مقرر ہی نہیں کیا یا سکوت عن المہر رکھا تو مسلمانوں کی طرح ان کے لیے بھی مہر مثل ہی کا فیصلہ کیا جائے گا اسی طرح اگر بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کافر کی عدت میں نکاح کیا تو نکاح درست نہ ہوگا، یا مجوسی نے اپنے محرم سے نکاح کر لیا تو درست نہ ہوگا، البتہ ہمیں ذمیوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم ہے اس لیے اگر وہ ایسا کوئی خلاف اسلام کام کرتے ہیں تو ہم انہیں عہد ذمہ کی وجہ سے کچھ نہیں کہیں گے۔ ہاں اگر یہ جوڑا مسلمان ہو جائے تو نکاح دوبارہ کروایا جائے گا اسی طرح ہماری عدالت میں مرافعہ کریں یعنی یہ خود اپنا یہ نکاح چیلنج کر دیں تو ہم اس مہر اور نکاح کو باطل قرار دیں گے اور دوبارہ نکاح کروائیں گے اور مہر والی صورتوں میں مہر مثل لاگو کریں گے۔

صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: ایک ذمیوں کی دوسری حربیوں کی۔ ذمیوں کا حکم یہ ہے کہ ذمی عقائد و عبادات میں تو اسلام کے پابند نہیں لیکن معاملات کے اندر ذمی اسلامی قوانین کے پابند ہیں، جیسے وہ زنا نہیں کر سکتے۔ سودی معاملہ نہیں کر سکتے ویسے نکاح بھی ایک مالی معاملہ ہے اس میں بھی وہ اسلامی قوانین کے پابند ہوں گے۔ لہذا درج بالا مثالوں میں یہ اگر مسلمان ہو جائیں یا اسلامی عدالت میں کیس لے کر آجائیں تو مہر مثل لازم ہوگا اور نکاح والے مسائل میں نکاح درست نہ ہوگا۔ البتہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کا مسئلہ خود مسلمانوں کے درمیان متفقہ نہیں اس لیے ایسا نکاح ہو جائے گا۔ البتہ حربی کی صورت میں مہر مثل لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ ان پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں اس لیے نہ تو وہ خود اسلامی احکام کا التزام کریں گے اور نہ ہم ان پر کوئی زبردستی لازم کر سکتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حربی کافر ہوں یا ذمی دونوں ہی اسلامی قوانین کے پابند نہیں۔ حربی پر تو ویسے بھی کنٹرول نہیں کما مر اور جو ذمی ہیں وہ عقائد، عبادات، معاملات کسی بھی چیز میں اسلامی احکام کے شرعا پابند نہیں، اس لیے خلاف ورزی کی صورت میں ہم زبردستی ان پر تھوپ بھی نہیں سکتے۔ ذمی صرف جنرل لاء یعنی قوانین عامہ میں اسلامی ریاست کے پابند ہیں ، اسی کا وہ التزام کرتے ہیں اور انہی کی خلاف ورزی کی صورت میں ہم زبردستی ان پر عمل کرواسکتے ہیں۔ لہذا جب مہر اور نکاح ان کا ذاتی معاملہ ہے تو اگر وہ میتہ کو مہر مانتے ہیں یا بغیر مہر نکاح کو درست مانتے ہیں تو ہم اسے غلط نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اگر بغیر گواہوں کے نکاح کر لیتے ہیں یا عدت میں نکاح کر لیں تو اسے بھی ہم غلط نہیں کہیں گے۔ چنانچہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں یا معاملہ ہماری عدالت میں لے آتے ہیں تو بھی ہم نہ مہر مثل واجب کر سکتے ہیں نہ ان کے نکاح کی تجدید کرواسکتے ہیں۔ باقی ذمی زنا اس لیے نہیں کر سکتے کہ زنا ہر مذہب میں حرام ہے اور سودی معاملہ اس لیے نہیں کر سکتے کہ ذمیوں کے ساتھ صرف سودی معاملہ مستثنیٰ ہے کہ اس کا انہیں پابند ہونا پڑے گا لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام: ألا من أربى فليس بيننا وبينه عهد

امام صاحب کے نزدیک اگر مجوسی ذمیوں نے اپنی محارم سے نکاح کر لیا تو یہ بھی ہماری عملداری سے خارج ہے ان کا نکاح بھی درست ہو جائے گا۔

امام صاحب کے مسلک کی مزید وضاحت ذیل کے تین نمبروں میں ملاحظہ کریں:

1۔ پہلی صورت، کافر کا نکاح بغیر گواہوں کے ہو اس کو صاحبین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حالت کفر میں ان کا نکاح درست ہے کیونکہ خود علمائے اسلام کا اس میں اختلاف ہے اس سے گنجائش نکل آئے گی لہذا جب ابتداء نکاح درست ہو گیا تو بقاء بھی درست ہی رہے گا؛ کیونکہ گواہوں کا ہونا نکاح کے شروع میں شرط ہے، اس کے بعد گواہوں کا مسلسل باقی رہنا شرط نہیں،

چنانچہ گواہ مر جائیں تب بھی ان کی گواہی سے ہونے والا نکاح باقی اور درست رہتا ہے اس لیے اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، نکاح باقی رہے گا۔

2۔دوسری صورت، کافر نے حالت کفر میں معتدہ سے نکاح کیا پھر مسلمان ہو گیا تو اسلام لانے کے بعد اس نکاح کو ختم نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ نکاح امام صاحب کے نزدیک جب ابتداء صحیح ہو گیا تو بقاء بھی صحیح کہلائے گا کیونکہ معتدہ سے نکاح ابتداء منع ہوتا ہے بقاء نہیں۔ بقاء کی مثال یہ ہے کہ منکوحۃ الغیر سے کوئی وطی بالشبہہ کرلے تو استبراء رحم کے لیے ایک حیض عدت گزارتی ہے جس میں شوہر قریب نہیں جاسکتا۔ دیکھیں اس صورت میں عدت اور نکاح جمع ہو رہے ہیں، اسی لیے کہ نکاح کا عدت کے ساتھ جمع ہونا اس وقت جائز نہیں جب معتدہ سے ابتداء نکاح ہو رہا ہو لیکن بقائے نکاح کے ہوتے ہوئے دونوں میں جمع ممکن ہے۔ اور زیر بحث مسئلے میں بھی جب شروع ان کا نکاح ایک بار درست ہو گیا ذمی ہونے کی وجہ سے تو اس کے بعد بقائے نکاح کی حالت میں ہیں، مسلمان ہونے کے بعد بھی بقائے نکاح کی حالت میں ہیں۔

3۔تیسری صورت، جب مجوسی اپنی محرم سے نکاح کرلے اور دونوں یا کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو خاص اس طرح کی صورتوں میں بقیہ ائمہ کی طرح امام صاحب کے نزدیک بھی تفریق ضروری ہے؛ کیونکہ محرمیت جیسے ابتداء نکاح کے منافی ہے بقاء بھی نکاح کے منافی ہے یعنی جیسے نکاح کے وقت کوئی اپنی محرم سے نکاح نہیں کرسکتا ایسے ہی شروع میں کوئی محرمیت نہ ہو بعد میں محرمیت پیدا ہو جائے تب بھی نکاح باقی نہیں رہ سکتا، مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص دو عورتوں سے شادی کرے۔ ایک کی عمر 25 سال ہو دوسری کی ایک سال۔ شادی کے وقت محرمیت کا کوئی رشتہ نہ ہو تو نکاح درست ہے لیکن اگر 25 سال والی حسد میں آکر ایک سال والی کو دودھ پلادے تو ایک سال والی رضاعی بیٹی بن جائے دونوں کی۔ یہ شوہر اس کا رضاعی باپ بن جائے گا اس لیے اس سے نکاح باطل ہو جائے گو شروع میں نکاح درست تھا۔

نکاح کی صورتیں

صورت	حکم
کفار کا بغیر گواہوں کے نکاح	عند الائمۃ الثلاثۃ صحیح وعند زفر فاسد
کافر کی عدت میں نکاح	عند الامام صحیح وعندھم فاسد
مسلمان کی عدت میں کتابیہ کا نکاح	جائز نہیں بالاتفاق
مجوسی اپنی محرم سے نکاح کرلے	عند ابی حنیفہ جائز وعندھم ناجائز
مجوسی اپنی محرم سے نکاح کرے پھر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو جائے	بالاجماع تفریق کی جائے گی، کیونکہ محرمیت ابتداء بھی مانع نکاح ہے اور بقاء بھی
مجوسی اپنی محرم سے نکاح کرے پھر دونوں میں سے ایک مرافعہ کرے	عند الامام تفریق نہیں کی جائے، صاحبین اور امام زفر کے نزدیک تفریق کی جائے گی
مجوسی اپنی محرم سے نکاح کرے پھر دونوں مرافعہ کریں	بالاجماع تفریق کی جائے گی، لأن مرافعتهما كتحكيمهما
مرتد یا مرتدہ کا نکاح	مسلم کافر کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں
ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر مسلمان	نکاح باقی رہے گا
ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک مسلمان ہوا دوسرا نہیں	نکاح ٹوٹ جائے گا

ذمی خمر یا خنزیر کو مہر بنائیں پھر مسلمان ہو جائیں

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک ذمی جوڑے نے خمر یا خنزیر کو مہر بنا کر نکاح کر لیا، لیکن اس پر قبضہ سے پہلے ہی دونوں دولت اسلام سے شرف یاب ہو گئے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ خمر و خنزیر متعین کر دیے تھے

2۔ خمر و خنزیر متعین نہیں کیے تھے۔

اگر متعین کر دیے تھے تو نفس عقد سے ہی بیوی اس مہر کی مالک بن گئی، اسی وجہ سے اس کے لیے اس پر تصرفات بھی جائز ہیں، قبضہ کی وجہ سے صرف ضمان منتقل ہو گا باقی کوئی فرق نہیں پڑے گا اس لیے تعین کی صورت میں بیوی کو مسلمان ہونے کے بعد بھی وہی معین خمر یا خنزیر مہر میں دینا ہو گا۔ یہ ایسا ہی ہو گا جیسے حالت کفر میں کسی نے اس سے خمر یا خنزیر غصب کر لیا ہو اور اسلام کے بعد وہ کیس جیت جائے تو بعینہ وہ خمر و خنزیر لے سکتا ہے۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ مغصوبہ چیز اس کی ملکیت تھی اور اس پر کنٹرول حاصل تھا گو اب قبضہ نہیں رہا اسی طرح مہر کو جب متعین کر دیا تو ملکیت بھی آجاتی ہے اور تصرف کا اختیار بھی، گو قبضہ حاصل نہ ہو۔

ہاں اگر اسے متعین نہ کیا ہو تو نفس عقد سے ملکیت نہیں آئے گی بلکہ قبضہ سے آئے گی اور قبضہ مسلمان ہونے کی حالت میں دے رہا ہے اس لیے خمر یا خنزیر نہیں دے سکتا بلکہ خمر کی صورت میں خمر کی قیمت دے گا اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل دے گا۔ وجہ یہ ہے کہ خمر مثلی اشیا میں سے ہے اور مثلی اشیا کے بدلے قیمت دینا عین خمر دینے کی طرح نہیں اس لیے مسلمان کے لیے اسے لینا جائز ہے جبکہ خنزیر قیمی اشیا میں سے ہے اس کی قیمت دینا بھی خنزیر ہی دینے کی طرح ہے اور خنزیر مہر بن نہیں سکتا اس لیے مہر مثل دینا ہو گا۔

صاحبین دلیل میں تین باتیں فرماتے ہیں:

1۔ جو حکم غیر معین کا ہے وہی معین کا بھی ہونا چاہیے۔ (جواب یہ ہے کہ کیوں معین کو غیر معین کیوں مان لیں؟ جبکہ دونوں کے احکام میں بہت سے فرق موجود ہیں)

2۔ جس طرح بیع کے اندر قبضہ کے بعد ملکیت موکد ہوتی ہے مہر کے اندر بھی قبضہ ہی سے ملکیت موکد ہو گی اس لحاظ سے قبضہ مشابہ ہے نفس عقد کے۔ اور جس طرح مسلمان کے لیے خمر و خنزیر کا عقد منع ہے قبضہ بھی منع ہو گا۔

3۔ صاحبین اس کو مبیع پر بھی قیاس کرتے ہیں کہ اگر کافر خمر یا خنزیر خریدے اور قبضہ سے پہلے مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد وہ اس مبیع یعنی خمر و خنزیر پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مہر معین بھی مبیع کے مشابہ ہے کہ جیسے وہاں مسلمان ہونے کے بعد قبضہ جائز نہیں مہر معین کی صورت میں بھی قبضہ جائز نہیں۔

ان دو وجوہ کی بنا پر امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ بجائے خمر و خنزیر کے مہر مثل واجب ہو گا۔ مہر مثل اس لیے کہ یوں سمجھا جائے گا جیسے عقد میں خمر یا خنزیر کو مہر بنایا گیا تھا اور مسلمان کے عقد میں خمر یا خنزیر کو مہر بنایا جائے تو مہر مثل ہی واجب ہوتا ہے۔

امام محمد دلیل میں تو امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں کہ قبضہ مشابہ ہے عقد کے جیسے مسلمان کے لیے اس کا عقد منع ہے ویسے قبضہ بھی منع ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ عقد کے وقت وہ ذمی تھے اس لیے اس وقت ان کو مہر بنانے کا عمل درست تھا، لیکن قبضے کے وقت مسلمان ہونے کی وجہ سے خمر و خنزیر نہیں لے سکتا تو اس کا بدل یعنی قیمت دے گا۔ جیسے مہر میں غلام دینا طے کیا ہو لیکن وہ غلام مر جائے تو قیمت دینی ہوتی ہے۔

اس بحث سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے مبیع منقولات میں سے ہو تو مبیع پر قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں، اس کے برعکس اگر مہر معین ہو تو قبضہ سے پہلے بھی اس میں تصرف جائز

ہے یہ قاعدہ متفق علیہ معلوم ہوتا ہے اور اسکو دیکھا جائے تو امام صاحب کا موقف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ مہر معین مغصوبہ کے مشابہ ہے نہ کہ مبیع کے۔

اب ان مسائل کا چارٹ ملاحظہ فرمالیں:

نقشہ مسائل

ذمیوں نے معین خمر کو مہر بنایا پھر دونوں یا ایک مسلمان ہو گیا	عند الامام خمر، عند ابی یوسف مہر مثل، جبکہ عند محمد قیمت
ذمیوں نے معین خنزیر کو مہر بنایا پھر دونوں یا ایک مسلمان ہو گیا	عند الامام خنزیر، عند ابی یوسف مہر مثل، جبکہ عند محمد قیمت
ذمیوں نے غیر معین خمر کو مہر بنایا پھر دونوں یا ایک مسلمان ہو گیا	عند الطرفین خمر کی قیمت دینی ہوگی، وعند ابی یوسف مہر مثل دینا ہوگا
ذمیوں نے غیر معین خنزیر کو مہر بنایا پھر دونوں یا ایک مسلمان ہوا	عند الشیخین مہر مثل واجب ہوگا جبکہ امام محمد کے نزدیک قیمت واجب۔

اسباب تفریق

احناف	شافعیہ
طلاق	ایضا
خلع	ایضا
دار الاسلام میں اباء عن الاسلام	دار الاسلام میں اسلام اور پھر تین حیض گزرنا
دار الحرب میں تین حیض گزرنا	دار الحرب میں تین حیض گزرنا
ہجرت کی صورت میں تباین دارین	سبی (غلام باندی بن جانا)
ارتداد (معاذ اللہ)	ایضا

تفریق کا سبب اسلام یا اسلام سے انکار؟

احناف اور شافعیہ اس حوالے سے متفق ہیں کہ طلاق، خلع اور ارتداد سے نکاح ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر زوجین کافر ہوں اور پھر دونوں یا کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو تفریق کا سبب بنے گا یا نہیں؟ اور اگر تفریق کا سبب بنے گا تو اس کا سبب کیا ہو گا؟ اس طرح مسئلہ کی کئی صورتیں بنتی ہیں:

1۔ اگر دونوں مسلمان ہو جائیں تو نکاح باقی رہے گا۔

2۔ شوہر مسلمان ہو جائے اور بیوی کتابیہ رہے تو بھی نکاح باقی رہے گا؛ کیونکہ مسلمان کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ وإذا أسلم زوج الكتابية فهما على نكاحهما لأنه يصح النكاح بينهما ابتداء فلأن يبقى أولى

3۔ بیوی مسلمان ہو جائے شوہر کافر رہے یا اس کے برعکس شوہر مسلمان ہو جائے اور بیوی ہندو یا مجوسی رہے اور یہ واقعہ اسلامی ملک میں ہو۔

اس صورت میں احناف اور امام شافعی اس بات میں متفق ہیں کہ مذہب کی تبدیلی کے بعد دونوں کا ساتھ رہنا ممکن نہیں رہا اس لیے تفریق کی جائے گی لیکن اس کا سبب کس چیز کو بنائیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اسلام کو سبب تفریق بنائیں گے اس لیے کہ اگر ہم نے دوسرے فریق کو اسلام پیش کیا اور اباء عن الاسلام کو سبب مانا تو ذمیوں سے تعرض کرنا لازم آئے گا جو درست نہیں اس لیے ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے اور اسلام ہی کو سبب تفریق مان لیا جائے گا، لہٰذا طلاق کی طرح اگر قبل الدخول اسلام لایا ہو تو فوراً تفریق کر دی جائے گی جیسے طلاق قبل الدخول میں عدت کے بغیر عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور دخول ہو چکا ہو تو تین حیض کے بعد تفریق کی جائے گی جیسے طلاق بعد الدخول کی صورت میں عدت کے بعد بائنہ ہوتی ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ اسلام تو سراسر محبت اور طاعت کا سبب ہے اسے تفریق کا سبب کیسے

بنایاجاسکتا ہے؟اس لیے فریق ثانی پر اسلام پیش کیاجائے گا اگر وہ مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا اور انکار کرنے کی صورت میں اس اباء عن الاسلام کو جو کہ معصیت ہے، سبب تفریق مانا جائے گا۔ اور یہ صرف اسلام کی دعوت ہے ان سے تعرض کرنا نہیں ہے۔ اور اگر تعرض مان بھی لیاجائے تو زوجین کو باہمی حقوق دلانے کی غرض سے ہے بلاوجہ نہیں ہے اس لیے جب فریق ثانی اسلام سے انکار کر کے حقوق ادا کرنے سے انکار کردے تو تفریق ضروری ہوجائے گی۔

4۔ بیوی مسلمان ہوجائے شوہر کافر رہے یا اس کے برعکس شوہر مسلمان ہوجائے اور بیوی ہندو یا مجوسی رہے اور یہ واقعہ غیر مسلم ملک میں پیش آیا ہو۔ یہاں بھی تفریق بالاتفاق ضروری ہے لیکن کس چیز کو وجہ تفریق ماناجائے؟ امام شافعی کا جواب واضح ہے کہ اسلام سبب تفریق ہے لہٰذا قبل الدخول ہو تو فوراً تفریق ہوگی، بعد الدخول ہو تو تین حیض کے بعد تفریق واقع ہوجائے گی ۔احناف کے نزدیک اسلام سبب تفریق نہیں کیونکہ وہ طاعت اور سب سے بڑی عبادت ہے، اباء عن الاسلام کو بھی سبب تفریق نہیں ماناجاسکتا؛ کیونکہ غیر مسلم ملک میں دعوت ممکن نہیں، اس لیے مجبوراً ہم بجائے سبب تفریق کے شرط تفریق پر حکم کی بنیاد رکھ دیں گے اور وہ ہے تین حیض گزرنا، کہ اس کے بغیر عدت نہیں گزرتی اس لیے تین حیض گزرنے کے بعد تفریق ہوجائے گی چاہے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ شرط کو سبب کے قائم مقام ماننے کی مثال کنواں کھودنا اور اس میں کسی کا گر کر مرجانا ہے کہ کنوئیں میں گرنے کی اصل علت انسان کا ثقل ہے لیکن اس کو سبب نہیں بناسکتے؛ کیونکہ وہ ایک قدرتی چیز ہے اس لیے مجبوراً کنواں کھودنے والے کا مواخذہ کیاجاتا ہے ۔اور شرط کو علت کے معنی میں لے لیاجاتا ہے۔

پھر احناف کا باہم اختلاف ہے کہ یہ تفریق طلاق ہے یا فسخ نکاح؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسلام سے انکار بیوی کرے یا شوہر دونوں صورتوں میں تفریق کا سبب دونوں ہی بنتے

ہیں؛ کیونکہ ایک مسلمان ہو کر قصوروار بنتا ہے تو دوسرا انکار کر کے۔ اور جب بھی تفریق کا سبب زوجین مشترکہ طور پر ہوں تو بجائے طلاق کے وہاں تنسیخ نکاح کیا جاتا ہے۔

طرفین فرماتے ہیں کہ بیوی مسلمان ہوئی اور شوہر ضد کر رہا ہے اور اسلام نہیں لا رہا تو قصور مرد کا ہے کہ وہ امساک بالمعروف نہیں کر رہا عورت کا قصور نہیں۔ عورت تو حق بجانب ہے اس لیے جب صرف مرد قصوروار ہو اتو قاضی اس کا نائب بن کر تسریح بالاحسان کرتے ہوئے اس کی طرف سے اسے طلاق واقع کر دے گا جیسے مجبوب اور نامردی والی صورتوں میں نقص مرد کے اندر ہوتا ہے پھر بھی وہ طلاق نہیں دے رہا ہوتا تو عدالت شوہر کی نائب بن کر بیوی کو طلاق دیتی ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں جب مرد مسلمان ہو گیا اور بیوی کفر پر مصر ہے تو شوہر حق بجانب ہے اور قصور عورت کا ہے اس لیے صرف عورت قصوروار ہو گی لیکن عورت طلاق کی اہل نہیں اس لیے طلاق کے بجائے اسے فسخ ماننا پڑے گا۔ جیسے عورت مرتد ہو جائے یا سوتیلے بیٹے کے ساتھ زنا کر لے تو قصور عورت کا ہونے کی وجہ سے تفریق کی جاتی ہے اور وہ تفریق بجائے طلاق کے تنسیخ نکاح مانی جاتی ہے۔

قاعدہ:

اس بحث سے یہ قاعدہ نکلا کہ تفریق کی وجہ مشترکہ ہو تو تفریق طلاق کے بجائے فسخ نکاح ہو گی اسی طرح اگر تفریق کی وجہ صرف عورت کی طرف سے پائی جائے تو وہ بھی بجائے طلاق کے فسخ نکاح ہو گی، تفریق کو طلاق صرف اس صورت میں مانا جائے گا جب اس کی وجہ مرد کی طرف سے پائی جائے۔

تفریق کا سبب تباین دارین یا قیدی بننا؟

5۔زوجین میں سے ایک دارالاسلام آجائے دوسرا دارالحرب میں رہ رہا ہے جس کو تباین دارین کہا جاتا ہے تو کیا اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

احناف فرماتے ہیں کہ اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے جس کی صریح دلیل سورۂ ممتحنہ کی آیت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (الممتحنة10)

دلیل عقلی یہ ہے کہ تباین دارین کی وجہ سے زوجین میں باہمی تعلقات اور مصالح زوجیت کی رعایت رکھنا مشکل ہے جیسے تباین دارین کی وجہ سے میراث بھی جاری نہیں ہوتی اسی طرح نکاح کا تعلق بھی جاری نہیں رہے گا۔اور جیسے نکاح کے بعد محرمیت کا رشتہ قائم ہونے سے نکاح باقی نہیں رہتا اسی طرح نکاح کے بعد تباین دارین کی وجہ سے بھی نکاح قائم نہ رہے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں قید ہو جائیں تو قیدی بننا تفریق کا سبب بن جائے گا؛کیونکہ سبی تقاضا کرتا ہے کہ قیدی مکمل اور خالصتاً آقا کا ہو جائے کسی کا بھی اس سے کوئی تعلق نہ رہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب نکاح کا تعلق بھی قائم نہ رہنے دیا جائے۔سبی کا اثر اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیدی کے ذمہ واجب الاداء دیون بھی ساقط ہو جاتے ہیں؛تاکہ آقا کو پریشانی نہ ہو۔اس کے مقابلے میں تباین دارین میں یہ تاثیر نہیں ہے۔مانا کہ تباین دارین سے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں لیکن یہ تفریق کے لیے مؤثر نہیں بن سکتا؛جس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کی بیوی اگر دارالحرب میں ہو اور وہ خود مستامن بن کر دارالاسلام چلا آئے تو تباین دارین کے باوجود نکاح قائم رہتا ہے اسی طرح اگر مسلمان کی بیوی دارالاسلام میں ہو اور اس کا مسلم شوہر مستامن بن کر دارالحرب چلا جائے تو تباین دارین کے باوجود نکاح قائم رہتا ہے۔معلوم ہوا کہ تباین دارین نکاح کو ختم نہیں کر سکتا۔

احناف ان کے دلائل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سبی اور نکاح دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ سبی سے آقا اس کے رقبہ کا مالک بنتا ہے جس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا محل عمل یعنی خدمت خالص آقا کا ہو جاتا ہے، محل بضع آقا کا نہیں بنتا اسی وجہ سے وہ ابتداءً (پہلی بار) بھی اس کی شادی کرا سکتا ہے اور بقاءً (پہلے سے چلے آرہے) شادی شدہ غلام یا باندی کو خرید بھی سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سبی نہ ابتداء نکاح کے منافی ہے نہ بقاءً۔

اور تباین دارین کے رد میں جو دو نظائر انھوں نے پیش کیے اس کا جواب یہ ہے کہ تباین دارین کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً اور حکماً دونوں طرح سے تباین دارین ہو حقیقتاً کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے جسم الگ ہو جائیں اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ واپسی کا ارادہ بھی نہ ہو۔ آپ نے یہ جو دو مثالیں دیں ان میں حقیقتاً تو تباین دارین ہوا لیکن حکماً نہیں ہوا؛ کیونکہ ان دونوں مثالوں میں شوہر کا واپسی کا ارادہ ہے، مستقل قیام کا ارادہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کو ہمارے رد میں پیش کرنا درست نہیں۔

اس اختلاف کا ثمرہ متعدد صورتوں میں ظاہر ہو گا:

دونوں ایک ساتھ مسلمان بن کر دارالاسلام چلے آئیں تو بالاتفاق نکاح قائم رہے گا؛ کیونکہ نہ سبی پایا گیا نہ تباین دارین۔

اسی طرح دونوں ذمی بن کر ہمیشہ رہنے کے لیے دارالاسلام آئیں تو بھی بالاتفاق نکاح قائم رہے گا؛ کیونکہ نہ سبی پایا گیا نہ تباین دارین۔

دونوں مستامن بن عارضی طور پر رہنے کے لیے دارالاسلام آئیں تو بھی بالاتفاق نکاح قائم رہے گا؛ کیونکہ نہ سبی پایا گیا نہ تباین دارین۔

زوجین میں سے ایک قیدی بنالیا گیا اور دارالاسلام منتقل کر دیا گیا جبکہ دوسرا دارالحرب میں ہے تو اس صورت میں بھی نکاح بالاتفاق ختم ہو جائے گا لیکن سبب الگ الگ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سبب سبی ہے جبکہ احناف کے نزدیک سبب تباین دارین ہے۔

زوجین میں سے ایک مسلمان یا ذمی بن کر دارالاسلام آجائے اور دوسرا دارالحرب ہی میں رہ جائے اس صورت میں بھی اختلاف جاری ہوگا۔ احناف کے نزدیک تباین دارین کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا جبکہ امام شافعی کے نزدیک ختم نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ متن میں مسلمان بن کر آنے کی جو قید لگائی گئی ہے یہ قید اتفاقی ہے؛ کیونکہ ذمی بن کر آئے تب بھی یہی اختلاف جاری ہونا ہے۔

دونوں ایک ساتھ قید ہو جائیں تو امام شافعی کے نزدیک سبی کی علت پائے جانے کی وجہ سے نکاح ختم ہو جائے گا، احناف کے نزدیک تباین دارین نہیں ہوا اس لیے نکاح برقرار ہے۔

تفریق کے بعد یہ مد نظر رہے کہ اگر عورت حاملہ ہو اور وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو عدت کے بعد کسی مسلم مرد سے اس کا نکاح جائز ہے اس سے پہلے جمع بین الفراشین کی وجہ سے جائز نہیں۔ وعلیہ الفتوی اور اگر حاملہ نہ ہو تو فوراً بغیر عدت نکاح جائز ہے؛ کیونکہ عدت مسلم کے نکاح کے ختم ہونے پر آتی ہے اس کے احترام کی وجہ سے، جبکہ لا خطر لملك الحربي کے تحت کافر کے نکاح کا کوئی احترام نہیں۔ البتہ صاحبین کے نزدیک جیسے حاملہ والی صورت میں عدت ضروری ہے غیر حاملہ والی صورت میں بھی عدت ضروری ہے، لأن الفرقة وقعت بعد الدخول في دار الإسلام فيلزمها حكم الإسلام

مرد کا ارتداد سبب تنسیخ یا سبب طلاق؟

اس پر اتفاق ہے کہ ارتداد سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی اتفاق ہے عورت مرتد ہو اور مرد مسلمان ہی ہو تو یہ تفریق فسخ نکاح ہو گی، طلاق نہ ہو گی کیونکہ سبب تفریق عورت کی طرف سے ہو تو وہ فسخ نکاح کہلاتا ہے طلاق نہیں، کما مر۔ اختلاف اس صورت میں ہے جب مرد مرتد ہو جائے اور عورت مسلمان ہو، کہ اس صورت میں یہ تفریق فسخ نکاح ہو گی یا طلاق؟ امام محمد اس کو طلاق فرماتے ہیں؛ کیونکہ تفریق کا سبب جب بھی مرد بنے تو وہ طلاق ہوتی ہے کما مر۔ جبکہ شیخین کے نزدیک یہ طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔ امام ابو یوسف کا موقف واضح ہے اور پیچھے

گزر چکا ہے کہ جب بھی تفریق کا سبب زوجین مشترکہ طور پر ہوں تو بجائے طلاق کے اسے تنسیخ نکاح مانا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے ارتداد اور اباء میں فرق کیا ہے کہ اباء کو طلاق مانتے ہیں جبکہ ارتداد کو فسخ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اباء کی صورت میں تو شوہر امساک بالمعروف نہیں کرتا جس کی وجہ سے قاضی شوہر کا نائب بن کر تسریح بالاحسان کرتے ہوئے طلاق واقع کر دیتا ہے لیکن ارتداد میں یہ دلیل نہیں چل سکتی کیونکہ ارتداد تو ابتداء بھی نکاح کے منافی ہے اور بقاء بھی۔ یعنی مرتد سے نہ ابتداء نکاح جائز ہے نہ پہلے سے چلے آرہے نکاح کو باقی رکھا جاسکتا ہے، اس طرح ارتداد محرمیت کے مشابہ ہے کہ وہ بھی ابتداء اور بقاء دونوں صورتوں میں نکاح کے منافی ہے لہذا جس طرح چلتے ہوئے نکاح کے دوران محرمیت کا رشتہ آجائے تو بغیر طلاق کے تنسیخ نکاح ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی چلتا ہوا نکاح ارتداد کی وجہ بغیر طلاق کے خود بخود منسوخ ہو جائے گا۔

باب القسم

ایک سے زائد نکاح اور ان کے درمیان عدل

شریعتِ مطہرہ نے جہاں مرد کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی ہے وہاں مرد کو اس بات کا پابند بھی کیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان برابری کرے ورنہ اس کے لیے متعدد ازواج کرنا جائز نہ ہوگا اور قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کو فالج لگا ہوگا۔

بیویوں میں برابری کے احکام

تسویہ بین الزوجات کی تفصیل یہ ہے:

1۔ لباس پوشاک اور نان ونفقہ، یعنی ضروریات کا سامان چھوٹی بڑی تمام اشیاء دے۔

البتہ پاکستان میں موجود بیوی کو پاکستانی معیار کے مطابق اور سعودیہ والی کو سعودیہ کے حساب سے خرچ دیا تو یہ عدل کے خلاف نہیں۔ غریب کو اس کی حیثیت اور مالدار بیوی کو اس کی

حیثیت کے مطابق خرچ دینا بھی عدل کے خلاف نہیں۔ اسی طرح بیمار بیوی کے ساتھ بیماری کے زمانہ میں تیمارداری کی وجہ سے شب وروز کے اوقات کا اکثر حصہ گزارنا پڑے تو اس میں بھی حرج نہیں، اس کی صحت یابی تک اس کی اجازت ہے، پہلی بیوی کی دوائیوں اور ڈائپر وغیرہ میں آپ نے بضرورت ومجبوری اگر خرچ کیا اور دوسری بیوی کو ابھی اس طرح کی ضرورت ہی نہیں اسی طرح دوسری بیوی کے ویزے کے لیے آپ نے رقم بھجوائی اور پہلی بیوی کو اس کی ضرورت ہی نہیں تو اس میں شرعاً مضائقہ نہیں، گنجائش ہے۔

2۔ رہائش کی فراہمی میں ہر ایک کی حیثیت کے مطابق عدل ضروری ہے۔

3۔ ایک بیوی کے پاس جتنی راتیں گزارے اتنی ہی راتیں دوسری بیوی کے پاس بھی گزارے، دن گزارنے میں برابری نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ روزانہ باری بدلنے کا حساب رکھے بلکہ تین دن ہفتہ یا جس طرح بھی باری کا حساب کرنا چاہے کر سکتا ہے لیکن جتنے دن ایک کو دے بقیہ کو بھی اتنے ہی دن دے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ نئی نویلی کو شروع میں زیادہ دن دے اور پھر عدل کرے۔ بلکہ نئی ہو یا پرانی بہر صورت عدل واجب ہے۔

4۔ جماع میں بھی برابری نہیں ہے۔

5۔ تحفہ تحائف میں برابری ضروری ہے۔

6۔ سفر میں لے جانے میں برابری نہیں ہے، البتہ قرعہ اندازی کر کے لے جانا مستحب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سفر میں بھی عدل واجب ہے۔ آپ ﷺ ازواج مطہرات کی تطییب قلب کے لیے قرعہ اندازی کرتے تھے اس لیے نہیں کہ قرعہ اندازی واجب تھی۔ ویسے جب شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی بھی بیوی کو ساتھ نہ لے جائے تو یہ بھی جائز ہوگا کہ ایک کو لے جائے دوسری کو نہ لے جائے۔

7۔ قلبی محبت میں بھی برابری شرط نہیں ہے۔عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أن النبی علیہ الصلاۃ والسلام کان یعدل فی القسم بین نسائہ وکان یقول "اللھم ھذا قسمی فیما أملک فلا تؤاخذنی فیما لا أملک" یعنی زیادۃ المحبۃ

باب الرضاع

مقدار رضاعت:

احناف کے نزدیک رضاعت کی مقدار مقرر نہیں۔ کم پیے یا زیادہ ایک گھونٹ بھی پیے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ آیت وامھتکم اللاتی ارضعنکم اور اسی طرح حدیث یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ یہ نصوص مطلق ہیں۔ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ دودھ کم پیے یا زیادہ بچے کی پرورش دونوں سے ہی ہوتی ہے اور جزئیت کارشتہ دونوں ہی صورتوں میں قائم ہو جاتا ہے اس لیے قلیل اور کثیر میں فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام شافعی کے نزدیک مقدار پانچ گھونٹ ہیں اس سے کم سے رضاعت ثابت نہ ہو گی لقولہ ﷺ لا تحرم المصۃ ولا المصتان ولا الاملاجۃ والاملاجتان۔ احناف کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کے اطلاق کے خلاف ہے اس لیے ترجیح قرآن کو ہو گی۔ یا پھر حدیث کو منسوخ ماناجائے گا قرآن کے اطلاقات سے۔

مدت رضاعت:

صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے لقولہ تعالی والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین۔ استدلال واضح ہے۔ دوسری دلیل ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا۔ استدلال اس طرح ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت 6 ماہ ہے۔ 6 ماہ کو 30 ماہ سے نکالیں تو 24 ماہ

جاتے ہیں اس لیے 24 ماہ دودھ چھڑانے کی مدت ہوگی۔ تیسری دلیل حدیث لا رضاع بعد حولین ہے۔ استدلال واضح ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت 30 ماہ یعنی ڈھائی سال ہے۔ دلیل آیت وحمله وفصاله ثلثون شهرا ہی ہے اور استدلال یوں ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حمل اور رضاعت دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس تیس ماہ ہے۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر آپ کے 100 ڈالر بھی ہیں اور 10 ہزار روپے بھی ہیں اور ادائیگی کی مدت 2 سال ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دو سال میں دونوں قرضوں کو ادا کرنا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر ایک کی مدت دو دو سال ہے۔ لیکن پھر حمل کی مدت کے لیے مخصص آگیا کہ دو سال سے ایک گھڑی زیادہ بھی حمل ماں کے پیٹ میں نہیں ٹھیر سکتا اس حدیث نے حمل کی مدت بجائے 30 ماہ کے کم کر کے 24 ماہ کر دی۔ لیکن اس طرح کا مخصص یا منقص رضاعت کے سلسلے میں منقول نہیں اس لیے اسے اپنی حالت پر رہنے دیں گے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ دو سال تو آپ بھی مانتے ہیں بقیہ چھ ماہ کے اندر اختلاف ہے تو دیکھیں دو سال جب دودھ پر گزارا کیا تو فوراً سے دودھ چھڑانا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لیے غذا کی تبدیلی کے لیے کم سے کم چھ ماہ تو دینے چاہییں؛ تاکہ غذا کی تبدیلی کو بچہ برداشت کر سکے۔ اور چھ ماہ کی مدت ہم نے اس لیے بڑھائی کہ جنین بھی چھ ماہ پیٹ میں رہ کر زندہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ چھ ماہ تبدیلی لانے کے لیے ایک مناسب مقدار ہے۔

اور صاحبین کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص کا مطلب یہ ہے کہ دو سال تک دایا کو دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی اس کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ درست نہیں۔ امام صاحب دلیل کے اعتبار سے کمزور ہے البتہ صرف نکاح کے معاملے میں ان کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے؛ کیونکہ نکاح کا تعلق ابضاع اور فروج سے ہے اور الاصل فی الابضاع الحرمة

امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک رضاعت کی مدت تین سال ہے۔ ان کی دلیل دو سال کے لیے وہی ہے جو اوپر گزری اور تیسرا سال وہ قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ بچے نے جب دو سال دودھ پر گزارا کیا تو فوراً سے دودھ چھڑانا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لیے غذا کی تبدیلی کے لیے کم سے کم ایک سال دینا چاہیے، تاکہ غذا کی تبدیلی کو بچہ برداشت کر سکے۔

فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ اس لیے دو سال بعد بچے کو دودھ پلانا جائز نہیں۔ بیوی کا دودھ پینا دو سال کے بعد ہوتا ہے اس لیے یہ بھی جائز نہیں، تاہم اس سے بیوی حرام نہ ہو گی۔

رضاعی محرمات

رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسبی قرابت سے حرام ہوتے ہیں:

1۔ رضاعی ماں سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ اس کے دودھ سے بچے کی نشوونما ہوئی جس کی وجہ سے جزئیت کا تعلق قائم ہو گیا۔ جب رضاعی ماں سے نکاح جائز نہیں تو رضاعی ماں کی ماں، نانی دادی ان سب سے بھی نکاح جائز نہ ہو گا یعنی سب اصول حرام ہوں گے۔

2۔ رضاعی باپ سے احناف کے نزدیک نکاح جائز نہیں، امام شافعی کی ایک روایت کے مطابق رضاعی باپ سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ دودھ عورت پلاتی ہے اس کا شوہر نہیں۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیدا ہونے کا سبب شوہر بنتا ہے اس لیے اضافۃ الشیء الی السبب کے تحت رضاعی باپ سے نکاح جائز نہ ہو گا اسی کو "لبن الفحل" بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا حدیث بھی موجود ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ افلح تمہارے رضاعی چچا ہیں وہ تم سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ جب رضاعی باپ حرام ہے تو رضاعی باپ کا باپ اور نانا دادا سب حرام ہوں گے یعنی سب اصول حرام ہوں گے۔

3۔ جس طرح سوتیلی ماں سے نکاح جائز نہیں موطوءۃ الاب ہونے کی وجہ سے اسی طرح مرضع پر رضاعی باپ کی دوسری بیوی بھی حرام ہے؛ کیونکہ وہ رضاعی باپ کی موطوئہ ہونے کی وجہ سے اس کا جزو ہے۔

4۔ رضاعی ماں باپ پر دودھ پینے والا اور دودھ پینے والی اور ان کی اولادیں اور ان کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں تمام فروع حرام ہوں گے جیسے نسب سے یہ تمام رشتے حرام ہوتے ہیں۔

5۔ ایک چھاتی سے جن جن بچے بچیوں نے اپنے اپنے زمانہ رضاعت میں دودھ پیا وہ سب بچے بچیاں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ البتہ ان کے دوسرے نسبی بھائی یا بہن جنھوں نے اس رضاعی ماں کا دودھ نہیں پیا ان کا نکاح جائز ہے؛ اس لیے کہ ان کا کوئی نسب یا رضاعت وغیرہ کا رشتہ آپس میں نہیں بنتا۔ بلکہ خود نسبی رشتے میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں نسبی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ٹھہرتا ہے، جیسے: دو علاتی بھائی ہوں اور ایک علاتی بھائی کی ماں شریک بہن بھی ہو تو دوسرے علاتی بھائی کے لیے اس علاتی بھائی کی ماں شریک بہن سے نکاح جائز ہے، مثلاً: ساجد نے دو شادیاں کی۔ ایک بیوی کا نام عابدہ ہے دوسری کا نام ثناء۔ عابدہ سے عابد پیدا ہوا اور ثناء سے ثناء اللہ۔ ساجد نے ثناء کو طلاق دے دی۔ ثناء نے دوسری شادی سالم سے کرلی اور اس سے ایک لڑکی رخسانہ پیدا ہوئی۔ اس صورت میں رخسانہ ثناء اللہ کی ماں شریک ہے لیکن اس کا عابد سے کوئی رشتہ نہیں نکلتا اس لیے عابد کا نکاح اپنے باپ شریک بھائی کی اس بہن سے جائز ہے۔

6۔ رضاعی پھوپھی رضاعی بچا سے نکاح جائز نہیں۔

7۔ رضاعی خالہ رضاعی ماموں سے نکاح جائز نہیں۔

8۔ رضاعی بھانجا بھانجی سے نکاح جائز نہیں۔

9۔ رضاعی بھتیجا بھتیجی سے نکاح جائز نہیں۔

10۔ جس طرح خونی قرابت داری میں دو بہنوں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا حرام ہے رضاعت میں بھی ان کو جمع کرنا حرام ہے۔ لہٰذا دو رضاعی بہنوں، اسی طرح رضاعی پھوپھی بھتیجی اور رضاعی خالہ بھانجی کو جمع کرنا درست نہیں۔

11۔ رضاعی داماد اور رضاعی بہو سے نکاح جائز نہیں۔ وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم میں اصلاب کی قید سے رضاعی بہو سے احتراز مقصد نہیں بلکہ متبنیٰ کی بیوی سے احتراز مقصد ہے۔

البتہ اس قاعدہ سے کچھ خواتین مستثنیٰ ہیں:

الف: اپنے رضاعی بھائی بہن کے اصول سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ ان سے نہ نسب کا رشتہ نکلتا ہے نہ مصاہرت کا نہ رضاعت کا جبکہ نسبی بھائی بہن کے اصول سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ نسبی بھائی بہن کے ماں باپ در حقیقت اپنے ہی ماں باپ ہوتے ہیں یا سوتیلے۔

ب: اسی طرح اپنے رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ دودھ اس نے نہیں پیا۔ اسی طرح رضاعی بیٹی کی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔ جبکہ نسبی بیٹی کی بہن سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ وہ در حقیقت اپنی ہی بیٹی یا ربیبہ بنے گی۔

لبن مخلوط کی صورتیں

1۔ دودھ پانی میں مل گیا اور دودھ غالب ہے اور بچے کو ایسا دودھ پلایا گیا تو رضاعت ثابت ہو گی بالاتفاق۔ لیکن اگر دودھ پانی میں مل گیا اور دودھ مغلوب ہے تو احناف کے نزدیک رضاعت ثابت نہ ہو گی، امام شافعی کے نزدیک رضاعت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ حقیقت میں دودھ اس پانی میں موجود ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ دودھ مغلوب ہے اور مغلوب لاشے ہونے کی وجہ سے غیر موجود شمار ہو گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھائے کہ دودھ نہیں پیوں گا پھر ایسا دودھ پی لے جس میں پانی زیادہ اور دودھ کم ہو تو وہ حانث نہیں ہوتا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹتی۔ معلوم ہوا کہ مغلوب کا کوئی اعتبار نہیں۔

2۔ دودھ میں طعام مل گیا اور دودھ غالب ہے اور بچے کو ایسا مرکب دودھ پلایا گیا تو عندہ رضاعت ثابت نہ ہوگی وعندھما ہوگی۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ طعام اور دودھ کے ملغوبے میں طعام اصل ہے اور دودھ تابع۔ اور تابع کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ بچے کی غذا دودھ ہے نہ کہ طعام اس لیے بچے کی غذا کو دیکھتے ہوئے رضاعت ثابت ہوگی۔ البتہ اگر طعام اور دودھ کو ملا کر پکالیا جائے تو بالاتفاق رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دودھ مغلوب ہو تو بالاتفاق رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

3۔ دودھ میں دوائی ملا کر بچے کو دی گئی اور دودھ غالب ہے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ دودھ ایک تو غالب ہے دوسرا محتاج الیہ ہونے کی وجہ سے اصل بھی ہے اس لیے دوائی کو لاشے مانا جائے گا۔ ہاں اگر دوائی غالب ہو تو پھر دودھ کو لاشے مانا جائے گا اور رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

4۔ عورت کے دودھ میں بکری کا دودھ مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو بچے کو پلانے کی صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی لیکن اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو عورت کو دودھ لاشے بن جائے گا اور رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

5۔ دو یا کئی عورتوں کا دودھ ملا دیا گیا اور وہ دودھ بچوں کو پلایا گیا تو رضاعت کس سے ثابت ہوگی؟ عند ابی یوسف غلبہ کا اعتبار ہوگا وعند محمد وزفر دونوں سے ثابت ہوگا؛ کیونکہ غلبہ کا اعتبار خلاف جنس چیز میں ہوتا ہے ہم جنس چیزوں میں غلبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ایک چیز اپنی ہی جیسی چیز کے ساتھ ملا دی جائے تو اس سے وہ اپنا وجود نہیں کھوتی بلکہ اسے بڑھا دیتی ہے۔ انسانی دودھ اپنے ہی جیسے انسانی دودھ سے مل کر اسے بڑھا دے گا ختم نہیں کرے گا۔ فتویٰ اسی قول پر ہے۔ امام صاحب سے دونوں روایتیں ہیں۔

حکم	صورت
رضاعت ثابت ہوگی بالاتفاق	پانی میں مل گیا اور دودھ غالب ہے
عندالاحناف ثابت نہ ہوگی، عندالشافعیہ ثابت ہوگی	پانی میں مل گیا اور دودھ مغلوب ہے
عندہ رضاعت ثابت نہ ہوگی وعندھما ہوگی	دودھ میں طعام مل گیا اور دودھ غالب ہے
رضاعت ثابت نہ ہوگی بالاتفاق	دودھ میں طعام مل گیا اور دودھ مغلوب ہے
رضاعت ثابت ہوگی بالاتفاق	دودھ میں دوائی مل گئی اور دودھ غالب ہے
رضاعت ثابت ہوگی بالاتفاق	دودھ میں بکری کا دودھ مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے
رضاعت ثابت نہ ہوگی بالاتفاق	دودھ میں بکری کا دودھ مل گیا اور عورت کا دودھ مغلوب ہے
عندابی یوسف غلبہ کا اعتبار وعند محمد وزفر دونوں سے ثابت، امام صاحب سے دونوں روایتیں ہیں۔	دو عورتوں کا دودھ مل گیا۔

چند عجیب صورتیں

1۔فرض کریں کہ کسی باکرہ کو خلاف عادت دودھ اتر آیا اور وہ اس نے کسی بچے کو پلادیا تو احناف کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی لاطلاق النص ولانہ سبب النشو فتثبت بہ شبہۃ البعضیۃ

2۔ فرض کریں کہ کسی مرد یا خنثیٰ مشکل کو خلاف عادت دودھ اتر آیا اور وہ اس نے کسی بچے کو پلادیا تو احناف کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی؛ کیونکہ مرد اور خنثیٰ رضاعت کا محل نہیں۔

3۔ اگر دو بچے کسی بکری کا دودھ پی لیں تو کیا یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بن جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ بکری رضاعت کا محل نہیں اس لیے اس سے کوئی رشتہ رضاعت کا ثابت نہ ہوگا لأنه لا جزئية بين الآدمي والبهائم والحرمة باعتبارها۔ امام بخاری کے حوالے سے بیان کردہ واقعہ مستند نہیں۔

4۔ دودھ پلانے کے زمانے میں کسی عورت کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد اس کے پستانوں سے دودھ نکل آیا۔ وہاں کوئی بچہ بھوک سے بے تاب مر رہا تھا کسی نے وہ دودھ اسے پلادیا تو رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام شافعی کے نزدیک نہ ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موت کے بعد انسان کسی حکم کا مکلف اور محل نہیں رہتا، چنانچہ اگر مردہ عورت سے خدانخواستہ کوئی زنا کر لے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا حرمت رضاعت بھی ثابت نہ ہوگی۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ حرمت مصاہرت اس لیے ثابت نہ ہوگی کہ موت کے بعد عورت ماں نہیں بن سکتی جس کی وجہ سے جزئیت کی علت نہیں پائی جا سکتی۔ جبکہ رضاعت میں حکم کا دارومدار نشوونما ہے اور جس بچے کو دودھ پلایا گیا اس کی نشوونما اس دودھ سے پائی گئی اس لیے جزئیت کی وجہ سے رضاعت ثابت ہو گئی۔

رہا یہ سوال کہ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ فائدہ اس عورت کے اصول فروع سب میں ظاہر ہوگا اور خود اس عورت میں یہ ظاہر ہوگا کہ فرض کریں دودھ پینے والی لڑکی ہے جس کا کسی بالغ مرد سے نکاح کر دیا گیا تھا تو وہ اس میت کا رضائی داماد بن جائے گا اور فرض کرتے ہیں کہ

وہاں کوئی عورت غسل دینے والی نہیں ملتی تو یہی شخص اس عورت کو تیمم کرائے گا اور قبر میں اتارے گا۔

5۔بچے کو منہ یا ناک کے بجائے بذریعہ حقنہ (انیما) یا بذریعہ کان انسانی دودھ داخل کیا گیا تو رضاعت ثابت نہ ہو گی۔امام محمد کے نزدیک رضاعت ثابت ہو جائے۔وہ اسے فساد صوم پر قیاس کرتے ہیں کہ جب اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے تو رضاعت بھی ثابت ہونی چاہیے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ روزہ ٹوٹنے کا قاعدہ الگ ہے اور رضاعت کا الگ۔روزہ ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو انسانی جسم میں منافذ اصلیہ سے داخل ہو کر اصلاح بدن کا کام کرے اور انیمہ سے بھی جسم کی اصلاح ہوتی ہے کہ قبض وغیرہ دور ہوتا ہے، کان میں دوائی ڈالنے سے کان درد دور ہوتا ہے، جبکہ رضاعت کا تعلق بدن کی نشوونما سے ہے اور نشوونما اس وقت ہوتی ہے جب منہ سے غذا اندر داخل ہو، کسی اور جگہ سے غذا جانے سے نشوونما نہیں ہوتی۔

کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں۔ایک کی عمر دو سال سے کم ہے، کم عمری میں ہی اس کے والدین نے اس کا نکاح اس شخص سے کر دیا، کتاب میں اسی کو صغیرہ کہا گیا ہے، دوسری بیوی بالغہ ہے کتاب میں اس کو کبیرہ کہا گیا ہے۔اس کبیرہ نے صغیرہ کو مدت رضاعت کے اندر دودھ پلا دیا تو اس کی وجہ سے یہ دونوں بیویاں شوہر پر حرام ہو جائیں گی؛ کیونکہ جس طرح نسبی رشتوں میں جمع بین الام والبنت جائز نہیں، اسی طرح رضاعت میں بھی جمع بین الام والبنت جائز نہیں۔یہاں دودھ پلانے سے بیک وقت دونوں کے درمیاں ماں بیٹی کا رشتہ قائم ہوا اور یہ شوہر دونوں کو جمع کرنے والا بنا اس لیے نکاح باطل ہو گیا۔

لیکن یہاں کچھ سوالات ہیں؟

1۔ بیویوں کو مہر ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبیرہ کی رخصتی ہو گئی تھی تو اسے مکمل مہر ملے گا ورنہ نہیں ملے گا؛ کیونکہ خلع کی طرح تفریق کی وجہ عورت کی طرف سے پائی گئی۔ اور جب بھی تفریق کا سبب عورت بنے تو اس میں عورت مہر کی حق دار قرار نہیں ہوتی۔ جہاں تک صغیرہ کے مہر کی بات ہے تو اس کی تفریق لازما قبل الدخول ہوئی ہے اس لیے نصف مہر ملے گا۔ اور دودھ پینا اگرچہ صغیرہ کا فعل ہے لیکن اس کی نسبت کبیرہ کی طرف کی جائے گی؛ کیونکہ صغیرہ اس عمر میں احکام کی مکلف نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ اس عمر میں اپنے مورث کو قتل کر بیٹھے تو اس کی میراث سے محروم نہیں ہوتی؛ وجہ ظاہر ہے کہ وہ مکلف نہیں۔

2۔ صغیرہ کو نصف مہر ملنے کی وجہ کبیرہ کا فعل ہے تو کیا وہ اس نصف مہر کی ضامن ہوگی ، کیونکہ اگر یہ بڑی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ رخصتی سے پہلے کوئی ایسا قصور کر بیٹھتی جس کی وجہ سے وہ اس نصف مہر کی بھی حق دار نہ ہو پاتی مثلا شوہر کے بیٹے کے ساتھ (اپنے سوتیلے بیٹے سے) زنا کر بیٹھتی جس کی وجہ سے اس نصف کی بھی حقدار نہ رہتی۔

جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک کبیرہ ضامن ہوگی چاہے کبیرہ نے عمدا نکاح توڑنے کی غرض سے یہ کام کیا ہو یا بچی کی جان بچانے کے لیے کیا ہو۔ امام محمد کا قاعدہ یہ ہے کہ مباشر اور مسبب دونوں کا حکم یکساں ہے۔ جیسے مباشر بہر صورت ضامن ہوتا ہے مسبب بھی بہر صورت ضامن ہوگا۔ اس مسئلے میں کبیرہ کو مباشر مانیں یا تسبب بہر صورت اسے ضامن بننا ہے۔

ظاہر الروایہ کے مطابق قاعدہ اس طرح ہے المباشر ضامن وان لم یتعمد والمتسبب ضامن ان تعمد یعنی مباشر تو بہر صورت ضامن ہے کما قال محمد لیکن تسبب ہر صورت میں ضامن نہیں بلکہ تعمد یعنی تعدی کی صورت میں ضامن ہے۔ خلاصہ یہ کہ مسبب مباشر کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ تعمد کی صورت میں ضامن ہے ورنہ نہیں، جیسے سروس روڈ پر کنواں کھودنے والا اپنے

والد کو کنوئیں میں گرانے کے قصد سے کنواں کھودے اور والد اس میں گر کر مر جائے تو بیٹا ضامن ہوگا کیونکہ وہ مسبب ہے اور عمداً اس نے یہ کام کیا ہے لیکن اگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ ہو تو عدم تعمد کی وجہ سے وہ اس قتل کا ضامن نہ ہوگا۔

اب آتے ہیں اصل مسئلہ کی طرف۔ زیر بحث مسئلہ میں کبیرہ کی شرعی تکییف کیا ہے؟ کیا وہ مباشرہ ہے یا مسببۃ؟ جواب یہ ہے کہ مسببہ ہے مباشرہ نہیں۔ جس کو ہم دو طرح ثابت کر سکتے ہیں:

1۔ ارتضاع یعنی دودھ پلانے کی وضع بچے کی نشوونما کے لیے ہے نہ کہ فساد نکاح کے لیے۔ اس لیے دودھ پلانے کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کبیرہ نے اپنے فعل سے نکاح فاسد کیا، بلکہ یہاں اس کی وجہ سے جو فساد نکاح ہوا وہ محض ایک اتفاق ہے۔

2۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کبیرہ نے ہی یہ نکاح فاسد کیا ہے تب بھی اس کا یہ فعل اصل مسئلہ یعنی مہر لازم آنے کو مستلزم نہیں؛ کیونکہ تفریق قبل الدخول تو مہر ساقط ہونے کا سبب ہے نہ کہ مہر لازم ہونے کا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ نصف مہر لازم ہونے کا سبب بن تو رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصف مہر بطور متعہ کے واجب ہوتا ہے اس لیے اس کو مال لازم آنا نہیں کہا جاسکتا۔

ان دونوں وجوہ سے ثابت ہوا کہ کبیرہ مباشر نہیں، لہذا جب مباشر نہیں تو مسبب ہائیں گے کیونکہ نصف مہر لازم ہونے کی شرط فساد نکاح ہے اور فساد نکاح کا باعث اس کا فعل بنا ہے اس لیے اس کو صاحب شرط کہہ سکتے ہیں اور صاحب شرط مسبب ہی ہوتا ہے لہذا جب یہ مسبب ہے تو مسبب والے قاعدے کے مطابق عمداً کیا ہوگا تو ضمان آئے گا ورنہ نہیں۔

رہی یہ بات کہ تعمد میں کیا شامل ہے کیا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی متعدد صورتیں ہیں:

1۔اگر اسے یہ علم ہو کہ یہ میری سوکن ہے اور اس وجہ سے اس نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو تو تعمد ہو گا اور ضامن ہو گی۔

2۔اگر اسے معلوم ہو کہ یہ میری سوکن ہے لیکن اس نے بچی کی بھوک مٹانے یا اس کی جان بچانے کی غرض سے دود پلایا ہو تو تعدی ثابت نہ ہو گی لہذا ضامن بھی نہ ہو گی۔

3۔اسے پتا ہی نہ ہو کہ یہ میری سوکن ہے تو مطلقاً تعدی شمار نہ ہو گی لہذا ضامن نہ ہو گی۔

4۔اگر نکاح کا علم ہو لیکن یہ علم نہ ہو کہ اس سے نکاح فاسد ہو جائے گا تو بھی ضامن نہ ہو گی اس لیے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ معذور ہے۔اس پر یہ سوال ہو گا کہ دارالاسلام میں جہالت عذر نہیں۔جواب یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے شرعی حکم لاگو ہونے سے روکا نہیں جاسکتا لیکن کوئی اور چیز روکی جارہی ہو تو وہ درست ہے یہاں جہالت کی وجہ سے ہم اس سے تعمد کے الزام کو دور کر رہے ہیں۔کیونکہ تعمد ہی کی وجہ سے اس کا بے قصور ہونا ثابت ہو گا کیونکہ اگر ہم نے اس کا بے قصور ہونا ثابت نہ کیا تو خوامخواہ ضمان واجب ہو گا۔اگلا سوال یہ ہو گا کہ یہاں اس کی وجہ سے حکم میں رخصت آتو گئی کہ نصف مہر اس سے معاف ہو رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو اس سے تعمد کا الزام دور کر رہے تھے لیکن نصف مہر ضمناً ساقط ہو گیا۔ورنہ ہم اصالتاً حکم میں چھوٹ نہیں دینا چاہ رہے تھے۔

تین فقہی قاعدے:

تاکید ما کان علی شرف السقوط اتلاف۔یہ قاعدہ مسلمہ ہے لیکن اس کو دوسرے دو قاعدوں کے ساتھ ملانا ضروری ہے:ایک المباشر ضامن وان لم یتعمد دوسرا:المسبب ضامن ان تعمد

نکاح کے بعد رضاعت کا ثبوت

دو مرد وعورت کے بیچ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد ایک عورت کہتی ہے کہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ کیا اس عورت کی بات معتبر ہو گی؟ اس میں اختلاف ہے:

1۔ امام مالک کے نزدیک اگر یہ عورت ثقہ ہے تو اس ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جائے گی؛ کیونکہ حرمت رضاعت امر دینی ہے اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ امر دینی میں ایک ثقہ مسلمان کی گواہی پر فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دار الاسلام میں گوشت خریدے اور ایک ثقہ شخص گواہی دیدے کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے یا مردار کا گوشت ہے تو اس کی بات مانی جاتی ہے اور گوشت حرام قرار پاتا ہے؛ کیونکہ گوشت کا حرام ہونا امر دینی ہے۔

2۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے حرمت ایک امر دینی ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ اس سے ایک بیوی اپنے شوہر کی ملکیت سے نکل رہی ہے؛ کیونکہ محرمیت اور زوجیت جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لحاظ سے یہ دنیوی معاملہ ہے اور حقوق العباد میں سے ہے۔ اس طرح اس معاملہ میں حق اللہ اور حق العباد کا تعارض ہو گیا اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ جب بھی حق اللہ اور حق العباد میں تعارض ہو گا تو حق العباد کو ترجیح دی جائے گی اور حقوق العباد میں گواہی کا ضابطہ یہی ہے کہ وہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اس سے کم سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک مجوسی کے ذبیحہ والی مثال ہے تو وہ یہاں پیش کرنا درست نہیں؛ کیونکہ اس میں صرف امر دینی کی جہت ہے، امر دنیوی کی نہیں؛ اس لیے کہ گوشت کی حرمت اور گوشت کی ملکیت دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں، چنانچہ گوشت کا خریدار گوشت کا مالک ہی رہے گا، وہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا لیکن حرمت کی گواہی ثقہ نے دیدی اس کی وجہ سے اس کے لیے اس

کا کھانا جائز نہ ہو گا جبکہ زیر بحث مسئلہ میں حرمت رضاعت ثابت کا مطلب ہی یہ ہو گا کہ بیوی ملکیت نکاح میں نہیں ہے۔ لہذا آپ کا قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

فقہی قاعدے

1۔ مدت رضاعت جس میں رضاعت کے احکام ثابت ہوں گے دو سال ہے۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے البتہ نکاح کے معاملے میں احتیاط یہ ہے کہ ڈھائی سال کے اندر اندر دودھ پینے والے سے نکاح نہ کیا جائے۔

2۔ یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب

3۔ دودھ پینے والا بچہ اپنے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول (وان علون) اور فروع (وان سفلوا) سے نکاح نہیں کر سکتا۔

4۔ رضاعی ماں باپ اپنی رضاعی اولاد، ان کے فروع اور رضاعی بہو و داماد سے نکاح نہیں کر سکتے۔

5۔ رضاعی اولاد کے اصول اور اس کے بھائی بہن سے نکاح جائز ہے۔

6۔ رضاعی بھائی بہن کے بھائی بہن سے نکاح جائز ہے۔

7۔ رضاعت مدت رضاعت میں ثابت ہوتی ہے چاہے دودھ کم پیا ہو یا زیادہ۔

8۔ قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ «لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا أَنْبَتَ اللَّحْمَ» اسی کو فقہا نے جزئیت سے تعبیر کیا ہے۔ لہذا رضاعت منہ یا ناک کے راستے سے دودھ پینے سے ثابت ہو گی کسی اور راستے سے نہیں۔

9۔ رضاعت عورت سے ثابت ہوتی ہے چاہے وہ باکرہ یا ثیبہ، مرد کو دودھ اتر آیا تو رضاعت اس سے ثابت نہ ہو گی۔

10۔ شک سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

کتاب الطلاق

فقہائے کرام نے طلاق کے مسائل کو مختلف ذیلی مباحث میں تقسیم کیا ہے، ان تمام مباحث کو یکجا کرنے سے طلاق کی متعدد انواع واقسام سامنے آتی ہیں۔ تقسیم باعتبار طریقۂ طلاق، تقسیم باعتبار آلات طلاق، تقسیم باعتبار الفاظ طلاق، تقسیم باعتبار عدد طلاق وغیرہ۔

تقسیم باعتبار طریقۂ طلاق

طلاق دینے کا کیا طریقہ ہے؟ایک ساتھ یا الگ الگ۔اس لحاظ سے طلاق کی تین قسمیں ہیں:

نام	مفہوم	حکم
طلاق احسن	ہمبستری سے خالی طہر میں ایک طلاق دینا، پھر رجوع نہ کرنا	مستحب ہے
طلاق سنت	تین طہروں میں تین طلاقیں دے ہر طہر جماع سے خالی ہونا چاہیے	جائز ہے
طلاق بدعت	حالت حیض میں طلاق دینا یا ایک طہر میں تین اکٹھی طلاقیں دینا	سخت گناہ ہے

طلاق احسن کے افضل ہونے کی وجوہات

طلاق احسن سب سے افضل اس لیے ہے کہ ایک تو صحابہ اس طریقے کو پسند کرتے تھے دوسرا اگر مرد کو ندامت ہوگی تو وہ رجوع بھی بآسانی کر سکتا ہے تیسرا اس میں رجوع نہ کرنے کی وجہ سے عورت کو لمبی عدت نہیں گزارنی پڑتی۔وہ اس طرح کہ ایک سے زیادہ بار طلاق دینے کی صورت میں، بہت ممکن ہے کہ مرد ایک طلاق دے اور عورت عدت میں بیٹھ جائے لیکن کچھ عرصہ بعد مرد رجوع کر لے یعنی عدت بے کار! پھر کچھ عرصے بعد دوبارہ طلاق دے اور وہ پھر عدت میں بیٹھ جائے اور مرد پھر رجوع کر لے یعنی عدت پھر بے کار! اس طرح اس کی عدت لمبی ہوتی جائے گی۔جبکہ ایک طلاق دے کر جب وہ رجوع نہیں کرے گا تو بس ایک ہی بار عدت میں

بیٹھ کر بائنہ ہو جائے گی۔ چوتھی وجہ اس کے احسن ہونے کی یہ ہے کہ اس کے عدم کراہت پر تمام ائمہ متفق ہیں، جبکہ طلاق حسن کو امام مالک مکروہ مانتے ہیں۔

طلاق حسن بدعت یا سنت؟

طلاق احسن کے بعد دوسرے نمبر پر طلاق حسن افضل ہے اس کا دوسرا نام طلاق سنت بھی ہے۔ امام مالک اسے بدعت کہتے ہیں، ان پر رد کرنے کے لیے احناف اسے سنت کہتے ہیں۔ امام مالک اسے بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ طلاق اصلاً ممنوع چیز ہے صرف حاجت کے وقت مباح کی گئی ہے اور قاعدہ ہے کہ الضرورة تتقدر بقدرها اس لیے جب ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو سکتی ہے تو تین دینا بدعت اور مکروہ ہو گا۔

احناف ایک تو حدیث پیش کرتے ہیں إن من السنة أن تستقبل الطهر استقبالا فتطلقها لكل قرء تطليقة (ولہ متابعات) اور دلیل عقلی یہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے طلاق حاجت کی وجہ سے دی جاتی ہے کہ جب شوہر مزاج نہ مل پانے یا اور کسی سبب منافرت کی وجہ سے بیوی کے حقوق ادا کرنے سے خود کو عاجز پاتا ہے لیکن یہ حاجت یعنی عجز ایک امر باطنی ہے اور امر باطنی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا اور قاعدہ ہے کہ امر باطنی کو مدار حکم بنانے کے بجائے اس کی دلیل کو مدار مانا جاتا ہے۔ ولأن الحكم يدار على دليل الحاجة وهو الإقدام على الطلاق في زمان تجدد الرغبة وهو الطهر الخالي عن الجماع فالحاجة كالمتكرر نظرا إلى دليلها

زیر بحث مسئلہ میں دلیل حاجت رغبت کے زمانے میں طلاق کا اقدام کرنا ہے کیونکہ حیض کی حالت میں تو ویسے بھی انسان کو بیوی سے طبعی طور پر بعد محسوس ہوتا ہے لیکن حیض کے فوراً بعد جب طہر آتا ہے تو کئی دنوں جماع نہ کرنے کی وجہ سے جماع کی خواہش بڑھ چکی ہوتی ہے ایک ایسی شدید خواہش کے زمانے بیوی کو طلاق دینا اس کی دلیل ہے کہ وہ بیوی سے بالکل تنگ آ چکا ہے اور کسی بھی طرح اب اسے ساتھ رکھنے کے لیے تیار نہیں، اس لیے وہ پہلے صرف ایک طلاق

دے کر جائزہ لیتا ہے کہ دیکھ سکے کہ وہ بیوی کی جدائی برداشت کر سکے گا یا نہیں ؟ یہ بھی مد نظر ہوتا ہے کہ شاید اس دوران بیوی بھی سدھر جائے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اس کے بغیر رہ لوں گا اور بیوی بھی نہیں سدھر رہی ہوتی تو وہ اگلے طہر میں دوسری بار اقدام طلاق کرتا ہے حالانکہ جماع کی خواہش شدت اختیار کر چکی ہوتی ہے اس کے بعد تیسرے طہر میں جبکہ رغبت جماع جوبن پر ہونی چاہیے وہ خود پر قابو پالیتا ہے اور ایک بڑا فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں اب اس کے بغیر رہ سکتا ہوں، بیوی بھی ڈھیٹ ہے کہ سدھرنے کا نام نہیں لے رہی اس لیے بالآخر تیسری طلاق دے دیتا ہے۔ یہ پورا سیاق سباق اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ واقعی طلاق کی نہایت شدید ضرورت تھی تبھی اتنا سوچ کر اور پھونک پھونک کر دی۔

سنت فی الوقت اور سنت فی العدد

پہلے یہ سمجھ لیں کہ ایک ہے سنت فی الوقت، یعنی طلاق دینے کا سنت وقت اور دوسری چیز ہے سنت فی العدد کہ کتنی طلاقیں دینا سنت یا بہتر ہے؟ مدخولہ میں تو سنت فی العدد اور سنت فی الوقت آپ نے پڑھ لیا کہ سنت فی الوقت یہ ہے کہ طہر خالی عن الجماع میں طلاق دے اور سنت فی العدد تین ہے۔

غیر مدخولہ، آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کے لیے سنت فی الوقت

اب سنت فی الوقت کی کچھ صورتیں ملاحظہ ہوں۔ ان سب میں دارومدار رغبت جماع ہے ؛کیونکہ رغبت جماع کی حالت میں طلاق دینے کو ہی ہم نے حاجت طلاق کی دلیل مانا ہے اس لیے یہ ساری جزئیات اس پر متفرع ہوں گی اور رغبت جماع کی علت پائے جانے کی وجہ سے طلاق سنت فی الوقت مانی جائے گی:

صورتیں	حکم	دلیل
بیوی غیر مدخولہ ہو	طہر میں دے یا حیض میں، بہر صورت سنت فی الوقت ہے	دونوں حالتوں میں رغبت جماع ہوتی ہے
بیوی آئسہ یا صغیرہ ہو	جماع سے پہلے طلاق دے یا جماع کے بعد، بہر صورت سنت فی الوقت ہے	حمل کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے جماع کے بعد بھی رغبت کم نہیں ہوتی
حاملہ بیوی کو طلاق سنت دے رہا ہے	جماع سے پہلے طلاق دے یا جماع کے بعد، بہر صورت سنت فی الوقت ہے	ایک تو حاملہ سے قدرتی طور پر محبت بڑھ جاتی ہے، دوسرا نئے علوق کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے بھی رغبت بڑھ جاتی ہے

امام زفر رحمہ اللہ آئسہ اور صغیرہ کے لیے سنت فی الوقت یہ قرار دیتے ہیں کہ ایک بار جماع کے بعد کم از کم ایک مہینے کا فاصلہ دے اس کے بعد طلاق دے کیونکہ فاصلہ ضروری ہے، جب ذوات الحیض میں ایک حیض کا فاصلہ ہے تو ان کو تو حیض نہیں آتا تو مہینے کو قائم مقام حیض بنا دیں گے، دوسرا ایک ماہ بعد رغبت بڑھ جائے گی، اس وقت طلاق دے گا تو دلیل حاجت بنے گا۔

بقیہ ائمہ احناف یہ فرماتے ہیں کہ ذوات الحیض میں حمل کا خوف رہتا ہے اگر حمل ٹھیر گیا تو عدت لمبی ہو جائے گی، حمل نہ ٹھیرا تو عدت تین حیض ہو گی، جبکہ آئسہ وصغیرہ میں ایسا کوئی امکان نہیں، دوسرا حمل کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے جماع کے بعد بھی رغبت کم نہیں ہوتی، ان دونوں وجوہ کی بنا پر ان دو کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔

غیر مدخولہ، آئسہ اور صغیرہ کے لیے سنت فی العدد

مدخول بہا کی طرح بقیہ اقسام میں بھی سنت فی العدد یہی ہے کہ ایک طلاق دے پھر نہ دے بلکہ عدت گزرنے دے، یا تین الگ الگ اطہار میں تین دے، اکٹھی دو یا تین نہ دے کہ یہ گناہ ہے، تاہم غیر مدخول بہا کو ایک ہی دینا سنت فی العدد ہے، ایک سے زائد دینا گناہ ہے؛ کیونکہ اسے ایک سے زائد دینے کی ضرورت ہے نہ ہی جائز۔ بیوی آئسہ یا صغیرہ ہو تو اس کو سنت فی العدد طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مہینے میں ایک طلاق دے؛ کیونکہ اس کے لیے مہینا ہی قائم مقام حیض وطہر ہے، لہذا اس کے لیے تین ماہ گزرنا ایسے شمار ہو گا جیسے تین حیض گزر گئے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ (الطلاق:4) إِلَى أَنْ قَالَ: وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ (الطلاق:4)

یہاں امام شافعی استدلال کر سکتے ہیں کہ آئسہ اور صغیرہ کی عدت تین ماہ بننا اس بات کی دلیل ہے کہ ثلثة قروء میں قروء سے مراد طہر ہے، حیض نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں آئسہ اور صغیرہ کے لیے مہینے گزرنا دراصل تین حیض گزرنے کے قائم مقام ہے تین طہر کے نہیں، یہی وجہ ہے کہ استبراء جو کہ بالاتفاق حیض سے گزرتا ہے آئسہ کا مہینے ہی سے ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مہینا اس کے لیے قائم مقام حیض ہے نہ کہ قائم مقام طہر۔ اس لیے امام شافعی تین ماہ کو لے کر اپنے مسلک کی دلیل نہیں بنا سکتے۔

حاملہ کے لیے سنت فی العدد

بیوی حاملہ ہو تو اس کو سنت فی العدد دینے کا کیا طریقہ ہے؟

اس میں اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک ایک ہی طلاق دے؛ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔ تین طہر جس کے بیچ میں کامل حیض آئے یہ اس کے لیے فی الحال حمل کی وجہ سے ممکن نہیں۔ اور تین مہینوں کو قائم مقام نہیں بنا سکتے؛ کیونکہ یہ ذوات الحیض میں سے ہے، آئسہ یا صغیرہ نہیں، اس لیے آئسہ کا حکم ذوات الحیض پر کیسے منطبق کر سکتے ہیں؟ ہاں یہ ممتدة

الطہر کی طرح طویل طہر والی ہے اس لیے ممتدۃ الطہر کی طرح اس کے لیے بھی سنت فی العدد ایک طلاق ہوگی۔ ویسے بھی طلاق میں اصل منع ہے اس لیے ایک سے زیادہ دینے کی ضرورت نہیں۔

شیخین کے نزدیک حاملہ کے لیے سنت فی العدد تین مہینے ہیں اور وہ اس طرح کہ ہم نے اصل علت تجدد رغبت کو مانا ہے اور مہینا ایک ایسا مناسب زمانہ ہے کہ اس کے بعد ہر سلیم الطبع مرد کو جماع کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ آئسہ اور صغیرہ کے معاملے میں غور کیا جائے تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے تین ماہ کو اسی لیے فصول عدت بنایا ہے کہ ہر ماہ قائم مقام حیض وطہر ہے۔ اس طرح ان کے لیے تین ماہ گزرنا ایسے ہے جیسے ذوات الحیض کی صورت میں تین حیض وطہر گزرنا۔

امام محمد کی دلیل اچھی ہے لیکن وہ احناف کی تخریج سے ہٹ رہے ہیں۔ اور انہوں نے ممتدۃ الطہر پر جو قیاس کیا ہے تو بظاہر تو بہت اعلیٰ قیاس ہے لیکن دیکھا جائے تو حاملہ اور ممتدۃ الطہر میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ حاملہ کو زمانہ حمل میں حیض آنا ممکن نہیں جبکہ ممتدۃ الطہر کو ہر وقت حیض آنے کا امکان موجود ہے۔ فافترقا

اکٹھی تین طلاق بدعت یا جائز؟

سمجھ دار شوہر یا تو ایک طلاق دیتا ہے یا سوچ بچار کر کے پھونک پھونک کر تین طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دیتا ہے، لیکن کوئی شوہر نادانی میں اکٹھی تین طلاقیں دے دے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مباح اور جائز ہے، گناہ کی بات نہیں؛ کیونکہ جب حاجت کی بنا پر طلاق دے ہی رہا ہے تو ایک دے یا تین، بات تو ایک ہی ہے۔ چھٹکارا پانا مقصد ہے سو ایک بار ہی پالیا۔ تڑپانے اور رورو کر دینے کی کیا ضرورت؟ اور ویسے بھی جو چیز شرعاً مشروع اور جائز ہو وہ ممنوع کیسے ہو سکتی ہے؟ جب حاجت کی بنا پر طلاق مشروع ہے تو اس کی کوئی صورت غیر مشروع نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حالت حیض میں طلاق تو آپ کے نزدیک بھی غیر مشروع ہے تو

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی کراہت کی وجہ طلاق دینا نہیں ہے بلکہ عورت کو اس کی وجہ سے پہنچنے والا ضرر ہے کہ اس کی عدت پانچ دس دن لمبی ہو جاتی ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ نکاح جیسی عظیم نعمت جس کے دینی و دنیوی ہر طرح کے فائدے ہی فائدے ہیں، اس کو بلا ضرورت ختم کرنا اللہ کے عرش کو تھر تھرا دینے والا فعل ہے۔ یہ اسی وقت جائز ہے جب ضرورت ہو اور ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے اس لیے ایسی خطرناک چیز دو یا تین بار اکٹھی دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ یہی بات امام مالک نے فرمائی تھی لیکن آپ نے کہا کہ تین طہروں میں تین متفرق طلاقیں دینا سنت ہے، تب یہ دلیل کہاں چلی گئی تھی؟ جواب یہ ہے کہ وہ الگ صورت ہے یہ الگ صورت! تین طہروں میں الگ الگ تین بار اقدام طلاق وہ بھی اس نازک حالت میں کہ جب جماع کی رغبت شدید بڑھ چکی ہے، حاجت کی قوی اور مضبوط دلیل ہے اس وجہ سے وہاں تین طلاق متفرقا دینا جائز بلکہ اس کے ذہانت اور دور اندیشی کی بنا پر حسن ہوا۔ جبکہ تین طلاقیں بیک وقت دینا یا ایک طہر میں دینا محض جذباتیت اور غصے پر مبنی عمل ہے، ضرورت پر مبنی عمل نہیں۔ ایک اور اشکال ہو سکتا ہے کہ دلیل حاجت کو حاجت کے قائم مقام اس وقت مانا جاتا ہے جب وہ حاجت وہاں متصور اور ممکن بھی ہو جبکہ یہاں پہلی بار طلاق دینے کے بعد بظاہر حاجت متصور ہی نہیں کیونکہ عورت پہلی طلاق ہی سے نکاح سے نکل چکی ہے۔ جواب واضح ہے کہ پہلی طلاق کے بعد عورت نکاح سے نہیں نکلتی ،اسی لیے وہ عدت کے آخری دن تک طلاق کا محل رہتی ہے لہٰذا جب طلاق کی محل ہے تو حاجت بھی فی نفسہ باقی ہے۔ دوسرا یہ کہ دلیل حاجت کی جو تقریر ہم نے اوپر کی اس کے بعد بات کلیئر ہو جاتی ہے کہ وہ دوسری اور تیسری طلاق کس مصلحت اور ضرورت کے تحت دے رہا ہے؟

اب ایک بات کا جواب ہمارے ذمہ رہ گیا وہ ہے امام شافعی کی اس بات کا جواب کہ مشروع چیز غیر مشروع نہیں ہو سکتی، اس کا جواب یہ ہے کہ حیثیت کا فرق ہے۔ جیسے مغصوبہ زمین میں

نماز جائز بھی ہے اور منع بھی؛ نماز اپنی ذات میں ایک جائز عمل ہے لیکن ایک خارجی عامل کی بنا پر کراہت آگئی کہ مغصوبہ زمین میں پڑھی گئی۔ اسی طرح طلاق کی جب ضرورت پیش آجائے تو اپنی ذات کے لحاظ سے طلاق جائز ہے لیکن خارجی عوامل کی بنا پر کراہت آسکتی ہے جیسے منافع نکاح سے دستبرداری،بدنامی وغیرہ،دلچسپ بات یہ ہے کہ خود حدیث میں نبی کریم ﷺ نے طلاق کی ان دونوں حیثیتوں کی بنا پر اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے یعنی مباح بھی ہے اور ناپسندیدہ بھی۔ظاہر ہے حیثیت کا فرق ملحوظ ہے۔

اہم جزئیات

1۔ طلاق طہر کے شروع میں دے یا آخر میں؟

طہر کے شروع میں طلاق دے یا آخر؟اس میں دونوں ہی قول ہیں:ایک قول یہ ہے کہ آخر میں طلاق دے؛تا کہ عدت کی مدت کم بنے۔ لیکن دوسرا قول اظہر ہے کہ شروع میں ہی طلاق دے دے؛کیونکہ آخر کے انتظار میں ممکن ہے کہ جماع کر بیٹھے اور خالی عن الجماع طہر میں طلاق دینے کے بجائے جماع والے طہر میں طلاق دے کر طلاق بدعت کا ارتکاب کر بیٹھے۔ابن الہمام پہلے قول کو پسند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْأَوَّلَ أَقَلُّ ضَرَرًا فَكَانَ أَوْلَى وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

2۔ رجعی کے بجائے بائن طلاق دینا:

طلاق احسن یا حسن دیتے ہوئے اگر شوہر بجائے طلاق رجعی دینے کے طلاق بائن کے الفاظ استعمال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟زیادات کی روایت کے مطابق فوری جدائی کی غرض سے ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے جبکہ ظاہر الروایت یہ ہے کہ خلاف سنت ہے؛کیونکہ طلاق رجعی کی سہولیات سے محروم ہو رہا ہے۔

شرعی عذر میں طلاق کے احکام

حالت حیض میں طلاق دینا بھی طلاق بدعت ہے۔ اگر کوئی دیدے تو طلاق ہو جائے گی لیکن اس پر واجب ہے کہ اس طلاق سے رجوع کر لے لقوله عليه الصلاة والسلام لعمر مر ابنك فليراجعها وقد طلقها في حالة الحيض۔ ایک قول استحباب کا بھی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ رجوع کرنا واجب ہے۔ ثم الاستحباب قول بعض المشائخ والأصح أنه واجب عملا بحقيقة الأمر ورفعا للمعصية بالقدر الممكن برفع أثره وهو العدة ودفعا لضرر تطويل العدة

اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہے تو متصل طہر میں طلاق دے یا اس اگلے طہر میں؟

اس میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے متصل طہر میں طلاق نہ دے بلکہ اس کے بعد والے طہر میں طلاق دے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا متفق علیہ قول ہے۔ البتہ امام صاحب کی ایک روایت ہے کہ متصل طہر میں طلاق دے سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اس کو امام صاحب کا قول کہا ہے لیکن ابن الہمام کے مطابق یہ امام صاحب کی روایت ہے قول نہیں۔

صحیح قول کی وجہ یہ ہے کہ طلاق سنت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ کامل حیض کے بعد طلاق دے، جبکہ یہاں کامل حیض کے بعد طلاق نہیں دی جا رہی بلکہ ناقص حیض کے بعد طلاق دی جا رہی ہے؛ کیونکہ حیض میں طلاق دے چکا تھا اس دوران جتنا عرصہ طلاق کی حالت میں گزرا اس کی وجہ سے حیض کا وہ بعض حصہ طلاق والا ہو گیا۔ اس کے بعد اگرچہ رجوع کر لیا لیکن اس کا اثر ختم نہیں ہوا کیونکہ طلاق کی گنتی میں ایک عدد کم تو ہو ہی گیا۔ اور ہم یہاں ایسا بھی نہیں کر سکتے کہ جتنا حصہ طلاق والا گزرا ہے اس کی تلافی اگلے حیض سے کر دیں؛ کیونکہ اس میں تجزی ممکن نہیں۔ اس لیے کامل حیض اگلے والا ہی کہلائے گا، چنانچہ جب یہ اگلا حیض گر جائے گا تو دو طہروں کے بیچ کامل حیض واقع ہو رہا ہو گا اور شرط پوری ہو جائے گی۔ روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب رجوع

کرلیاتو اس کا اثر ختم ہو گیا اس لیے ہم کہیں گے کہ کامل حیض کے بعد طلاق دی ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دلیل کتنی ضعیف ہے۔

طلاق سنت کی حیرت انگیز صورت، خودکار طلاق

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو سنت طلاق دینا چاہے لیکن ساتھ میں ہر ماہ طلاق کے الفاظ کہنے کی جھنجھٹ سے بچنا بھی چاہے یعنی وہ چاہتا ہو کہ ایک ہی بار ایسا لفظ کہہ دے کہ ہر طہر میں خود بخود طلاقیں پڑتی جائیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دے انت طالق ثلثا للسنۃ یا انت طالق للسنۃ۔ دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں لفظ "ثلثا" ہے دوسرے میں نہیں۔ ایسا کہنے سے ٹائم بم کی طرح ہر طہر کے شروع میں خود بخود اسے طلاق پڑتی جائے گی؛ کیونکہ ان الفاظ میں لام کلمۂ توقیت ہے طلاق کے سنت وقت کے معنی میں ہے اس لیے خود بخود سنت وقت میں طلاق ہوتی چلی جائے گی۔

البتہ اگر کہنے والا کسی اور معنی کی نیت کرے مثلاً پہلے جملے میں اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کرے یا ہر ماہ کے شروع میں طلاق واقع ہونے کی نیت کرلے تو کر سکتا ہے؛ کیونکہ جملہ میں ان کا احتمال بھی کسی درجے میں موجود ہے۔ البتہ دوسرے جملے انت طالق للسنۃ میں اکٹھی تین طلاق کی نیت نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس میں ثلثا کا لفظ موجود نہیں بلکہ صرف للسنۃ کا لفظ ہے اور ظاہر ہے سنت وقت تین الگ الگ طہر ہے اس لیے لازماً طلاق بھی تین الگ الگ طہروں ہی میں ہو سکتی ہے جبکہ انت طالق ثلثا للسنۃ میں ثلثا کا لفظ موجود ہے جس کی وجہ سے وہاں اکٹھی تین کی نیت کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ سنت اور بدعت باہم متضاد حقیقتیں ہیں، اس لیے انت طالق ثلثا للسنۃ یا انت طالق للسنۃ میں کس طرح بدعت کی نیت کی جا سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس لفظ کے بارے میں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ طلاق کا وقوع سنت سے ثابت ہے اس

لحاظ سے میں نے للسنۃ کہا ہے۔ سنت طریقے سے واقع کرنا میری مراد میں شامل نہ تھا۔ ہاں! متن والی صورت میں جبکہ اس نے یہ لفظ مطلق کہا اور کسی طرح کی نیت نہیں کی تو اکٹھی تین ہرگز واقع نہ ہوں گی۔ وقال زفر رحمہ اللہ لا تصح نیۃ الجمع لأنہ بدعۃ وھی ضد السنۃ ولنا أنہ محتمل لفظہ لأنہ سنی وقوعا من حیث أن وقوعہ بالسنۃ لا إیقاعا فلم یتناولہ مطلق کلامہ وینتظم عند نیتہ

وقوع طلاق کے اصول

طلاق دینے والا ذیل کی شرائط کا بیک وقت حامل ہو تو بیوی کو طلاق ہوتی ہے، ان میں سے ایک شرط بھی کم ہو گی تو طلاق نہ ہو گی، ان میں سے کچھ شرائط وجودی ہیں کچھ عدمی۔

شرائط وجودیہ

1۔ طلاق کے الفاظ سے طلاق دے:

طلاق کی نہایت اہم شرط یہ ہے کہ طلاق کے لیے جو الفاظ شریعت نے مقرر کیے ہیں ان میں سے کسی لفظ سے طلاق دے، ان کے علاوہ کسی لفظ سے طلاق دے گا تو طلاق ہی نہ ہو گی۔ الفاظ طلاق کی مکمل بحث ان شاء اللہ! آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

2۔ طلاق کا تلفظ:

طلاق کی بنیادی شرط یہ ہے کہ شوہر اگر زبان سے بولنے پر قدرت رکھتا ہے تو طلاق کے الفاظ زبان سے ادا کرے یا کم از کم طلاق کے الفاظ اتنی آواز سے بولے کہ خود سن سکے۔ لکھ کر طلاق دے رہا ہے تو کسی چیز پر طلاق کے الفاظ اس طرح لکھے کہ الفاظ نظر بھی آئیں۔ البتہ گونگا ہے تو اس کا اشارہ تلفظ کے قائم مقام ہو گا۔ اس کے بغیر طلاق نہیں ہو گی۔

3۔ شوہر یا اس کا وکیل طلاق دے:

ایک شرط یہ ہے کہ طلاق خود شوہر دے یا اس کا وکیل اس کے حکم سے طلاق دے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی طلاق، اجنبی کی طلاق ہے۔ جس کا شرعا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ شوہر کا باپ اگر بہو کو طلاق دے تو اس سے بھی طلاق نہیں ہوگی۔

4۔ بلوغت:

شوہر یا اس کے وکیل طلاق کا بالغ ہونا بھی شرط ہے۔ نابالغ کی طلاق کا شرعا اعتبار نہیں۔ الا یہ کہ نابالغ شوہر مقطوع الذکر ہو یا پاگل ہو تو نابالغ ہونے کے باوجود زوجین کے بیچ کورٹ کے فیصلے سے علیحدگی جائز ہے۔ اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ وقوع طلاق میں رکاوٹ نہیں۔

5۔ بیداری:

طلاق واقع ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ شوہر بیداری کی حالت میں طلاق دے لہذا خواب میں دی گئی طلاق معتبر نہیں، سونے کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

6۔ عقل:

شوہر یا اس کا وکیل، طلاق دیتے وقت عاقل ہو، لہذا پاگل کی طلاق شرعا معتبر نہیں کیونکہ ان کو عقل نہیں ہوتی۔ بے ہوش کی طلاق بھی نہیں ہوتی۔ نشہ کی حالت میں انسان کے اندر عقل و سمجھ نہیں ہوتی اس لیے قیاس کی رو سے طلاق نہیں ہونی چاہیے اور یہی امام کرخی اور امام طحاوی کا مسلک بھی ہے، لیکن کیونکہ نشہ کی حالت طاری کرنا خود اس کا ذاتی فعل ہے نیز گناہ بھی ہے اس لیے اکثر اہل فتویٰ یہی کہتے ہیں کہ سیاستاً طلاق ہو جائے گی۔

البتہ علاج کے طور پر استعمال کی جانے والی دوائی سے نشہ آگیا تو طلاق نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر نشہ پر خود راضی نہ ہو بلکہ زبردستی کسی نے نشہ کروایا ہو اور ایسے نشہ کی حالت میں طلاق دی ہو تو

بھی طلاق نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر نشہ اپنے اختیار سے کیا لیکن اس سے سر درد ہو اور شدید سر درد کی وجہ سے عقل زائل ہو گئی اور اس حالت میں طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ سر درد معصیت نہیں، نیز وہ قدرتی آفت ہے۔

سفیہ یعنی بے وقوف کی طلاق ہو جائے گی البتہ معتوہ کی طلاق نہ ہوگی۔ سفیہ کو عقل ہوتی ہے جبکہ معتوہ کو عقل نہیں ہوتی۔

7۔ نکاح، عدت یا اضافت الی النکاح:

طلاق ہونے کی ایک شرط نکاح، طلاق کی عدت یا اضافت الی النکاح ہونا بھی ہے۔ یعنی طلاق منکوحہ کو دی جائے یا طلاق کی عدت کے دوران طلاق دی جائے یا نکاح نہ ہوا ہو تو نکاح کی طرف نسبت کر کے طلاق دی جائے۔ لہذا جو عورت نہ نکاح میں ہے نہ طلاق کی عدت میں ہے نہ اس کی طرف نکاح کی نسبت کی ہے اس کو طلاق دیدی تو طلاق نہیں ہوگی۔ ایسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

8۔ لفظ طلاق ہونے کا علم:

طلاق کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ طلاق دینے والا جانتا بھی ہو کہ ان الفاظ سے بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر شوہر کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ ان الفاظ سے طلاق ہوتی ہے اور اس نے وہ الفاظ کہے یا اس سے کہلوائے گئے تو طلاق نہ ہوگی۔ مثلاً: شوہر عربی سے ناواقف ہے اور بیوی واقف، بیوی طلاق حاصل کرنے کا حیلہ اختیار کرتے ہوئے شوہر سے کہتی ہے کہ یہ وظیفہ تین مرتبہ کہنے سے فلاں فلاں کام حل ہو جاتے ہیں تم یہ وظیفہ پڑھو: انت طالق ثلثا۔ اس صورت میں شوہر اگر واقعی ان الفاظ کے معنی نہ جانتا ہو تو یہ الفاظ کہنے سے اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔

۹۔ طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کی جائے:

طلاق واقع ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ الفاظ طلاق میں سے کوئی لفظ بیوی کی طرف منسوب کر کے ادا کیے جائیں تاہم واضح رہے کہ یہ نسبت لفظوں میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ اضافہ معنویہ بھی کافی ہے۔ بیوی کو خطاب کرتے ہوئے صرف لفظ طلاق کہنا یا اس کی طرف اشارہ کر کے لفظ طلاق کہنا، اسی طرح سیاق وسباق اور قرائن یہ سب باتیں بھی اضافت معنویہ ہیں۔

لہٰذا اگر بیوی کا نام ثمینہ ہو اور نسبت نعیمہ کی طرف کر کے الفاظ ادا کیے تو ثمینہ کو طلاق نہ ہوگی۔ اس لیے طلاق کی اضافت، بیوی کی طرف نہیں کی۔ بیوی کا نام ثمینہ بنت حامد ہے۔ شوہر نے ثمینہ بنت عبداللہ کے الفاظ سے طلاق دی تو بھی طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ بیوی کے والد کا نام صحیح نہیں لیا۔ بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے صرف لفظ طلاق کہا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ خطاب اضافت معنویہ کا قرینہ ہے۔ اس صورت میں بیوی کا نام لینا ضروری نہیں۔ اگر بیوی کا نام زینب ہے اور طلاق دیتے ہوئے بھی زینب کا لفظ کہا لیکن نیت کسی اور زینب کو طلاق دینے کی جو اجنبیہ ہے تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔

10۔ لفظ طلاق ادا کرنے کا یقین ہو:

طلاق واقع ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ الفاظ طلاق میں سے کوئی لفظ یقینی طور پر ادا کیا ہو۔ شک سے طلاق نہیں ہوتی۔ لہٰذا وسوسہ یا شک ہو جائے کہ طلاق دی ہے یا نہیں تو طلاق نہیں ہوگی۔ اگر طلاق کی صفت میں شک ہو جائے کہ رجعی دی ہے یا بائن تو رجعی طلاق ہوگی ۔اسی طرح تعداد طلاق میں شک ہو جائے کہ دو دی تھیں یا تین تو کم طلاقیں واقع ہوں گی۔

شرائط عدمیہ

1۔ اخبار یا تفہیم کے لیے الفاظ ادا نہ کیے جائیں:

وقوعِ طلاق کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ انشاءِ طلاق مقصود ہو، یعنی فی الحال طلاق دینے کے لیے طلاق کے الفاظ استعمال کیے ہوں، گزشتہ طلاق کی خبر دینے کے لیے یا واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ادا نہ کیے جائیں جیسے پہلے ایک طلاق دی ہو اب اسی طلاق کی اطلاع کسی کو دے رہا ہے یا بتا رہا ہے تو طلاق نہ ہو گی، ہاں! اگر طلاق کی جھوٹی خبر دے رہا ہو تو طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ الفاظ طلاق مسئلہ سمجھنے سمجھانے کے طور پر ادا نہ کیے جائیں۔ لہذا طلاق کا مسئلہ سمجھاتے ہوئے استاذ بیوی کو طلاق دینے کے الفاظ کہے یا کوئی شخص مسئلہ پوچھنے کے لیے طلاق کی نوعیت بتاتے ہوئے طلاق کے الفاظ بول دے تو طلاق نہ ہو گی۔

2۔ مستقبل کے الفاظ سے طلاق نہ دے:

جس طرح نکاح کے لیے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ماضی یا حال کے الفاظ سے کیا جائے، مستقبل کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوتا اسی طرح طلاق کے لیے بھی ضروری ہے کہ ماضی یا حال کے صیغے ادا کرے، مستقبل کے صیغے سے طلاق نہ ہو گی۔ چنانچہ طلاق دی۔ ماضی کے الفاظ ہیں۔ اس سے طلاق ہو جائے گی۔ طلاق دیتا ہوں۔ حال کا صیغہ ہے اس سے بھی طلاق ہو جائے گی۔ الا یہ کہ لہجہ دھمکی آمیز ہو تو طلاق کی دھمکی ہو گی طلاق نہ ہو گی۔ یہی حکم "طلاق دے رہا ہوں" کا بھی ہے۔ طلاق دے دوں گا۔ مستقبل کا لفظ ہے، ان الفاظ سے طلاق نہیں ہو گی بلکہ یہ طلاق کی دھمکی شمار ہو گی۔

3۔ متصلا ان شاء اللہ نہ کہا ہو:

طلاق واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ طلاق کے فورا بعد ان شاءاللہ نہ کہا ہو، کیونکہ اگر ساتھ ہی ان شاء اللہ بھی کہہ دیا تو اس سے بھی طلاق نہ ہو گی۔ لہٰذا اگر کسی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جا رہا ہو اور وہ جان چھڑانے کے لیے طلاق کے الفاظ بول کر اتنی آہستہ آواز سے ان شاء اللہ کہہ دے جس کی آواز صرف اس کے کانوں کو آجائے تو طلاق نہ ہو گی۔ طلاق کے کاغذات پر زبردستی دستخط کروائے جا رہے ہوں اور شوہر جان چھڑانے کے لیے دستخط کرتے ہوئے اتنی آہستہ آواز سے ان شاء اللہ کہہ دے جس کی آواز صرف اس کے کانوں کو آجائے تو طلاق نہ ہو گی۔ البتہ اگر ان شاء اللہ فورا نہیں کہا بلکہ کچھ دیر بعد کہا تو طلاق ہو جائے گی۔

مکرہ کی طلاق کا حکم

امام شافعی کے نزدیک مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کے لیے اختیار شرط ہے مکرہ کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہوتا وہ مجبوری میں طلاق دیتا ہے اس لیے طلاق نہ ہو گی۔ ہاں ہازل کی طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ وہ اپنے اختیار سے طلاق دیتا ہے۔

احناف کے نزدیک مکرہ یعنی زبردستی کر کے کسی سے طلاق لی جائے اور شوہر مرعوب ہو کر زبانی طلاق دیدے تو طلاق ہو جائے گی۔ یہ کہنا کہ مکرہ کو اختیار نہیں ہوتا درست نہیں؛ کیونکہ وہ اھون الشرین کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اختیار سے طلاق دے رہا ہوتا ہے۔ وہ وقت کی ضرورت کو دیکھتا ہے اور کامن سینس کو استعمال کر کے جان اور بیوی میں سے جان بچانے کو ترجیح دیتا ہے ہاں وہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہوتا یعنی یہ چاہتا ہے کہ طلاق نہ ہو لیکن ظاہر ہے جب اختیار سے طلاق دیدی تو طلاق تو ہونی ہی ہے جیسے ہازل بھی یہی چاہتا ہے کہ طلاق نہ ہو لیکن اس کی طلاق کو آپ بھی مانتے ہیں؛ کیونکہ وہ اپنے اختیار سے طلاق کا تلفظ کر چکا ہوتا ہے۔

یہ حکم زبانی طور پر زبردستی طلاق دینے کا ہے۔ زبردستی طلاق اگر تحریری طور پر لی گئی ہو تو اکراہ ملجی (جان سے مارنے یا عضو تلف کرنے کی دھمکی) کی صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ (اقرار طلاق اس قسم کے اکراہ سے ہو تو اس سے بھی طلاق نہیں ہوتی) اکراہ غیر ملجی کی صورت میں طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ دارالعلوم کراچی کا فتوی یہ ہے کہ طلاق نہ ہوگی۔ مفتی عبدالواحد مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے۔

کس کی طلاق واقع ہے کس کی نہیں؟

صورتیں	حکم
مجنون کی طلاق	واقع نہیں ہوتی؛ کیونکہ مکلف نہیں
معتوہ کی طلاق	واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ وہ بچے کی طرح ہے
سفیہ کی طلاق	واقع ہے؛ کیونکہ اسے عقل ہے گو بے وقوف ہے
نابالغ کی طلاق	واقع نہیں ہوتی؛ کیونکہ مکلف نہیں
نائم کی طلاق	واقع نہیں ہوتی؛ کیونکہ مکلف نہیں
بے ہوش کی طلاق	واقع نہیں ہوتی؛ کیونکہ فی الحال وہ نائم کی طرح ہے
مکرہ کی طلاق باللسان	طلاق باللسان واقع ہو جائے گی؛ والوجہ سیاتی
مکرہ کی طلاق بالکتابۃ	طلاق نہ ہوگی چاہے اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی
نشہ میں طلاق	امام کرخی اور امام طحاوی کے نزدیک واقع نہیں، اکثر کے نزدیک سیاستاً واقع ہے
مذاق میں طلاق	واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ اپنے اختیار سے دی ہے
گونگے کی طلاق	لکھنا آتا ہو تو لکھے ورنہ اشارہ سے طلاق ہوگی۔
اجنبی کی طلاق	شوہر یا اس کے وکیل طلاق کے علاوہ کوئی اجنبی طلاق دے تو واقع نہ ہوگی

غصہ میں طلاق	ہو جائے گی؛ طلاق غصے ہی میں دی جاتی ہے
لاعلم کی طلاق	شوہر کو معلوم نہ ہو کہ یہ طلاق کا لفظ ہے تو طلاق نہ ہوگی
وسواسی کی طلاق	واقع نہ ہوگی
طلاق الناسی	واقع نہ ہوگی دیانتا
طلاق الغافل	واقع نہ ہوگی دیانتا
مخطئ طلاق	واقع نہ ہوگی دیانتا
حاملہ کو طلاق	واقع ہو جائے گی
حائضہ کو طلاق	واقع ہو جائے گی
بغیر گواہوں کے طلاق	واقع ہو جائے گی
گونگے کی طلاق	لکھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ سے طلاق معتبر ہے
عورت کی طلاق	جب تک شوہر نے طلاق تفویض نہ کی ہو طلاق نہ ہوگی

الفاظ طلاق کے اصول

طلاق کے الفاظ تین طرح کے ہیں:

1۔ صریح

2۔ ملحق بالصریح (یعنی صریح کے قائم مقام)

3۔ کنائی۔

لفظ طلاق سے طلاق دینا صریح ہے۔ لفظ طلاق کے بجائے کوئی ایسا لفظ ادا کرنا جو اس معاشرے کے عرف میں طلاق ہی کے لیے بولا جائے صریح کے قائم مقام ہے جبکہ کنائی وہ الفاظ ہیں جس میں طلاق کا بھی احتمال ہو اور دیگر احتمالات بھی ہوں۔

طلاق رجعی کے الفاظ

طلاق دی۔ تو طلاق ہے۔ طلاق دیتا ہوں۔ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے۔ یہ کام نہ کر ورنہ طلاق ہو جائے گی۔ (اگر بیوی وہ کام کرلے گی تو طلاق رجعی پڑ جائے گی) فلاں کام کیا تو طلاق پڑ جائے گی۔ (پھر وہ کام کرلیا) تو اگر اپنے بھائی کے گھر گئی تو تجھے طلاق۔ (اگر بیوی چلی جائے گی تو طلاق رجعی پڑ جائے گی)۔ اب ہدایہ میں بیان کردہ الفاظ کی فہرست ملاحظہ فرمائیے!

مسائل کا چارٹ

الفاظ	حکم
طالق مطلقۃ طلقتك	ایک طلاق رجعی بغیر نیت بھی واقع ہو جائے گی، البتہ تین کی نیت لغو ہے (زنجیر سے نکلنے کی نیت دیانتاً معتبر ہے قضاءً نہیں، عمل سے آزاد کرنے کی نیت دیانتاً معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں قول ہیں)
انت مطلقۃ بسکون الطاء	نیت طلاق ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔
انت الطلاق طالق الطلاق طالق طلاقاً	مذکورہ بالا احکام جاری ہوں گے البتہ مصدر کی وجہ سے تین کی نیت معتبر ہے، دو کی نہیں۔
طلاق کی نسبت عورت کے کل یا جزو مشترک کی طرف	جیسے: ثلثك طالق، نصفك طالق، طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ الفاظ بول کر کل مراد لینا معروف ہے، یہاں بھی کل مراد ہوگا
طلاق کی نسبت جزو معین کی طرف، جیسے یدك طالق	طلاق نہیں ہوگی، عند زفر والشافعی ہو جائے گی وہ اسے جزو شائع پر قیاس کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جزو شائع بول کر کل مراد ہوتا ہے لیکن جزو معین بول کر کل مراد نہیں لیا جاتا

نصف طلاق یا ثلث طلاق دے	طلاق ہو جائے گی؟ کیونکہ جب بیع المشاع کر سکتے ہیں تو طلاق المشاع بھی درست ہے البتہ طلاق میں تجزی ممکن نہیں اس لیے طلاق کل میں پھیل جائے گی

طالق، مطلقہ، طلقتک میں تین کی نیت

احناف کے نزدیک تین کی نیت درست نہیں، امام شافعی اور جمہور کے نزدیک درست ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ یہ مشتقات ہیں، مشتقات میں مصدر موجود ہوتا ہے اور مصدر موجود ہو تو احناف بھی اس میں تین کی نیت معتبر مانتے ہیں۔ جیسے عالم کے اندر علم موجود ہے۔ اس میں مصدر موجود ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی تمیز میں ثلثا واقع ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے ثلثا کے بغیر اس میں ابہام اور احتمال رہتا ہے، ثلثا اس کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے لہذا جب تین کا احتمال پایا گیا تو تین کی نیت کرنے سے تینوں ہو جائیں گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں صیغے واحد کے ہیں اسی وجہ سے اس کی تثنیہ طالقان اور جمع طوالق آتی ہے لہذا جب یہ واحد ہے تو واحد کا صیغہ بول کر جمع مراد لینا جمع بین الضدین ہو گا جو درست نہیں۔ امام شافعی کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے اس میں مصدر موجود ہے جس کو آپ نے مرد کی صفت بنایا لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ عورت کی صفت ہو، چنانچہ مرد کے ایک بار ایسا لفظ کہنے سے عورت کے اندر انطلاق کی صفت پیدا ہو گئی کہ وہ شوہر کے نکاح کے بندھن سے آزاد ہو گئی، لہذا جب لفظ کے معنی مکمل ہو گئے تو اسے مرد کی صفت بنانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ویسے بھی مرد اس عورت کا مالک ہے اور ملکیت سے نکلنے کے لیے مضبوط دلیل چاہیے جو ان احتمالات کی موجودی میں نہیں پائی جا رہی۔ دوسری بات یہ کہ ثلثا کو آپ نے تمیز مانا یہ بھی درست نہیں کیونکہ ان الفاظ میں ذاتی طور پر کوئی ابہام نہیں لہذا ثلثا کو تمیز

بنانادرست نہیں، ثلثا جب اس کے ساتھ لگتا ہے تو طلاقا محذوف کی صفت بنتا ہے۔ جیسے اعطیتہ جزیلا کہا جائے تو جزیلا اعطیتہ کی تمیز نہیں بنتا بلکہ اعطاء کی صفت بنتا ہے۔

صریح طلاق کے چند اور الفاظ

أنت الطلاق أنت طالق الطلاق أنت طالق طلاقا انت طلاق، یہ بھی صریح طلاق کے الفاظ ہیں۔ ویسے ان سے ایک طلاق ہو گی لیکن تین کی نیت کر لے تو کیونکہ ان الفاظ میں صراحتا مصدر موجود ہے اس لیے احناف بھی اس میں تین کی نیت معتبر مانتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مصدر اسم جنس ہوتا ہے جس میں فرد حقیقی یعنی ایک اور فرد حکمی یعنی جنسیت دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں جبکہ تثنیہ نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی۔ جنس کی مثال پانی ہے کہ ایک بوند بھی پانی ہے اور دنیا کا تمام پانی بھی پانی ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ اگر میں نے پانی پیا تو تجھے طلاق۔ اور نیت دنیا کے تمام پانی کی کرے تو اس کی نیت معتبر ہے؛ کیونکہ ایک بوند اس کا فرد حقیقی ہے اور دنیا کا کل پانی فرد حکمی ہے۔ خلاباز جب دنیا کو اوپر سے دیکھتا ہے تو اس کے لیے تمام دریا اور سمندر مل کر ایک ہی اکائی ہے۔ اسی طرح طلاق کے معاملے میں ایک طلاق بھی طلاق ہے اور تمام طلاقیں جو کہ تین ہیں وہ بھی طلاق ہے، ایک فرد حقیقی ہے اور کل طلاقیں فرد حکمی۔ امام زفر دو کی نیت درست مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تین کی نیت درست ہے تو دو کی نیت بھی درست ہونی چاہیے۔ والجواب ماقدمناہ

ان الفاظ پر غور کیا جائے تو پہلے لفظ سے اس لیے طلاق ہو گی کہ وہ مصدر ہے اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے زید عدل کے معنی زید عادل۔ اس لیے انت الطلاق کے معنی ہوں گے انت طالق۔ بقیہ دو لفظوں میں اسم فاعل طالق پہلے سے موجود ہے اس لیے اس میں بدرجہ اولی طلاق ہو گی، بلکہ اگر کوئی شخص ان کے پہلے جزو سے پہلی طلاق اور دوسرے جزو سے

دوسری طلاق مراد لے تو دو طلاقیں پڑجائیں گی۔ اسی طرح انت الطلاق کے بجائے کوئی انت طلاق بغیر الف لام کے کہے تب بھی طلاق پڑجائے گی۔

طلاق کی نسبت جزو معین کی طرف

شوہر اگر طلاق کی نسبت بیوی کے جزو معین کی طرف کرے جیسے یوں کہے کہ تیرے ہاتھ کو طلاق، تیرے پاؤں کو طلاق، تیری آنکھ کو طلاق۔ تو احناف کے نزدیک طلاق نہیں ہو گی، عند زفر والشافعی ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ اعضا محل نکاح ہیں یعنی نکاح میں آکر ان سے استمتاع جائز ہو جاتا ہے اسی طرح یہ محل طلاق بھی بن سکتے ہیں لہذا جب محل طلاق بن سکتے ہیں تو جیسے ہی اس نے ایک جزو کو حرام کیا تو دوسرے اجزا میں بھی حرمت سرایت کر جائے گی جیسے زہر ایک عضو سے تمام جسم میں پھیل جاتا ہے یا جیسے ایک قطرۂ پیشاب پورے ٹینک کو ناپاک کر دیتا ہے۔ نیز وہ اسے جزو شائع پر قیاس کرتے ہیں۔ جب ان پر اعتراض ہوا کہ پھر تو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تیرے ہاتھ سے نکاح کیا یا پاؤں سے نکاح کیا تو اس سے نکاح بھی ہو جانا چاہیے۔ اس کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ایک عضو سے نکاح کرنے سے صرف وہ جزو حلال ہو گا بقیہ اعضا حرام رہیں گے اور جب اکثر اجزا حرام ہوں گے تو غلبۂ حرام کی وجہ سے حلال بھی حرام ہو جائے گا اس لیے نکاح نہیں ہو سکتا جبکہ ایک جزو کو حرام کرنے کی صورت میں حلال اجزا غالب نہ ہوں گے بلکہ وہ ایک حرام جزو کل کو حرام کر دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ نکاح سے عورت مکمل قید نکاح میں بندھ جاتی ہے اس لیے نکاح کرتے وقت نکاح کی اضافت کل عورت کی طرف یا اس کے کسی ایسے جزو کی طرف کرنا ضروری ہے جسے بول کر کل عورت مراد لی جاتی ہو جیسے عنق، رقبہ، راس، ثلث وغیرہ۔ ہاتھ، پاؤں وغیرہ تو ایع میں سے ہیں ان کی طرف نسبت کر کے نکاح منعقد نہیں ہو سکتا، لہذا جب رقبہ، عنق، راس بول کر کل مراد ہوتا ہے اسی طرح جزو شائع بول کر بھی کل ہی مراد ہوتا ہے تو طلاق بھی ان الفاظ سے

دی جاسکتی ہے دوسری طرف ہاتھ پاؤں کی طرف نسبت کرکے نکاح جائز نہیں تو اس کی طرف نسبت کرکے طلاق بھی واقع نہیں کی جاسکتی۔

أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ أَنْصَافِ تَطْلِيقَةٍ

أنت طالق ثلاثة أنصاف تطليقتين

اصول یہ ہے کہ طلاق میں تجزی نہیں ہوسکتی اس لیے اگر آدھی یا ثلث یا سدس طلاق دے گا تو بھی کل طلاق مانی جائے گی اسی اساس پر اگر کوئی شخص ایک طلاق کے تین نصف دے تو تینوں پڑجائیں گی؛ کیونکہ ایک طلاق کا نصف کہے تو پوری طلاق پڑتی ہے اس لیے جب تین بار ایک ایک طلاق کا نصف واقع کرے گا تو حقیقت میں تو وہ ڈیڑھ ہوگی لیکن ہر نصف مکمل طلاق ہے اس لیے تین طلاق ہوجائیں گی۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کو آخر میں ذکر کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ راجح ہے لیکن دوسرا قول جسے صاحب ہدایہ نے پہلے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ڈیڑھ طلاق ہوگی لیکن تجزی نہیں ہوسکتی اس لیے دو پوری ہوجائیں گی۔ ابن الہمام اس کو پسند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فتح القدير للكمال ابن الهمام (17/4)

وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ مُحَمَّدٍ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ النَّاطِفِيُّ وَالْعَتَّابِيُّ وَعُرِفَ مِنْهُ أَنَّهُ لَوْ قَالَ نِصْفَيْ تَطْلِيقَةٍ يَقَعُ وَاحِدَةٌ۔ وَهُوَ الْمُخْتَارُ عِنْدَ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمَشَايِخِ

البتہ اگر یہ کہا کہ تجھے دو طلاقوں کے تین نصف ہیں تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ تجھے تین بار دو طلاقوں کا نصف ہے، اور دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے، اسی طرح دوسری دو طلاقوں

کانصف بھی ایک ہے پھر تیسری دوطلاقوں کانصف بھی ایک ہے، تو مجموعہ تین ہوا اس لیے تینوں پڑجائیں گی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

طلاق میں حروف، ظروف، شروط کا استعمال

حروف	حکم
طلاق کی تعداد بیان کرتے ہوئے الی کا استعمال	غایت شامل نہیں ہوگی، مغیا شامل ہوجائے گا۔ عندھما دونوں شامل
طلاق کی تعداد بیان کرتے ہوئے فی کا استعمال	چار صورتیں ضرب، بمعنی واو، بمعنی مع، بمعنی ظرف
انت طالق غدا	کل کی طلوع فجر سے ہی طلاق
انت طالق الیوم غدا	آج طلاق ہوگی
انت طالق غدا الیوم	کل طلاق ہوگی
انت طالق فی غد	امام کے نزدیک کل آخری وقت کی نیت کرسکتا ہے صاحبین کے نزدیک غد اولا حکم ہوگا
آج نکاح کرکے کہا انت طالق امس	طلاق ہی نہ ہوگی
انت طالق قبل ان اتزوجك	طلاق ہی نہ ہوگی
انت طالق مالم اطلقك انت طالق متی لم اطلقك انت طالق متی مالم اطلقك	(اس وقت طلاق جس وقت طلاق نہ دوں) طلاق نہ دی تو طلاق ایک گھڑی بعد پڑجائے گی
ان طالق ان لم اطلقك	طلاق نہ دی تو مرنے سے ایک گھڑی پہلے طلاق ہوگی
انت طالق اذا لم اطلقك انت طالق اذا مالم اطلقك	عند ابی حنیفہ ان کے معنی میں ہیں، و عندھما متی کے معنی میں

یوم اتزوجک فانت طالق	دن یا رات جس وقت بھی نکاح کرے گا طلاق ہو جائے گی

أَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ

اگر طلاق میں غایہ مغیا کو داخل کر دیا مثلاً یوں کہا کہ تجھے ایک سے لے کر دو طلاقیں ہیں یا ایک سے لے کر تین طلاقیں ہیں تو کتنی طلاقیں پڑیں گی؟ اس میں تین قول ہیں:

1۔ امام زفر کے نزدیک غایہ اور مغیا دونوں ہی مراد نہ ہوں گے اس لیے پہلے جملے میں کوئی طلاق نہ ہوگی اور دوسرے جملے سے ایک بیچ والی طلاق ہوگی۔ جیسے اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے تمہیں یہ زمین اس دیوار سے اس دیوار تک فروخت کی تو بیچ زمین کی بیع ہوتی ہے دیواروں کی نہیں۔ اسی طرح یہاں صرف بیچ والی طلاق ہوگی، پہلی اور تیسری نہ ہوگی۔ یہ قیاس پر مبنی قول ہے۔

2۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ عرف عام میں اس طرح کے جملوں میں غایت اور مغیا دونوں شامل سمجھے جاتے ہیں جیسے آپ کسی سے یہ کہیں کہ میرے پیسوں میں سے ایک سے لے کر سو روپے تک آپ لے سکتے ہیں تو کوئی بھی 98 روپے یا 99 روپے مراد نہیں لیتا بلکہ پورے 100 روپے ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ صاحبین کا قول استحسان بالعرف ہے۔

3۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ مغیا تو شامل ہوگا لیکن غایت شامل نہ ہوگی لہذا پہلی صورت میں ایک طلاق ہوگی اور دوسری صورت میں دو۔ امام صاحب اپنے زمانے کے عرف کے مطابق استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی عمر بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ میری عمر 60 سے لے کر 70 کے درمیان ہے تو اس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ 60 سے اوپر ہے لیکن 70 سے نیچے ہے۔ ان اختلافات کی وجہ سے امام صاحب احتیاطاً پہلی صورت میں دو کے بجائے ایک اور دوسری صورت میں تین کے بجائے دو طلاق مانتے ہیں۔

امام صاحب، امام زفر کو یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں دوسری طلاق کو پہلی پر اسی وقت متفرع کرنا درست ہوگا جب خود پہلی طلاق بھی موجود ہو جیسے جب مکان بناتے ہیں تو بنیاد ہی نیچے نہ ہو تو مکان کیسے قائم رہ سکے گا؟ اس لیے مغیا یعنی پہلی طلاق کا وجود ضروری ہے ہاں! غایت کا وجود ضروری نہیں، اس معاملے میں امام صاحب ان کے ساتھ ہیں۔ اور صاحبین کو یہ جواب دیتے ہیں کہ عرف میں غایہ مغیا میں ان صورتوں میں شامل ہوتا ہے جب غایت کا تعلق مباح چیزوں سے ہو جیسے روپے پیسے مال اسباب ان سب میں اصل اباحت ہے کوئی بھی ممنوع چیز نہیں جبکہ ہمارے مسئلے کا تعلق عورتوں کے بضع کی حلت و حرمت سے ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ الاصل فی الابضاع الحظر اس لیے طلاق میں یہ قاعدہ لاگو نہیں کرسکتے۔

طلاق کی تعداد بیان کرتے ہوئے فی کا استعمال

انت طالق واحدۃ فی ثنتین کہے یا فی ثلاثۃ یا ثنتین فی ثنتین ان سب کی متعدد صورتیں ہیں اور فتوی امام زفر کے قول پر ہے:

1۔ ضرب کی نیت ہو۔ تو امام زفر کے نزدیک ریاضی کے قاعدے اور عرف کے مطابق واحدۃ فی ثنتین میں دو طلاقیں ہوں گی، واحدۃ فی ثلاثہ والی صورت میں تین ہوگی اور ثنتین فی ثنتین کی صورت میں چار ہونی چاہییں لیکن طلاقیں تین سے زیادہ نہیں ہوسکتیں اس لیے تین ہوں گی۔ احناف کے ائمہ ثلاثہ کے مطابق پہلے لفظ کو دیکھا جائے گا اور ضرب کی نیت لغو ہو جائے گی؛ کیونکہ ضرب تکثیر اجزا کے لیے آتا ہے وہ مضروب کا عدد نہیں بڑھاتا۔ یعنی جب یہ کہا کہ تجھے ایک ضرب دو طلاق تو اس کا مطلب ہے تجھے ایسی طلاق جس کے دو اجزا ہیں۔ تین سے ضرب دیا تو مطلب ایک ایسی طلاق جس کے تین جزو ہیں اور ظاہر ہے اس سے ایک طلاق ہوگی۔ لہذا واحدۃ فی ثنتین میں بھی ایک طلاق ہوگی، واحدۃ فی ثلاثہ والی صورت میں بھی ایک طلاق ہوگی اور ثنتین فی ثنتین کی صورت میں دو ہوں گی۔

2۔ضرب یا کسی چیز کی نیت نہ ہو تو بھی یہی اختلاف جاری ہو گا۔

3۔فی بمعنی واؤ لے تو بالاتفاق تین ہوں گی۔اور دونوں میں علاقہ جمع کا ہے جس طرح ظرف اپنے مظروف کو جمع کر دیتا ہے اسی طرف واؤ بھی جمع کرتا ہے۔

4۔فی کو مع کے معنی میں لے جیسے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میں فی بمعنی مع کے ہے تو اس صورت میں بھی بالاتفاق تین ہوں گی۔

5۔فی کو اپنے حقیقی یعنی "ظرف" کے معنی میں لے کہ تجھے دو طلاق (نامی کوئی برتن نما ہے) کے اندر ایک طلاق۔تو بالاتفاق ایک طلاق ہو گی؛ کیونکہ طلاق ظرف نہیں بن سکتا اس لیے مصداق نہ پائے جانے کی وجہ یہ جملہ لغو ہو جائے گا۔

یہاں سے لے کر ملک شام جتنی طلاق

اس صورت میں امام زفر کے نزدیک طلاق بائن ہو گی؛ کیونکہ اس کا مقصد طلاق کے طول اور اس کی شدت کو بیان کرنا ہے اور جب بھی طلاق میں شدت پیدا کر دی جائے تو طلاق بائن ہوتی ہے لہذا طلاق بائن ہو گی۔احناف کے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ طلاق رجعی ہو گی؛ کیونکہ یہ شدت نہیں بلکہ تخفیف اور ہلکا پن ہے کیونکہ طلاق جب بھی ہوتی ہے تو ہر ہر جگہ ہوتی ہے جبکہ یہ طلاق کو چھوٹا کر رہا ہے صرف کوفہ سے شام کے مختصر علاقے جتنی طلاق واقع کر رہا ہے۔

ملتے جلتے چار جملے

انت طالق بمكة فی مکۃ اذا دخلت مکۃ فی دخولك الدار پہلے دو جملوں کا معنی ہے تجھے مکہ میں طلاق۔ان دونوں صورتوں میں طلاق کے وقوع کو مکہ کے ساتھ خاص کر رہا ہے جو درست نہیں؛ اس لیے کہ قاعدہ فقہیہ ہے: طلاق اور یمین کو کسی معدوم فعل یا معدوم زمانے پر معلق کر سکتے ہیں لیکن کسی مکان پر معلق نہیں کر سکتے؛ کیونکہ طلاق معدوم شے ہے اس کو کسی معدوم

فعل یا زمانے پر معلق کرنا چاہیے کہ جب وہ معدوم فعل وجود میں آئے گا یا وہ معدوم زمانہ وجود میں آئے گا تب طلاق کا وقوع ہوگا، جیسے اگر وہ یہ کہتا کہ انت طالق اذا دخلت مکۃ جب تو مکہ جائے گی تو تجھے طلاق، اس میں طلاق معلق ہو جائے گی کیونکہ فعل کے ساتھ معلق کیا ہے اسی طرح انت طالق غدا کہتا تب بھی معلق ہو جاتی کیونکہ زمانے کے ساتھ معلق کیا ہے۔ جبکہ مکہ یا کوئی بھی مکان حسی اور موجود چیز ہوتی ہے اس پر طلاق کو معلق کرنا درست نہیں۔ اس لیے فی مکۃ کا لفظ لغو ہو جائے گا اور صرف انت طالق عمل کرے گا۔ البتہ اگر یہ جملہ بول کر اس کا خلاف ظاہر معنی مراد لے کہ میری مراد ان اتیت مکۃ تھا تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی، قضاءً نہیں؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کسی بھی خلاف ظاہر بات میں دیانۃً تصدیق کی جاتی ہے، قضاءً نہیں۔

البتہ اگر وہ ان سب سے الگ جملہ کہے انت طالق فی دخولک الدار تو یہاں اسے فعل پر معلق کرنا کہیں گے مکان پر نہیں اس لیے طلاق معلق ہو جائے گی۔ اس صورت میں ایک تو فی دخول پر داخل ہوا ہے جو فعل ہے اس لیے قاعدہ کے مطابق تعلیق درست ہے۔

اگر کسی کو فی کی وجہ سے اشکال ہو کہ یہ ظرفیت کے لیے آتا ہے اور طلاق مظروف نہیں بن سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی ظرف ہے اور ظرف کے حقیقی معنی یہاں متعذر ہیں اس لیے معنی مجازی لیے جائیں گے کہ فی بول کر شرط مراد لے رہا ہے اور یہی کہنا چاہ رہا ہے کہ تو اگر گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق۔ رہا سوال علاقہ کا تو ظرف اور شرط میں یہ علاقہ ہے کہ جس طرح مشروط بغیر شرط نہیں پایا جاتا اسی طرح مظروف بھی بغیر ظرف کے نہیں پایا جاتا۔

انت طالق غدا، فی غد، غدا الیوم، الیوم غدا

ان تمام صورتوں میں طلاق کو زمانے کے ساتھ معلق کیا ہے اس لیے تعلیق درست ہے، البتہ پہلے تین جملوں میں کل کس وقت طلاق ہوگی؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ اگر یہ جملے مطلق بولے ہیں، کوئی خاص نیت نہیں ہے تو اگلے دن کی صبح صادق ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ طلاق کو جب غدا پر معلق کیا تو کل کا پہلا جزو بھی غدا میں شامل ہے اس لیے پہلا جزو داخل ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی، ویسے بھی غدا مکمل کل کو کہتے ہیں اور مکمل کل میں جزو اول شامل ہے۔

دوسرے جملے میں فی غد کے اصل معنی ہیں: "کل کے اندر کسی بھی وقت" اگر وہ اس لفظ سے اس کے حقیقی معنی کی نیت کرتا تو درست ہو جاتے لیکن جب نیت ہی نہیں ہے تو مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی غدا کی طرح ہو جائے گا اور صبح صادق داخل ہونے سے ہی طلاق ہو جائے گی۔

تیسرے جملے کا قائل کنفیوز ہے اس لیے ہم پہلے جملے کا اعتبار کریں گے کیونکہ جب پہلے غدا کہہ دیا تو اس کو کہتے ہی وہ معلق طلاق بن گئی جبکہ الیوم سے اسی معلق کو منجز کرنا چاہ رہا ہے حالانکہ قاعدہ ہے کہ معلق کو منجز نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھے جملے میں اس کے برعکس ہوا ہے، اس میں پہلے الیوم کہہ کر طلاق کو منجز کر دیا یعنی فوری طلاق دے دی اس لیے اب اسے معلق نہیں کر سکتا۔ ان آخری دو مسائل سے قاعدہ یہ نکلا کہ نہ معلق کو منجز کیا جا سکتا ہے نہ منجز کو معلق۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے یہ لفظ بول کر آئندہ کل کا کوئی خاص وقت مراد لیا ہو مثلاً عصر کا وقت یا ظہر کا وقت۔ تو غدا والی صورت میں بالاتفاق دیانۃً تصدیق کی جائے گی، قضاءً نہیں؛ کیونکہ غدا کے معنی ہیں مکمل کل، جبکہ وہ استیعابِ وقت اور عام وقت کے بجائے خاص وقت مراد لے رہا ہے تو یہ خلافِ ظاہر معنی مراد لے رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ کسی بھی خلاف ظاہر بات میں دیانۃً تصدیق کی جاتی ہے، قضاءً نہیں۔ البتہ دوسرے لفظ میں اختلاف ہے۔ صاحبین فی غد اور غدا دونوں میں تفریق کے قائل نہیں؛ کیونکہ دونوں ہی میں اگر نیت نہ ہو تو جزو اول میں

طلاق ہوتی ہے لہذا خلاف ظاہر معنی مراد لینے میں بھی دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ فی غد کے اصل معنی میں "ظرفیت" پائی جاتی ہے اور ظرفیت استیعاب کا تقاضا نہیں کرتی ،جیسے لاصومن الدھر یالاصومن العمر بغیرفی کے استیعاب کا تقاضا کرتے ہیں لیکن فی لگادیا جائے جیسے لاصومن فی الدھر اورلاصومن فی العمر تو استیعاب کا تقاضا نہیں کرتے۔اس لیے جب اس نے لفظ کے حقیقی معنی مراد لیے تو دیانت کے ساتھ قضاءً بھی اس کی توثیق کی جائے گی۔

صاحبین کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں جزواول میں اس لیے طلاق ہورہی تھی کہ قائل کی کوئی نیت ہی نہیں تھی اس لیے مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے "تعین ضروری" کرنی پڑی اوراس کا حکم بھی غدا کی طرح کردیا جبکہ یہاں وہ معنی حقیقی کی نیت کرکے "تعین قصدی" کررہا ہے اور تعین قصدی جبکہ وہ حقیقت بھی ہے بہتر ہے تعین ضروری سے، اس لیے اسے خلاف ظاہر نہیں کہہ سکتے۔

أنت طالق أمس

أنت طالق قبل ان اتزوجك اوراس جیسے جملے

اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں:

1۔نکاح آج کیا ہے اور طلاق گزشتہ کل یا کافی وقت پہلے کی دے رہا ہے تو طلاق نہیں ہوگی؛اس کی تین وجوہات ہیں:پہلی یہ کہ طلاق بیوی کی طرف نسبت کرکے دی جاتی ہے جبکہ یہاں جس وقت کی طرف طلاق کی نسبت کررہا ہے اس وقت اس کی بیوی نہیں اس لیے جملہ لغو ہوجائے گا۔دوسرا،ممکن ہے وہ یہ کہنا چاہ رہا ہو کہ کیونکہ ہمارا تمہارا نکاح آج ہوا ہے اس لیے اس سے پہلے تم میرے لیے حرام تھی جیسے ایک طلاق یافتہ حرام ہوتی ہے یعنی وہ عدم نکاح کی خبر دے رہا ہے۔لہذا جب اسے خبر بنارہے ہیں تو قاعدہ ہے کہ خبر انشاء نہیں بن سکتی جبکہ طلاق انشاء

طلاق سے ہوتی ہے طلاق کی خبر دینے سے نہیں، اس لیے طلاق نہ ہوگی، تیسرا، اگر یہ عورت پہلے کسی شوہر سے طلاق یافتہ ہو تو ممکن ہے اس کا مطلب یہی بتانا ہو کہ آج تو تم میرے نکاح میں ہوں لیکن اس سے پہلے تم طلاق یافتہ تھی۔

انت طالق قبل ان اتزوجك، انت طالق قبل ان اخلق، انت طالق قبل ان تخلقی، طلقتك و انا صبی، طلقتك و انا نائم: ان تمام جملوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان سے طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ ان میں یہ تینوں یا ان میں سے بعض وجوہات پائی جا رہی ہیں۔

2۔ نکاح پہلے کر لیا ہے اور طلاق کو، نکاح کے بعد لیکن زمانہ ماضی کے کسی وقت کی طرف منسوب کر رہا ہے جیسے نکاح دو دن پہلے ہوا ہے اور آج یہ کہہ رہا ہے تمہیں گزشتہ کل طلاق۔ اس صورت میں بیوی کی طرف نسبت پائی گئی اس لیے طلاق ہو جائے گی لیکن طلاق گزشتہ کل سے ہوگی یا ابھی؟ تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے اس لیے اس نے اگرچہ طلاق ماضی میں دینے کی کوشش کی ہے لیکن شرعاً طلاق حال میں ہوگی اور عدت بھی ابھی سے شروع ہوگی۔

یہی حکم ان تمام صورتوں کا ہے جن میں شوہر نکاح کے بعد لیکن بہت پہلے کے کسی وقت کی طرف طلاق کو منسوب کرے کہ طلاق ابھی واقع ہوگی، اس کے بتائے گئے وقت پر نہیں ہوگی۔ آج کل جب شوہر طلاق کا جھوٹا اقرار یا طلاق کی جھوٹی خبر دیتا ہے تو اس میں بھی یہی قاعدہ جاری ہونا چاہیے کہ پہلے نہ دی ہو تو اب پڑ جائے گی؛ کیونکہ اس کی بات سچی نہیں جھوٹی ہے اس لیے جب اسے خبر نہیں بنا سکتے تو انشاء بنے گا لانہ لا یمکن تصحیحه إخبارا فکان انشاء والإنشاء فی الماضی إنشاء فی الحال

أنت طالق مالم أطلقك،
متى لم، متى مالم، ان، اذا

یہاں سے اہم مسائل شروع ہو رہے ہیں۔ ان سب کا مدار الفاظ ہے۔ ویسے بھی طلاق اور قسم کے مسائل میں الفاظ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہ تین قسم کے الفاظ ہیں:

1۔ ملم متی ما اور متی ملم: یہ تینوں الفاظ ظروف زمان ہیں، وقت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، تینوں کے معنی ہیں: جب یا جس وقت۔ کہنا یہ چاہ رہا ہے کہ جس وقت میں تمہیں طلاق نہ دوں اس وقت تمھیں طلاق ہو۔ جب وہ یہ الفاظ بول کر خاموش ہوا یا کوئی اور بات چیت کرنے لگا تو شرط پائی گئی یعنی کچھ وقت ایسا گزر گیا کہ اس نے طلاق نہیں دی لہذا جزا بھی واقع ہو جائے گی اور طلاق پڑ جائے گی۔

اگر یہ الفاظ کہنے کے فورا بعد انت طلاق کہہ دیا تب بھی طلاق ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق دے تب بھی ایک طلاق اور نہ دے تب بھی ایک طلاق۔ بلکہ امام زفر تو اس دوسری صورت میں دو طلاق مانتے ہیں، اور قیاس بھی یہی ہے؛ کیونکہ انت طالق کے تلفظ سے پہلے انتہائی مختصر وقت بغیر طلاق پایا گیا یا خود انت طالق مکمل کرتے ہوئے جو انتہائی معمولی وقت طلاق سے خالی پایا گیا، وہ کہتے ہیں اس کی وجہ سے ایک طلاق پڑے گی اور دوسری اس کے صریح لفظ سے۔ ہم کہتے ہیں کہ قسم کھائی جاتی ہے اسے پورا کرنے کے لیے، اس لیے قسم کو پورا کرنے کا وقت خود بخود قسم سے مستثنی ہوتا ہے اس لیے اسے اتنی مہلت تو دینی چاہیے جس میں وہ طلاق واقع کر سکے، یہاں اس نے متصلا انت طالق کہا ہے یہی اس کی قدرت میں تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری اس کے لیے ممکن نہیں اس لیے اتنے معمولی وقت کو قسم سے مستثنی مانا جائے گا۔ وأصله من حلف لا یسکن هذه الدار فاشتغل بالنقلة من ساعته

2۔ان لم اطلقك فانت طالق ۔یعنی اگر میں تمھیں طلاق نہ دوں تو تمھیں طلاق۔اس صورت میں ان حرف شرط ہے، ظرف زمان نہیں،لہذا شرط جزا کے قاعدہ کے مطابق جب تک شرط نہیں پائی جائے گی تب تک طلاق نہ ہوگی۔اگر کسی وقت طلاق دے دی تو طلاق ہوگی ورنہ مرنے سے پہلے آخری لمحات میں طلاق ہوگی؛کیونکہ اس سے پہلے عدم طلاق کی شرط متحقق نہیں ہورہی،جب آخری لمحات میں یقین ہوجائے گا کہ طلاق نہیں دے گا تب شرط پائی جائے گی اور اب طلاق ہوگی۔

3۔تیسرا لفظ ہے اذا،اس کے حوالے سے اختلاف ہے کہ یہ متی کے معنی میں ہے یا ان کے معنی میں؟

صاحبین کے مطابق اذا کا غالب استعمال ظروف زمان یعنی متی کے معنی میں ہوتا ہے جس کے انھوں نے تین دلائل دیے ہیں:ایک قرآن پاک سے ایک لغت عرب سے تیسرا فقہی نظائر سے۔قرآن پاک میں بیشتر جگہوں پر اذا بمعنی متی استعمال ہوا ہے جیسے [اذا الشمس کورت] [التکویر:1] عرب شاعر ابن احمر کا ایک شعر ہے۔

واذا تکون کریھۃ ادعی لھا

واذا یحاس الحیس یدعی جندب

اس میں بھی اذا متی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اسی طرح انت طالق اذا شئت کا جزئیہ بھی ان کی دلیل ہے؛کیونکہ انت طالق ان شئت کہے تو اختیار مجلس تک منحصر رہتا ہے جبکہ اذا شئت کہے تو متی شئت کی طرح مجلس کے بعد بھی اختیار عام رہتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان استعمالات سے انکار نہیں لیکن اذا ہی کا دوسرا استعمال قرآن وسنت اور لغت عرب سب جگہ ان کے معنی میں بھی ہوا ہے جیسے ایک دوسرے عرب شاعر عبد قیس کا شعر ہے۔

واستغن ما أغناك ربك بالغنى

واذا تصبك خصاصة فتجمل

یہاں اذا بمعنی ان استعمال ہوا ہے۔لہذا جب اذا کے دونوں استعمالات ہیں تو متعارض دلائل کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا اور شک کی وجہ سے طلاق جیسی مکروہ چیز لاگو نہیں کی جاسکتی، قاعدہ ہے الیقین لایزول بالشك۔ اس لیے ہم اصل اور یقین پر رہیں گے اور اصل یہی ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے اس لیے شک کی وجہ سے بیوی ہونے سے نہیں نکالیں گے چنانچہ طلاق اس وقت پڑے گی جب مرد یا عورت میں سے کوئی وفات پا رہا ہو گا۔

جہاں تک بات ہے صاحبین کے آخری استدلال کی تو اس کا جواب ضروری ہے۔جواب یہ ہے کہ انت طالق اذا شئت کہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مجلس کے اندر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے، لیکن اس کے بعد جب مجلس ختم ہو گی تو اب بھی طلاق کا اختیار باقی ہے یا نہیں؟اس میں مذکورہ متضاد دلائل کی وجہ سے شک پیدا ہو جائے گا لہذا جب معاملہ مشکوک ہو گیا تو الیقین لایزول بالشک کے تحت معاملہ کی اصل جہت دیکھی جائے گی اور وہ ہے طلاق کا اختیار مل جانا؛ کیونکہ جب ایک بار طلاق کا اختیار عورت کو مل گیا تو جب تک اس حق سے دستبرداری کے مضبوط دلائل قائم نہ ہو جائیں کسی کا حق اس سے چھین نہیں سکتے۔

یوم اتزوجک فانت طالق

ایک شخص نے کسی اجنبیہ سے کہا کہ انت طالق یوم اتزوجک جس دن تجھ سے نکاح ہو اس دن تجھے طلاق۔اس صورت میں اگر وہ دن کے وقت نکاح کرے تو طلاق واقع ہونا ظاہر ہے اسی طرح اگر وہ نیت ہی دن کی کرے کہ میری مراد یوم سے بیاض النھار ہے رات نہیں ہے تب بھی دن میں نکاح کرنے پر طلاق ہو گی رات کو نکاح کیا تو نہ ہو گی، ویصدق دیانتا وقضاء، لیکن مسئلہ یہ

ہے کہ اگر وہ دن کی نیت نہ کرے بلکہ یہ جملہ مطلق بولے تو کیا رات میں نکاح کرنے سے طلاق ہو گی؟

اس کے لیے پہلے یہ سمجھ لیں کہ یوم کے لغوی معنی بیاض النھار ہی ہیں لیکن عرف میں اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں، کبھی مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے اور کبھی بیاض النھار۔ اب کس صورت میں مطلق وقت مراد لیا جائے کس صورت میں بیاض النھار تو اس کا قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب یوم کا فعل ممتد ہو تو نصف النھار مراد ہو گا اور جب اس کا فعل غیر ممتد ہو تو مطلق وقت مراد ہو گا، چنانچہ امرک بیدک یوم یقدم فلان اور علی صوم یوم یقدم فلان، ان دونوں صورتوں میں یوم (مفعول فیہ) کا فعل ممتد ہے؛ کیونکہ صوم بھی ممتد فعل ہے اور اختیار بھی ممتد چیز ہے اس لیے بیاض النھار لیا جائے گا، جبکہ ومن یولھم یومئذ دبرہ میں فعل (بھاگنا) غیر ممتد ہے۔ اس لیے مطلق وقت مراد لیا جائے گا، زیر بحث مسئلہ میں طلاق فعل غیر ممتد ہے، ایک سیکنڈ کا کھیل ہے اس لیے قاعدہ کے مطابق مطلق وقت مراد ہو گا اور دن میں شادی کرے یا رات میں طلاق ہو جائے گی۔ البتہ دن کی تخصیص کی نیت کر لے تو کیونکہ بیاض النھار ہی اس کے حقیقی معنی ہیں اس لیے قضاء تصدیق کی جائے گی اور اسے خلاف ظاہر نہیں کہا جائے گا۔

أنا منك طالق أنا منك بائن

أنا عليك حرام

اگر شوہر بیوی سے سیدھا سیدھا کہتا کہ تجھے طلاق ہے یا تو مجھ سے جدا ہے یا تو مجھ پر حرام ہے یعنی ان تینوں الفاظ کی نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے بیوی کی طرف کرتا اور آخری دو الفاظ میں طلاق کی نیت بھی ہوتی تو طلاق ہو جاتی، لیکن زیر بحث مسئلہ دلچسپ ہے، یہاں شوہر ان کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے: میں تم سے طلاق لیتا ہوں، یا میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں

یامیں تجھ پر حرام ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مذکورہ تین الفاظ میں سے ہر لفظ ایسا ہے کہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی احناف کے نزدیک پہلے لفظ سے نہیں ہوگی بقیہ دو لفظوں سے ہو جائے گی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے اور یہی اس کا قاعدہ بھی ہے کہ زوجین کے درمیان جو معاملات باہم مشترک ہیں ان میں سے کسی کی طرف طلاق کے کسی لفظ کی نسبت کی جائے تو چاہے شوہر اس کی نسبت عورت کی طرف کرے یا اپنی طرف کرے مشترک چیز ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک نکاح کے بعد میاں بیوی کے مابین؛ ملکیت نکاح، تعلق نکاح اور حلت یہ تینوں چیزیں مشترک ہوتی ہیں، یعنی دونوں ایک دوسرے کے مالک بھی ہیں دونوں ایک دوسرے سے مضبوط تعلق بھی رکھتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال بھی ہیں۔ اب اگر شوہر نے لفظ طلاق استعمال کیا ہے تو اس سے باہمی ملکیت ختم ہو گی؛ کیونکہ نکاح سے باہمی ملکیت آتی ہے تو طلاق سے یہ ملکیت ختم ہو گی، لفظ بائن کہا ہے تو اس سے باہمی وصلۃ یعنی تعلق ختم ہوگا اور لفظ حرام کہا ہے تو اس سے باہمی حلت ختم ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ نکاح ختم کرنے کے معاملے میں یہ تینوں الفاظ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر شوہر یہ کہے میں تم سے طلاق لیتا ہوں، یا میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں یا میں تجھ پر حرام ہوں اور نیت طلاق کی ہو تو ان تینوں سے نکاح ختم ہو جائے گا جیسے اگر وہ ان کی نسبت بیوی کی طرف کرتا تو بالاتفاق طلاق ہو جاتی۔

احناف یہ کہتے ہیں کہ بائن اور حرام ان دو لفظوں سے متعلق آپ کی بات مکمل درست ہے لیکن لفظ طلاق کی نسبت ہمیں اختلاف ہے۔ آپ نے کہا کہ نکاح سے زوجین کے درمیان مشترکہ طور پر ملکیت نکاح قائم ہو جاتی ہے یہ ہمیں تسلیم نہیں، ہمارا مدعا یہ ہے کہ نکاح سے بیوی یکطرفہ طور پر شوہر کی قید اور ملکیت میں آتی ہے شوہر بیوی کی ملکیت میں نہیں جاتا یہی وجہ ہے کہ بیوی دوسری شادی نہیں کر سکتی لیکن شوہر کر سکتا ہے۔ بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر باہر

نہیں نکل سکتی لیکن شوہر بیوی سے پوچھے بغیر کہیں بھی جاسکتا ہے۔ عرف میں بھی بیوی ہی کو منکوحہ کہا جاتا ہے شوہر کو منکوح نہیں بلکہ ناکح کہا جاتا ہے اس لیے جب بیوی کے پاس شوہر کی ملکیت آئی ہی نہیں تو طلاق کی نسبت اپنی طرف کر کے شوہر یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں تمہاری ملکیت سے نکلتا ہوں، اس لیے اس سے طلاق نہ ہوگی۔

أنت طالق او لا. انت طالق واحدة أو لا.

أنت طالق واحدة أو لا شيء

یہ تین لفظ ہیں پہلے لفظ سے طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایقاع طلاق میں شک ہے اور شک سے طلاق نہیں ہوتی اس لیے طلاق نہ ہوگی۔ بقیہ دو الفاظ سے طلاق ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام محمد کا مبسوط کی کتاب الطلاق میں یہ موقف نظر آتا ہے کہ ایک طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ شک واحد میں ہے طلاق میں نہیں اس لیے انت طالق اپنی جگہ کامل جملہ بننے کی وجہ سے طلاق ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف کا قول اول بھی یہی تھا۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب، امام ابو یوسف کا آخری قول اور امام محمد کا جامع الصغیر میں جو موقف لگتا ہے وہ یہ ہے کہ طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ جب طلاق کے ساتھ کوئی عدد نہ ہو وہاں تو طالق سے طلاق ہوتی ہے لیکن جب عدد ساتھ آجائے تو طالق کے بجائے عدد سے طلاق ہوتی ہے، عدد کے ساتھ اس کا معدود مصدر محذوف ہوتا ہے چنانچہ جب انت طالق واحدۃ کہتا ہے تو انت طالق تطلیقۃ واحدۃ جملہ بنتا ہے انت طالق ثلاثا کہتا ہے تو انت طالق طلقات ثلاث یہ جملہ بنتا ہے اور طلاق اس عدد معدود سے پڑتی ہے طالق سے نہیں۔ اس کی قوی دلیل یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو اگر انت طالق ثلاثا کہا جائے تو تینوں پڑ جاتی ہیں۔ اگر ثلاثا کے بجائے طالق سے پڑتی تو ایک ہی پڑتی اور ثلاثا لغو ہو جاتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طالق جب عدد کے ساتھ آئے گا تو طلاق عدد سے ہوگی، طالق سے نہیں، اب جب قائل

نے بیچ میں لو لگادیا تو شک کس چیز میں پیدا ہوا؟ ظاہر ہے اسی عدد معدود میں شک پیدا ہوا جس سے طلاق پڑتی ہے اس لیے ہم کہیں گے کہ نفس ایقاع میں شک پیدا ہو گیا ہے اور جب نفس ایقاع میں شک پیدا ہو جائے جیسے انت طالق لولا میں نفس ایقاع میں شک ہے تو طلاق نہیں ہوتی اس لیے ان دو لفظوں سے بھی طلاق نہ ہوگی۔

أنت طالق هكذا (طلاق بالعدد المبہم)

اگر کوئی شخص طلاق دینے کے لیے صریح عدد کے بجائے عدد مبہم استعمال کرے جیسے یہ کہے کہ تجھے اتنی طلاقیں ہیں۔ تو اس "اتنی" کا کیا مطلب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی انگلیوں کو دیکھا جائے، اگر تین انگلیاں دکھاتا ہے تو تین ہو گی دو دکھاتا ہے تو دو ہوں گی ایک دکھاتا ہے تو ایک ہو گی، جیسے حدیث میں ہے کہ قال علیہ الصلاۃ والسلام "الشہر ھکذا وھکذا" آپ ﷺ نے دس انگلیاں کھول کر تین بار فرمایا کہ مہینہ اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی تین بار حرکت دے کر فرمایا کہ تیس دنوں کا مہینا ہوتا ہے۔ اگر وہ نیت کرے کہ بند انگلیاں مراد تھیں یا ہتھیلی یا ہاتھ جو کہ ایک ہے وہ مراد تھا تو اس کی بات سچ ہونے کا امکان ہے اس لیے تصدیق کی جائے لیکن دیانتاً نہ کہ قضاءً، کیونکہ خلاف ظاہر کی نیت کر رہا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ جب انگلیاں کھلی ہوئی دکھاتا ہے تو کھلی انگلیوں سے اشارہ مقصد ہوتا ہے بند انگلیوں سے نہیں۔ اس لیے قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اگر وہ لفظ "اتنی" نہ کہے بلکہ تجھے طلاق ہے، یہ کہہ کر انگلیوں سے ایک دو یا تین کا اشارہ کرے تو اشارہ معتبر نہیں بلکہ بہر صورت ایک ہی طلاق ہو گی۔

أنت طالق بائن

أنت طالق على أن لا رجعة لي عليك

اگر کوئی شخص طالق بائن کے الفاظ سے طلاق دے تو ضابطہ سمجھ لیں کہ لفظ طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ بڑھانے سے طلاق کے معنی میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے طلاق بائن پڑے گی جو اس معنی میں شدید ہے کہ رجوع نہیں کر سکتا جبکہ رجعی میں رجوع کر سکتا ہے، بلکہ اگر دونوں لفظوں سے الگ الگ طلاق دینا مقصد ہو تو دونوں طلاقیں بائن پڑیں گی، کیونکہ رجعی کے ساتھ بائن لفظ مل جائے تو دونوں بائن بن جاتے ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک طالق بائن سے طلاق بائن نہیں پڑ سکتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ طلاق کو اللہ تعالیٰ نے رجعی کے لیے وضع کیا ہے اس لیے اس سے رجعی کے بجائے بائن نہیں ہو سکتی ورنہ تغییر شریعت لازم آئے گا ویسے خود احناف بھی مانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص انت طالق علی ان لا رجعۃ لی علیک کہے تو اس کا یہ قول لغو ہے اور وہ رجوع کر سکتا ہے کیونکہ رجعی کو غیر رجعی کرنا انسان کے اختیار میں نہیں۔

احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ شریعت کو بدلنا نہیں ہے بلکہ شریعت نے لفظ کے دو معنی بتائے ہیں ان میں سے ایک کو متعین کرنا ہے؛ کیونکہ شریعت نے جیسے اس کے معنی رجعی بتائے ہیں ویسے شریعت ہی نے اس کے معنی کچھ صورتوں میں بائن کے بھی بتائے ہیں، جیسے: غیر مدخولہ کو طلاق کے الفاظ کہے جائیں تو اسے بائن پڑتی ہے۔ خود مدخولہ بھی عدت کے بعد اسی لفظ سے بائن بنتی ہے۔ اس لیے جب لفظ طلاق کے اندر دو معنوں کے احتمال شروع ہی سے ہے تو اگر کوئی شخص کسی ایک کو متعین کر دے تو وہی طلاق ہو گی جو وہ واقع کرنا چاہتا ہے۔ باقی آپ نے جو نظیر ہمارے خلاف پیش کی ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں؛ کیونکہ ہمارا یہ موقف ہے ہی نہیں۔ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن پڑے گی۔

یاد رہے اگر طالق بائن بول کر تین کی نیت کرے تو درست ہے؛ کیونکہ ہر لفظ بائن میں تین کی نیت درست ہوتی ہے جب طالق بائن کو بھی ہم نے بائن مان لیا تو بقیہ بائنہ الفاظ کی طرح اس

میں بھی تین پڑنے کا احتمال ہے اس لیے نیت کرنے کی صورت میں تینوں پڑجائیں گی؛ کیونکہ بائن کے اندر دو احتمال ہوتے ہیں: بینونت صغری اور بینونت کبری۔ بینونت صغری ایک طلاق سے ہوتی ہے اور کبری تین طلاق سے۔ تاہم دو کی نیت یہاں بھی معتبر نہیں۔ دو کی نیت کی تو ایک ہی طلاق بائن ہوگی۔

افحش الطلاق، اخبث الطلاق وغیرہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو افحش الطلاق، اخبث الطلاق، اسوء الطلاق، طلاق الشیطن، طلاق البدعۃ، کالجبل، مثل الجبل، ان الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ کہے تو قاعدہ کی رو سے ہر لفظ ایسا ہے جس سے طلاق کے معنی میں شدت پیدا ہو رہی ہے اس لیے ان میں سے ہر لفظ سے طلاق بائن پڑے گی۔ البتہ ان میں سے بعض الفاظ میں کچھ روایات بھی ہیں:

1۔ انت طالق طلاق البدعۃ میں امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ کیونکہ حالت حیض کی طلاق گو بدعت ہوتی ہے لیکن ہوتی وہ بھی رجعی ہی ہے، بائن نہیں، اس لیے اس لفظ سے طلاق رجعی پڑے گی، البتہ بائن کی نیت کی تو بائن پڑے گی۔

2۔ طلاق البدعۃ اور طلاق الشیطان ان دونوں لفظوں میں امام محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ ان دونوں سے بہر صورت رجعی پڑے گی، بائن نہیں پڑے گی۔ کیونکہ ان الفاظ میں رجعی بننے کا بھی احتمال ہے اور بائن کا بھی اور اصل کی رو سے یہ رجعی طلاق کے الفاظ ہیں اس لیے شک کی وجہ سے بینونت ثابت نہ ہوگی بلکہ اصل طلاق ثابت ہوگی۔ لان الیقین لا یزول بالشك

3۔ انت طالق کالجبل اور انت طالق مثل الجبل کے الفاظ میں امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق ہوگی؛ کیونکہ اس کے ایک معنی یہ بنتے ہیں کہ جس طرح پہاڑ منفرد ہیں اسی طرح تجھے بھی پہاڑ کی طرح منفرد طلاق۔ اس لحاظ سے معنی میں کوئی شدت پیدا نہیں ہو رہی۔ البتہ دیانتاً اس کی بات معتبر ہوگی قضاءً نہیں۔

أنت طالق أشد الطلاق وغیرہ

أنت طالق أشد الطلاق أنت طالق کالف، انت طالق ملء البیت، ان تینوں الفاظ سے طلاق بائن ہوگی۔ اور تین کی نیت کی تو تین ہو جائیں گی۔ ہر ایک کی تشریح ملاحظہ فرمائیں!

1۔ اشد الطلاق والی صورت میں شدت کے معنی واضح ہیں، اس لیے بائن پڑے گی اور تین کی نیت اس لیے جائز ہے کہ اشد الطلاق مصدر ہے، مصدر اسم جنس ہے فرد حقیقی اور فرد حکمی دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔

2۔ انت طالق کالف میں دو احتمال ہیں: کالف بول کر قوت کے معنی لے رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید کالف رجل، زید طاقت میں ہزار آدمیوں کی طرح ہے۔ اور عدد کا بھی احتمال ہے کہ ہزار طلاقیں ہیں۔ اس لیے اگر کسی بھی ایک معنی کی نیت کرلے تو نیت معتبر ہے اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو اقل پر فیصلہ کریں گے اور اقل یہ ہے کہ بجائے تین کے ایک طلاق ہو لیکن قوی ہو یعنی بائن۔

3۔ انت طالق ملء البیت میں بھی دو احتمال ہیں: یا تو عظمت مراد ہے کہ کمرہ بھر کر طلاق۔ اس سے شدت پیدا ہو رہی ہے لہذا ایک طلاق بائن بنتی ہے۔ یا پھر مراد تکثیر ہے مطلب یہ کہ چیزیں چھوٹی ہوں لیکن اتنی زیادہ کہ پورا کمرا بھر جائے۔ اس معنی کی رو سے کثیر طلاقوں کی نیت مراد لی جاسکتی ہے لیکن طلاقیں زیادہ سے زیادہ تین ہوتی ہیں اس لیے تکثیر والے معنی مراد لینے کی صورت میں تین ہی ہوں گی۔ البتہ اگر دونوں میں سے کوئی نیت نہ ہو تو اقل پر فیصلہ کریں گے اور اقل یہ ہے کہ بجائے تین کے ایک طلاق ہو لیکن قوی ہو یعنی بائن۔

کون سی تشبیہ سے طلاق بائن ہوگی؟

اس حوالے سے تین قول ہیں:

1۔امام صاحب کا موقف کافی کمزور ہے کہ ہر طرح کی تشبیہ سے طلاق بائن پڑے گی چاہے مشبہ بہ عرف میں بڑی شمار ہوتی ہو یا نہیں اور چاہے لفظوں میں عظمت یا بڑائی کا تلفظ ہو یا نہیں۔

2۔امام ابو یوسف کا موقف بنسبت پھر بھی بہتر ہے کہ اس تشبیہ سے طلاق بائن بنے گی جس میں عظمت یا بڑائی کا لفظ مذکور ہو۔

3۔امام زفر کا مذہب سب سے بہترین ہے کہ عرف کا اعتبار ہے۔ عرف میں جس چیز کو بڑا سمجھا جائے اور شدت کے معنی پیدا کرے اس سے طلاق بائن ہو گی ورنہ نہیں۔ صاحب ہدایہ نے امام زفر کے قول کو سب سے آخر میں ذکر کیا ہے اس سے لگتا یہی ہے کہ ان کے نزدیک امام زفر کا قول راجح ہے۔

مذکورہ اختلاف کی تطبیق کے لیے صاحب ہدایہ نے چار مثالیں دی گئی ہیں: ایک متفق علیہ اور تین اختلافی۔

1۔انت طالق مثل عظم الجبل متفق علیہ مثال ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تشبیہ کی وجہ سے طلاق بائن پڑے گی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس لیے کہ لفظ عظمت مذکور ہے اور امام زفر کے نزدیک اس لیے کہ عرف میں اس سے شدت کے معنی لیے جاتے ہیں۔

2۔انت طالق مثل رأس الابرۃ ۔اس سے امام صاحب کے نزدیک بائن پڑے گی؛ کیونکہ تشبیہ دی گئی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک طلاق بائن نہیں پڑے گی، رجعی پڑے گی، کیونکہ لفظ عظمت مذکور نہیں۔ امام زفر کے نزدیک بھی رجعی پڑے گی بائن نہیں؛ کیونکہ عرف میں اس سے شدت پیدا نہیں ہوتی۔

3۔انت طالق مثل عظم رأس الابرۃ۔ اس سے امام صاحب کے نزدیک بائن پڑے گی؛ کیونکہ تشبیہ دی گئی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بھی طلاق بائن پڑے گی، کیونکہ لفظ عظمت مذکور

ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک رجعی پڑے گی بائن نہیں؛ کیونکہ عرف میں اس سے شدت پیدا نہیں ہوتی۔

4۔ انت طالق مثل الجبل ۔ اس سے امام صاحب کے نزدیک بائن پڑے گی؛ کیونکہ تشبیہ دی گئی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک طلاق رجعی پڑے گی، کیونکہ لفظ عظمت مذکور نہیں۔ امام زفر کے نزدیک بائن پڑے گی؛ کیونکہ عرف میں اس سے شدت پیدا ہوتی ہے۔

أنت طالق تطليقة شديدة، عريضة، طويلة

ان تینوں الفاظ سے بھی طلاق بائن ہو گی پہلے لفظ سے بائن ہونا واضح ہے۔ دوسرے تیسرے لفظ سے بایں معنی کہ عرف میں کسی چیز کے اندر شدت پیدا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تو لمبا چوڑا مسئلہ ہے۔ مطلب مشکل مسئلہ ہے اس لیے اس سے بھی شدت پیدا ہو گی۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ آخری مسئلے میں طلاق کو طول یا عرض سے موصوف کرنا لغو ہے اس لیے طلاق رجعی واقع ہو گی۔

فصل فی الطلاق قبل الدخول

طلاق صریح کے حوالے سے یہ آخری فصل ہے اس کے بعد طلاق کنائی کے احکام شروع ہو جائیں گے۔ اس فصل میں یہ احکام بیان ہوئے ہیں کہ اگر غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں تین دی جائیں، جیسے: انت طالق انت طالق انت طالق تو وہ پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہو جائے گی اور بقیہ دو طلاقیں طلاق کا محل نہ رہنے کی وجہ سے لغو ہو جائیں گی، لیکن اگر تین یا دو طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو وہ سب پڑ جائیں گی؛ کیونکہ پیچھے ضابطہ فقہیہ گزرا ہے کہ طلاق جب عدد کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو طلاق عدد سے واقع ہوتی ہے لفظ طلاق سے نہیں۔ کیونکہ عدد کے ساتھ اس کا معدود محذوف ہوتا ہے طلاق اس سے پڑتی ہے جیسے انت طالق ثلاثا کہا تو دراصل یہ جملہ اس طرح بنتا ہے: انت طالق طلاقا ثلاثا اس لیے انت طالق اپنا عمل نہیں دکھاتا بلکہ عدد معدود مل کر اپنا عمل دکھاتے ہیں

اس لیے مجبوراً تینوں پڑجاتی ہیں۔ اسی قاعدہ پر اگر شوہر انت طالق واحدۃ یا ثنتین یا ثلثا کہنا چاہ رہا تھا اور بیوی انت طالق کا لفظ سنتے ہی مر گئی۔ واحدۃ وغیرہ نہیں سنا تو ایک بھی طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ ابھی ہم نے مانا کہ عدد کے ساتھ طلاق دی جائے تو طلاق عدد سے پڑتی ہے یہاں جب عدد کا لفظ سنا ہی نہیں تو طلاق بھی واقع نہ ہوئی۔

انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ وغیرہ

انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ، بعد واحدۃ، قبلھا واحدۃ، بعد ھا واحدۃ، یہ چار الفاظ ہیں، لیکن دو صورتوں میں ایک طلاق ہو گی دو صورتوں میں دو۔ انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ اور انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ ان دو صورتوں میں ایک ہو گی اور انت طالق واحدۃ قبلھا واحدۃ اور انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ ان دو صورتوں میں دو ہوں گی۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے دو قاعدے ملاحظہ کریں:

1۔ قبل اور بعد (ھا) ضمیر کے بغیر آئیں تو یہ ما قبل کی صفت بنتے ہیں، لیکن اگر ضمیر کے ساتھ آئیں تو ما بعد کی صفت بنتے ہیں، جیسے جائنی زید قبل عمرو کا مطلب ہے زید عمرو سے پہلے آیا یعنی پہلے زید آیا پھر عمرو آیا۔ جائنی زید بعد عمرو کا مطلب ہے زید عمرو کے بعد آیا یعنی پہلے عمرو آیا پھر زید آیا۔ اگر ضمیر کے ساتھ کہیں جیسے جائنی زید قبلہ عمرو تو اس کا مطلب پہلے والے جملے کے مقابلے میں الٹ جائے گا۔ مطلب زید آیا لیکن اس سے پہلے عمرو آچکا ہے تو پہلے عمرو آیا پھر زید آیا۔ جائنی زید بعدہ عمرو کا مطلب بھی پلٹ جائے گا، مطلب یہ بنے گا کہ زید پہلے آیا اور عمرو اس کے بعد آیا۔

2۔ انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی گزرا۔ کیونکہ انسان ماضی میں طلاق واقع نہیں کر سکتا اس لیے مجبوراً اسے فی الحال ماننا پڑتا ہے۔

اب آیئے! ان قاعدوں کو ان الفاظ پر منطبق کرتے ہیں۔انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ اور انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ دونوں کا مطلب ایک ہی بنتا ہے کہ تجھے ایک طلاق، اس کے بعد ایک طلاق۔ کیونکہ جاءنی زید قبل عمرو کا مطلب ہم نے یہ سمجھا تھا کہ پہلے زید آیا پھر عمرو آیا اسی طرح یہاں بھی پہلے والی طلاق پڑے گی پھر دوسری والی پڑنے لگے گی کہ اس سے پہلے غیر مدخولہ بائنہ ہو چکی ہو گی اور طلاق کی محل نہیں رہے گی۔

دوسرے دو جملے انت طالق قبلھا واحدۃ اور انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ ان جملوں میں غور کریں تو دونوں کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ ابھی طلاق لیکن اس سے پہلے بھی ماضی میں ایک پڑ چکی۔ تو فی الحال والی طلاق تو فوراً پڑ جائے گی اور جو ماضی میں واقع کر رہا ہے وہ ماضی میں واقع نہیں ہو سکتی اس لیے اسے بھی فی الحال ماننی پڑے گی گویا یوں مانا جائے گا کہ اس نے دو طلاقیں ایک ساتھ فی الحال دی ہیں، اس لیے دونوں ساتھ واقع ہو جائیں گی، جیسے انت طالق واحدۃ مع واحدۃ اور معھا واحدۃ ان دونوں صورتوں میں بھی دو طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوتی ہیں۔ ذیل کے چارٹ میں ان کے درمیان فرق واضح کیے گئے ہیں:

واحدۃ قبل واحدۃ، واحدۃ بعدھا واحدۃ	واحدۃ قبلھا واحدۃ، واحدۃ بعد واحدۃ
دونوں فی الحال ہیں، ایک پڑ گئی دوسری کا محل نہیں رہی	پہلی طلاق فی الحال ہے دوسری ماضی میں دے رہا ہے
صرف قاعدہ اولیٰ جاری ہو رہا ہے قاعدہ ثانیہ کی ضرورت پیش نہیں آ رہی	دونوں قاعدے جاری ہو رہے ہیں
انت طالق انت طالق کہنے کی طرح ہے	انت طالق مع طالق کہنے کی طرح ہے

إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة

إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة، أنت طالق واحدة وواحدة إن دخلت الدار، ان جملوں میں شرط پائے جانے کی صورت میں پہلے جملے سے ایک طلاق پڑے گی دوسرے سے دو۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا جملہ سیدھا شرط جزا ہے، ایسا نہیں ہے کہ شروع میں کچھ ہو بعد میں کچھ، جبکہ دوسرے جملہ تقدیم وتاخیر کی وجہ سے بیان تغییر بن رہا ہے، سننے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ دو الگ الگ لفظوں میں غیر مدخولہ کو طلاق دے رہا ہے لہذا ایک بنے گی لیکن جب متصلا إن دخلت الدار کہا تو سامع چونک گیا کیونکہ بیان بدل گیا۔ اب یہ دونوں جملے بیک وقت دخول دار پر موقوف ہوں گے جبکہ پہلے والی صورت میں واحدة وواحدة یہ دو الگ الگ طلاقیں ہیں، دونوں ان دخلت الدار پر موقوف نہیں، اس لیے صرف ایک طلاق ہو گی۔

صاحبین کا اختلاف ہے ان کے نزدیک پہلی صورت میں بھی دو طلاقیں ہو گی جس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے اس لیے بیچ میں واؤ کو ذکر کرنا ایسے ہی ہے جیسے مع ذکر کیا ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے واؤ جمع کے لیے آتا ہے اور اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اکٹھی طلاقیں پڑیں، لیکن دوسری طرف واؤ ترتیب کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے فا اور ثم ترتیب کے لیے آتا ہے لہذا جس طرح فا اور ثم کہنے کی صورت میں ایک طلاق ہوتی ہے واؤ کہنے کی وجہ سے بھی ایک ہی ہونی چاہیے۔ نیز جیسے انت طالق واحدة وواحدة کہنے کی صورت میں ایک طلاق ہوتی ہے تو شرط جزا بنانے کی صورت میں بھی ایک ہی ہو گی۔ معلوم ہوا کہ ایک پڑنا یقینی ہے دوسری میں تعارض ادلہ کی وجہ سے شک ہے اور شک سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ الیقین لا یزول بالشك اس لیے ایک طلاق ہو گی دو نہیں۔ ولو عطف بحرف الفاء فهو على هذا الخلاف فيما ذكر الكرخي رحمه الله وذكر الفقيه أبو الليث أنه يقع واحدة بالاتفاق لأن الفاء للتعقيب وهو الأصح

کنایات طلاق

بتایا جاچکا ہے کہ کنائی وہ الفاظ ہیں جس میں طلاق کا بھی احتمال ہو اور دیگر احتمالات بھی ہوں۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: کنایات رجعیہ اور کنایات بائنہ

کنایات رجعیہ:

کنایات رجعیہ، وہ کنایات جن سے نیت طلاق ہونے کی صورت میں طلاق تو ہوتی ہے لیکن رجعی ہوتی ہے اور ایک ہی ہوتی ہے تین کی نیت معتبر نہیں۔ یہ تین الفاظ ہیں اعتدی استبرئی رحمك اور انت واحدة

یہ کنایات اس طرح ہیں کہ ہر ایک میں ایک سے زائد احتمالات ہیں۔ اعتدی میں ایک احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی نعمتیں شمار کر، ظاہر ہے اس سے طلاق نہ ہوگی۔ اور دوسری نیت یہ ہو سکتی ہے کہ عدت کے دن شمار کرنا شروع کر دے؛ کیونکہ میں طلاق دے چکا ہوں۔ استبرئی رحمك میں ایک احتمال یہ ہے کہ رحم کی صفائی کر اس لیے کہ میں طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس سے طلاق نہیں ہوگی، دوسرا احتمال یہ ہے کہ رحم کی صفائی اس لیے کر کہ میں طلاق دے چکا ہوں، اب عدت پوری کر کے اگلے شوہر کے لیے رحم صاف کر لے۔ انت واحدة میں ایک احتمال یہ ہے کہ تو پوری دنیا کی یکتا و منفرد خاتون ہے یا اپنے خاندان کی منفرد خاتون ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ تجھے ایک طلاق ہے۔ جب احتمالات زیادہ ہیں تو یہی کنایہ ہے، اس لیے نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق ہو جائے گی۔

رہا یہ سوال کہ رجعی کیوں ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے دو جملوں میں اقتضاء النص کی بنیاد پر انت طالق مقتضلاً مانا جائے گا اور طالق مصدر نہیں بلکہ اسم فاعل ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ انت طالق صراحت سے کہے تب بھی ایک ہی طلاق ہوتی ہے، ایک سے زیادہ کی نیت درست

نہیں۔انت واحدۃ میں گو مصدر طلقۃ محذوف ہے لیکن تین کی نیت اس لیے معتبر نہیں کہ واحدۃ کالفظ ہی تین کی نفی کر رہا ہے۔

کنایات بائنہ:

مذکورہ بالا تین الفاظ کے علاوہ بقیہ تمام الفاظ کنایات بائنہ ہے۔ جس کی تعداد 23 سے زیادہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ سچویشن دیکھی جائے گی کہ شوہر نے کس حالت مین یہ الفاظ کہے ہیں۔شوہر تین میں سے کسی ایک حالت میں ہو گا:یا تو وہ نارمل حالت میں ہو گا،اسے حالت رضا کہتے ہیں یا وہ غصے میں کہہ رہا ہو گا،اکثر یہی حالت ہوتی ہے اسے حالت غضب کہتے ہیں یا پھر بیوی یا اور کوئی اس سے طلاق کا مطالبہ کر رہا ہو گا اور اس کے جواب میں اس نے ان میں سے کوئی لفظ کہا ہو گا۔یا کنائی سے پہلے طلاق رجعی کا لفظ کہہ چکا ہو گا۔ان تینوں کو حالت مذاکرہ طلاق کہتے ہیں۔

پھر کنایات بائنہ کی بھی تین قسمیں ہیں:

1۔ایک کنایات ضعیفہ جس میں دو پہلو نکلتے ہیں:ایک طلاق کا دوسرا طلاق کے مطالبے کو رد کر دینے کا۔ان الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لیے گزشتہ تین حالتوں میں سے ہر حالت میں نیت ضروری ہے،اس کے بغیر طلاق نہ ہو گی۔طلاق کی نیت کی صورت میں جتنی بار بھی کہے فقط ایک طلاق ہو گی۔تین بار کہے تب بھی ایک ہی ہو گی۔لان البائن لایلحق البائن۔بائن کا مطلب یہ ہے کہ اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ہاں دوران عدت اور عدت کے بعد نکاح جدید ہو سکتا ہے۔اذہبی اخرجی قومی انطلقی تخمری تقنعی استتری اغربی،یہ سب کنایات ضعیفہ ہیں۔

2۔دوسرے الفاظ کنایات متوسطہ ہیں،اس میں بھی دو پہلو نکلتے ہیں:ایک طلاق کا اور دوسرا بیوی کو برا بھلا کہنے اور کوسنے کا،اس کی توہین و تذلیل کا۔ان الفاظ سے طلاق لگنے کے لیے حالت رضا اور حالت غضب میں نیت ضروری ہے،مذاکرہ طلاق کی حالت میں نیت کی ضرورت نہیں،

بغیر نیت طلاق ہو جائے گی۔ جس صورت میں طلاق ہو جائے گی تین بار کہے تب بھی ایک ہی ہو گی۔لان البائن لایلحق البائن۔ بائن کا مطلب یہ ہے کہ اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ہاں دوران عدت اور عدت کے بعد نکاح جدید ہو سکتا ہے۔ بائن خلیة بریة بتة بتلة لاملك لی علیك لاسبیل لی علیك خلیت سبیلك حرام۔یہ سب کنایات متوسطہ ہیں۔

ان الفاظ میں سے آخری لفظ سے طلاق رجعی ہو گی،بائن نہیں،بقیہ تمام الفاظ سے بائن ہو گی۔البتہ اصول وہی رہے گا جو اوپر بیان ہوا۔یعنی نیت ہو یا مطالبہ طلاق ہو تب طلاق ہو گی۔

3۔ تیسرے الفاظ کنایات قویہ ہیں،اس میں صرف ایک ہی پہلو نکلتا ہے یعنی طلاق کا،دوسرا پہلو نہیں نکلتا۔ کنایات قویہ میں حالت رضا میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہو گی جبکہ حالت غضب اور مذاکرۂ طلاق میں نیت کی ضرورت نہیں،بغیر نیت طلاق ہو جائے گی۔ تین بار کہے تب بھی ایک ہی ہو گی۔لان البائن لایلحق البائن۔ بائن کا مطلب یہ ہے کہ اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ہاں دوران عدت اور عدت کے بعد نکاح جدید ہو سکتا ہے۔اعتدی استبرئی رحمك انت واحدة انت حرة سرحتك فارقتك یہ سب کنایات قویہ ہیں۔

اس بحث کو نقشے سے سمجھ لیں۔یہ نقشہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔استاذ محترم مفتی ابولبابہ دامت برکاتہم العالیہ نے ہدایہ ثانی کے حاشیہ میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

نقشہ کنایات

حالات	جواب اور رد: کنایات ضعیفہ: اذهبی، اخرجی، قومی، انطلقی، تخمری، تقنعی، استتری، اغربی	جواب اور سب: کنایات متوسطہ: بائن، خلیة، بریة، بتة، بتلة، لاملك لی علیك، لاسبیل لی علیك، خلیت سبیلك، حرام	صرف جواب: کنایات قویہ: اعتدی، استبرئی رحمك، انت واحدة، انت حرة، سرحتك، فارقتك
نارمل حالت میں کہے	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی
غصے میں کہے	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی	بغیر نیت طلاق ہوجائے گی
مطالبہ طلاق پہ کہے	بغیر نیت طلاق نہ ہوگی	بغیر نیت، طلاق ہوجائے گی	بغیر نیت طلاق ہوجائے گی

قدوری اور صاحب ہدایہ کا تسامح

قدوری کی عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کنایات ضعیفہ میں بھی مذاکرۂ طلاق کی کیفیت میں قضاء طلاق ہوجائے گی حالانکہ یہ درست نہیں؛ کیونکہ کنایاتِ ضعیفہ میں بہر صورت نیت ضروری ہے۔ہاں! بقیہ دو اقسام میں مذاکرۂ طلاق میں طلاق قضاء ہوتی ہے۔قال رضی اللہ عنہ سوی بین هذه الألفاظ وهذا فیما لا یصلح ردا

صاحب ہدایہ سے یہ تسامح ہوا ہے کہ امر ک بید ک اور اختاری کو کنایات میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ دو الفاظ تفویض طلاق کے ہیں۔ اسی طرح اعتدی کو جواب وسب والے الفاظ یعنی کنایات متوسطہ میں شمار کرنا بھی بظاہر تسامح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ شامیہ میں اسے کنایات قویہ میں شمار کیا گیا ہے۔ فارقتك بھی کنایات قویہ میں سے ہے۔

کنایات کے بارے میں امام شافعی کا موقف

کنایات کے حوالے سے امام شافعی کا دو جگہ اختلاف ہے۔ وہ اسے رجعی مانتے ہیں بائن نہیں۔ دوسرا وہ اسی وقت طلاق مانتے ہیں جب شوہر کی نیت ہو۔ حالت غضب اور مطالبہ طلاق کے قرائن کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ ہدایہ میں دوسرے مسئلے سے بحث نہیں کی گئی، صرف پہلے مسئلے سے بحث کی گئی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ کنایات کا مطلب ہوتا ہے: طلاق کے ایسے الفاظ استعمال کرنا جس میں طلاق کا بھی احتمال ہو اور غیر طلاق کا بھی۔ لیکن جب طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو اس سے طلاق واقع ہوتی ہے، لہذا جب دینا طلاق ہی چاہتا ہے تو جو حکم صریح کا ہے وہی اس کا بھی ہوگا؛ کیونکہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی فرع اور اس کے بدل کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح ایک مرتبہ صریح طلاق دینے کے بعد تین کا عدد گھٹ کر دو کا اختیار رہ جاتا ہے اسی طرح طلاق کنائی سے ایک بار طلاق دینے سے عدد گھٹ جاتا ہے۔ لہذا جب کنائی ان تمام امور میں صریح کی طرح ہے تو جو حکم صریح کا ہے وہی اس کا بھی ہونا چاہیے۔

احناف ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کنایات اس معنی میں تو ہیں کہ اس میں غیر طلاق کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ جب طلاق کی نیت ہو تو طلاق صریح کی نیت ہوتی ہے درست نہیں، کیونکہ ہمارا ماننا ہے کہ یہاں بات کچھ اور ہے، اگر شوہر کو صریح طلاق ہی دینی ہوتی تو وہ گول مول بات نہ کرتا، صاف صاف کہہ دیتا کہ طلاق دی لیکن اس کا صریح کے بجائے گول مول

تعبیر اختیار کرنا ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ طلاق میں شدت پیدا کرنا چاہتا اور طلاق کو بائن بنانا چاہتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ صراحت سے زیادہ شدت اور مبالغہ کنایہ میں ہوتا ہے اس لیے طلاق بائن واقع ہوگی۔

آپ کہیں گے کہ نیت تو اس کی طلاق کی ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ جی ہاں! نیت طلاق کی ہوتی ہے لیکن آپ اسے صریح سمجھ رہے ہیں حالانکہ اس کی نیت بائن کی ہوتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی دو قسموں میں سے ایک کو متعین کرنے کے لیے ہوتی ہے کیونکہ بائن کی ایک قسم بینونت خفیفہ ہے جس سے ایک طلاق بائن لگتی ہے اور دوسری قسم بینونت غلیظہ ہے جس سے تین طلاق بائن لگتی ہے۔ شوہر چاہے تو ایک کی نیت کرے چاہے تو تین کی کرے دونوں میں سے جس کی بھی نیت کرے گا درست ہے۔

رہی یہ بات کہ شوہر کو اس کا اختیار ہے کہ وہ طلاق کو بجائے رجعی کے بائن بنادے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! بالکل اختیار ہے۔ شوہر ایک عاقل بالغ اور تصرفات کا اہل شخص ہے اسے جیسے طلاق رجعی کی ضرورت ہے ویسے کبھی اسے طلاق بائن کا ناخوشگوار گھونٹ بھی پینا پڑسکتا ہے۔ طلاق بائن کی ضرورت اور اہمیت آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہوتا ہے، جس کا نقصان یہ ہے کہ چونکہ عورت شرعاً مرد کے گھر میں عدت گزارتی ہے اور بن سنور کر بھی رہتی ہے اب اگر وہ اچانک گھر میں داخل ہو اور اس کی نظر بیوی کی خوب صورتی پر پڑ جائے تو بہت ممکن ہے کہ کئی دنوں سے پیاسا نفس اس کی طرف ہاتھ بڑھا بیٹھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی رجوع ہو جائے، پھر فراغت کے بعد جب دوبارہ بیوی کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کا سامنا ہو تو دوبارہ طلاق دے بیٹھے پھر وہی ماجرا کہ رجوع کر بیٹھا پھر رجوع کے بعد وہی طلاق۔ اس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی بیوی تین طلاقیں پاکر مغلظہ

بن جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے، تدارک کا کوئی راستہ سوائے حلالہ کے نہیں رہ جاتا۔

اس کے مقابلے میں طلاق بائن اسے تدارک کا موقع فراہم کرتا ہے۔ طلاق بائن کا سب سے بڑا فائدہ ہی یہ ہے کہ ایک بار طلاق کے الفاظ کہہ دینے سے بیوی نکاح کے بندھن سے نکل جاتی ہے اب عدت کے دوران رجوع نہیں کر سکتا اگر قریب جاتا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے، بیوی کا بننا سنورنا بھی منع ہے اس لیے جماع کے مواقع ختم ہو گئے۔ خدا نخواستہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھا تب بھی رجوع نہ ہو گا اور طلاق کی حرمت لگی رہے گی۔ اس لیے ہم یہی کہیں گے کہ بندہ سمجھ دار ہے تدارک کا راستہ باقی رکھنا چاہتا ہے اور ایک طلاق بائن دے کر فارغ کرنا چاہتا ہے۔

اعتدی، اعتدی، اعتدی

شوہر نے تین بار اعتدی کا لفظ دہرایا تو اس کی چار صورتیں ہیں:

1۔ تینوں سے طلاق کی نیت نہیں ہے اور نہ غصہ ہے نہ مذاکرہ طلاق بلکہ حالت رضا ہے۔ تو کوئی طلاق نہ ہوگی نہ قضاءً نہ دیانۃً؛ کیونکہ ممکن ہے اس نے لفظ کے دوسرے معنیٰ مراد لیے ہوں کہ اللہ کی نعمتیں شمار کرو وغیرہ۔ اور اس لفظ کے اندر اس معنیٰ کا حقیقت میں احتمال بھی ہے اس لیے اس احتمال کو خلاف ظاہر نہیں کہہ سکتے۔

2۔ پہلے دو سے کوئی نیت نہیں تھی تیسری بار کہتے ہوئے طلاق کی نیت پیدا ہو گئی تو ایک طلاق اس تیسری بار سے ہو گی پہلے دو لفظوں سے کوئی طلاق نہ ہو گی۔

3۔ پہلے والے اعتدی سے طلاق کی نیت تھی اور دوسرے دو سے طلاق کی نیت نہ تھی تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی؛ کیونکہ پہلے لفظ سے جب طلاق کی نیت کی تو بقیہ دو کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا اور تقدم ذکر طلاق کو مذاکرہ طلاق شمار کر لیا جائے گا۔

4۔پہلے والے اعتدی سے طلاق کی نیت ہو اور بقیہ دو سے عدت کے حیض گنتی کرنے کی نیت ہو یا عدت میں بیٹھنے کا حکم دینا مقصد ہو تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی ہو گی؛ کیونکہ اعتدی کے حقیقی معنی جیسے طلاق کے ہیں ایسے ہی عدت میں بیٹھنے یا عدت کے لیے حیض شمار کرنا بھی اس کے حقیقی معنی ہیں۔ اور حقیقی معنی کی نیت خلاف ظاہر نہیں اس لیے قضاء اور دیانتا بہر صورت اس کی بات مانی جائے گی۔

ضابطہ فقہیہ

صاحب ہدایہ نے آخر میں طلاق کا ایک ضابطہ یہ بتایا ہے کہ کنایات میں جہاں بھی طلاق کی نیت نہ ہونے کے معاملے میں شوہر کی بات مانی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شوہر طلاق کی نیت نہ ہونے پر قسم اٹھالے تب اس کی بات مانی جائے گی۔

خلاصۂ اقسام طلاق

طلاق صریح	ملحق بالصریح	طلاق کنائی
ہمیشہ طلاق رجعی ہوتی ہے	اکثر بائن ہو گی	ہمیشہ طلاق بائن ہو گی (سوائے تین الفاظ کے)
بغیر نکاح رجوع کا حق ہے	بائن میں رجوع کا حق نہیں، نیا نکاح کرنا ہو گا	بائن میں رجوع کا حق نہیں، نیا نکاح کرنا ہو گا
شدت پیدا کردے تو طلاق بائن پڑے گی	الفاظ میں شدت ہوتی ہے اسی لیے بائن ہیں	الفاظ میں شدت ہوتی ہے اسی لیے بائن ہیں
بغیر نیت طلاق ہو جاتی ہے	بغیر نیت طلاق ہو جاتی ہے	طلاق کی دلیل ہو تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں
تین بار کہے تو مغلظہ ہو جائے گی	تین بار کہے تب بھی ایک ہی ہو گی	تین بار کہے تب بھی ایک ہی ہو گی

مصدر میں تین کی نیت درست ہے	تین کی نیت معتبر ہے	تین کی نیت معتبر ہے سوی الکنایات الرجعیہ

باب تفویض الطلاق

اختاری	امرک بیدک	طلقی نفسک
شوہر یا بیوی کے کلام میں نفس یا اس کے قائم مقام لفظ ضروری ہے	شوہر یا بیوی کے کلام میں نفس یا اس کے ہم معنی لفظ ضروری ہے	شوہر یا بیوی کے کلام میں نفس یا اس کے ہم معنی لفظ ضروری ہے
شوہر اختیار دے کر رجوع نہیں کر سکتا	شوہر اختیار دے کر رجوع نہیں کر سکتا	شوہر اختیار دے کر رجوع نہیں کر سکتا
شوہر تین کی نیت نہیں کر سکتا	شوہر تین کی نیت کر سکتا ہے	شوہر تین کی نیت کر سکتا ہے
مجلس کے ساتھ مقید ہے	مجلس کے ساتھ مقید ہے	مجلس کے ساتھ مقید ہے الا یہ کہ تفویض عام ہو
طلاق بائن واقع ہوگی، رجعی نہیں۔	طلاق بائن واقع ہوگی، رجعی نہیں۔	طلاق رجعی واقع ہوگی۔
تملیک طلاق ہے، توکیل نہیں	تملیک طلاق ہے، توکیل نہیں	تملیک طلاق ہے، توکیل نہیں

نقشے کی تشریح

1۔ ان سب کے ساتھ نفس یا اس کا قائم مقام لفظ لگانا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر طلاق والے معنی پیدا ہوں گے ہی نہیں۔ بلکہ اختاری قیاس کی رو سے سرے سے طلاق کا لفظ ہی نہیں ہے، اس کو اجماع صحابہ کی وجہ سے خلاف قیاس کنایات میں سے مانا گیا ہے اور اجماع صحابہ لفظ نفس کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے اس میں نفس کی قید ضروری ہے کہ دونوں یا کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس یا اس کا ہم معنی لفظ موجود ہو۔ جیسے اختاری نفسک کے جواب میں اخترت نفسی یا اخترت کہنا، یا اختاری کے جواب میں اخترت نفسی کہنا صحیح مانا جائے گا کیونکہ صراحتاً لفظ نفس کسی ایک یا دونوں کے کلام میں موجود ہے۔ اگر اختاری کے جواب میں اخترت اختیارۃ یا اختاری اختیارۃ کے جواب میں اخترت کہا تو یہ بھی درست ہے؛ کیونکہ ان دونوں الفاظ میں اختیارۃ قائم مقام نفس کے ہے۔

دوسرا لفظ ہے امرک بیدک یہ لفظ شوہر بنیت طلاق کہے اور بیوی اس کے جواب میں اخترت نفسی یا طلقت نفسی کہے تبھی طلاق ہوگی، ورنہ نہیں؛ کیونکہ لفظ نفس کے بغیر جملہ مبہم اور ناقص رہے گا۔ یہی صورت حال طلقی نفسک کے ساتھ ہے کہ نفسک کے بغیر طلقی نامکمل ہے کہ کس کو طلاق دے؟

2۔ ان الفاظ میں سے اختاری نفسک اور امرک بیدک کنایات میں سے ہیں اس لیے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تب اختیار ملے گا ورنہ نہیں اور طلاق بھی بائن ہوگی جبکہ طلقی نفسک صریح ہے اس لیے نیت کی ضرورت نہیں اور طلاق رجعی واقع ہوگی بائن نہیں۔

3۔ اختاری میں تین کی نیت اس لیے درست نہیں کہ یہ خلاف قیاس الفاظ طلاق میں سے ہے اس لیے بس ایک ہی طلاق واقع کریں گے اس سے زیادہ نہیں، دوسرا یہ کہ اختیار کی دو قسمیں نہیں ہوتیں، ایک ہی ہوتی ہے جبکہ امرک بیدک بقیہ الفاظ کی طرح ہیں جن میں

دو احتمالات نکلتے ہیں بینونت خفیفہ اور بینونت غلیظہ، اس لیے ان میں جیسے ایک کی نیت درست ہے اسی طرح تین کی نیت بھی درست ہے۔

اسی طرح طلقی نفسک میں تین کی نیت اس لیے درست ہے کہ اس میں مصدر چھپا ہوا ہے اس کی اصل افعلی فعل الطلاق ہے اور مصدر اسم جنس ہے فرد حقیقی اور فرد حکمی دونوں کی نیت درست ہے، اس لیے اس میں ایک اور تین کی نیت درست ہے دو کی نیت درست نہیں۔

البتہ اگر شوہر نے اختاری کا لفظ تین بار کہا اور بیوی نے جواب میں اخترت نفسی بواحدۃ یا اخترت کہا یا اخترت الاولی والوسطی والاخیرۃ کہا یا صرف اخترت الاولی کہا یا صرف اخترت الوسطی کہا یا صرف اخترت الاخیرۃ کہا بہر صورت تینوں طلاقیں ہو جائیں گی اور نیت کی ضرورت بھی نہ ہوگی؛ کیونکہ تین بار اس لفظ کو دہرانا ہی نیت کی دلیل ہے اور بیوی کا جواب میں اخترت وغیرہ کہنا اس کا جواب ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ تین الفاظ سے تین طلاقوں کا اختیار ملا جسے اس نے قبول کر لیا اس لیے تینوں ہو جائیں گی۔

صاحبین صرف آخری صورت میں یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق ہوگی؛ کیونکہ اولی، وسطی یا اخیرہ کا لفظ بیچ میں لانا اس کی دلیل ہے کہ ایک دینا چاہ رہی ہے تین نہیں۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ شوہر کو اللہ تعالی نے تین طلاق کا جو اختیار دیا ہے وہ خارج میں کوئی حسی چیز اور ترتیب وار چیز نہیں، بلکہ معنوی چیز ہے جو مجتمع شکل میں ہے جیسے کسی گھر میں تین افراد ہوں تو وہ مجتمع شکل میں ہوتے ہیں، ان میں ترتیب نہیں ہوتی۔ اس لیے جب کسی مجتمع ملکیت اسے منتقل کی گئی تو واقع بھی مجتمع طور پر ہوگی اس میں ترتیب لغو ہے۔ جب ترتیب لغو ہے تو اس کے تابع بن کر اولی، وسطی یا اخیرہ کے الفاظ کہے ہوں تو وہ بھی لغو ہوں گے۔

4۔ ان سے رجوع اس لیے نہیں کر سکتا کہ یہ تینوں تملیک طلاق کے الفاظ ہیں اور قاعدہ ہے کہ تملیکات میں جب ایک چیز کا اختیار آپ دوسرے کو منتقل کر دیتے ہیں تو اس سے مجلس

کے آخر تک رجوع نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ اگر بیوی کو اختیار ملنے کا علم نہ ہو تو شوہر کی مجلس کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ عورت کی مجلسِ علم کا اعتبار ہو گا۔ یہاں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ تملیکات مجلس پر منحصر رہتی ہیں لہذا شوہر کی مجلس کا اعتبار ہونا چاہیے؛ کیونکہ ان الفاظ میں جیسے تملیک کے معنی ہیں ویسے ہی تعلیق کے معنی بھی ہیں، اور تعلیق فقہاء کے عرف میں یمین شمار کی جاتی ہے اس لیے جس طرح یمین تصرف لازم ہے اس سے آپ رجوع نہیں کر سکتے، ایسے ہی یہ الفاظ بھی اس معنی میں یمین کی طرح ہیں کہ شوہر نے یہ کہا ہوتا ہے کہ اگر آپ کو طلاق کا اختیار ملا اور آپ نے طلاق کو اختیار کر لیا تو آپ کو طلاق، اس لیے عورت کو علم ہونا ضروری ہے ہاں جب علم ہو گیا تو اب تملیکات والا قاعدہ لوٹ آئے گا اور اسی مجلس علم میں اختیار منحصر رہے گا۔

5۔ مجلس کبھی حقیقت میں بدلتی ہے جیسے اس جگہ سے اٹھ کر چلے جانا اور کبھی حکما تبدیل ہوتی ہے جیسے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کوئی ایسا کام شروع کر دینا جو عرف میں پہلے سے الگ ہو۔ عورت کھڑی تھی کہ بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی کہ ٹیک لگا لیا تو یہ اعراض شمار نہ ہو گا وھو الاصح، اگرچہ دو دن تک بیٹھی رہے، اسی طرح اگر اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی کہ چار زانو بیٹھ گئی تو اس سے بھی مجلس تبدیل نہ ہو گی۔ لیکن بیٹھی تھی کہ لیٹ گئی یا کھڑی ہو گئی تو مجلس تبدیل ہو جائے گی۔ گواہوں کو بلایا یا کسی کو مشورہ کے لیے بلایا تو مجلس تبدیل نہ ہو گی۔ سواری پر سوار تھی اور سواری خود چلا رہی تھی یا اسے روکنا طاقت میں تھا جیسے ذاتی ڈرائیور ہو یا خود رکشا بک کروایا ہو لیکن پھر بھی اس نے نہ روکا تو مجلس تبدیل ہو جائے گی لیکن اگر اسے روکنا ممکن نہ تھا جیسے ہوائی جہاز، ریل گاڑی، مسافر بس وغیرہ تو اختیار باقی رہے گا اور مجلس تبدیل نہ ہو گی۔

مضارع کا استعمال

شوہر کے قول اختاری کے جواب میں بیوی اختار نفسی صیغۂ مضارع کے ساتھ کہے تو کیا حکم ہے؟

جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ طلاق نہ ہو؛ کیونکہ صیغۂ مضارع مستقبل کے لیے آتا ہے اس لیے یہ محض ایک وعدہ ہو گا اور اگر اسے حال کا صیغہ مانیں تب بھی بہر حال اس میں مستقبل کے معنیٰ کا احتمال موجود ہوتا ہے اس لیے ایسے مشکوک لفظ سے طلاق نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے طلقی نفسک کے جواب میں بیوی اطلق نفسی کہے تو بالاتفاق طلاق نہیں ہوتی کیونکہ یہ وعدۂ طلاق ہے انشاء طلاق نہیں۔

تاہم راجح یہ ہے کہ استحساناً طلاق ہو جائے گی۔ استحسان سے مراد استحسان بالاثر ہے کیونکہ ازواج مطہرات کو جب آپ ﷺ نے اختیار دیا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے لا بل اختار اللہ و رسولہ صیغۂ مضارع استعمال کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وعدہ کے معنیٰ نہیں بلکہ انشاء کے معنیٰ ہیں۔

باقی یہ کہنا کہ صیغۂ مضارع مستقبل کے لیے آتا ہے یا مستقبل کا احتمال بہر حال ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کہ مضارع مستقبل کے لئے آتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تین اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ مستقبل میں حقیقت ہے حال میں مجاز۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حال کے لیے حقیقت ہے اور مستقبل کے لیے مجاز ہے جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ مشترک لفظ ہے۔ پھر اس تیسرے قول کے مطابق اگر دل کے اعتقاد یا قلبی احساسات کو صیغۂ مضارع سے بیان کیا جائے گا تو حتمی طور پر حال کے معنیٰ مراد ہوں گے جیسے اشھد ان لا الہ الا اللہ وغیرہ میں حال کے معنیٰ حتمی ہیں؛ کیونکہ پہلے دل میں ایمان آئے گا پھر زبان سے اس کا اظہار کرے گا۔ احبک فی اللہ میں بھی اسی وجہ سے حال کے معنیٰ حتمی ہیں، کسی سے دل میں پہلے محبت پیدا ہوتی ہے اس کے بعد اس کو زبان سے ظاہر کیا جاتا ہے اس لیے اس میں حال کے معنیٰ حتمی ہیں، لیکن جہاں جوارح کا کوئی فعل مضارع سے بیان کیا جائے تو وہاں مستقبل کے معنیٰ کا احتمال موجود ہوتا ہے۔

اس قاعدے کی یہاں تطبیق کی جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اختار اختیار سے ہے جو دل کا عمل ہے۔ انسان پہلے دل میں اختیار کر چکا ہوتا ہے اس کے بعد اس کا حتمی اظہار زبان سے کرتا ہے اس لیے جب بیوی اختار کہے گی تو دل کے حتمی فیصلے کی ترجمانی زبان سے کر رہی ہو گی۔ اس کے برعکس طلاق فعل ہی جوارح کا ہے اس لیے اطلق کہنے کی صورت میں معاملہ مشکوک ہے کہ طلاق دے رہا ہے یا ابھی صرف اس کا وعدہ کر رہا ہے اور بعد میں دل سے سوچ کر کنفرم کرے گا؛ کیونکہ انسان بیک وقت دو کام نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن الہمام بحث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ عرف میں اطلق نفسی سے بھی حال کے معنی مراد لیے جاتے ہیں اس بنا پر اطلق نفسی سے بھی طلاق ہو جائے گی۔

امرک بیدک الیوم وبعد غد

اگر شوہر یوں کہے کہ امرك بيدك اليوم وغدا یعنی تجھے آج بھی اختیار ہے اور کل بھی یا یوں کہے کہ امرك بيدك يومين، تو آج کی رات بالاتفاق شامل ہو گی، اور اگر آج اختیار رد کر دیا تو کل کا اختیار بھی رد ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ ایک ہی امر ہے۔ اس کی جگہ شوہر اگر یوں کہے امرك بيدك اليوم وامرك بيدك غدا تو اس صورت میں بالاتفاق رات داخل نہ ہو گی کیونکہ دو الگ الگ جملوں سے الگ الگ دو اختیارات دیے ہیں، اس لیے ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہ ہو گا اور الیوم کو اس کے حقیقی معنی یعنی بیاض النهار پر محمول کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر ایک دن اختیار کو رد کر دیا تو دوسرے دن مستقل نیا اختیار حاصل ہو گا۔ اسی طرح اگر شوہر یوں کہے کہ انت طالق اليوم وبعد غد تجھے آج بھی طلاق اور آنے والی پرسوں کے دن بھی طلاق، تو اس صورت میں بھی بالاتفاق طلاق دن رات بلکہ ہر وقت کے لیے پڑی رہے گی؛ کیونکہ طلاق جب پڑتی ہے تو ہمیشہ کے لیے پڑتی ہے۔

اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ امرك بيدك اليوم وبعد غد کہہ دے۔ امام زفر رحمہ اللہ اس صورت میں بھی رات کو شامل کرتے ہیں اور اسے انت طالق اليوم وبعد غد پر قیاس کرتے

ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں رات شامل نہیں کیونکہ رات اس وقت شامل ہوتی جب آج اور پرسوں میں کوئی فاصلہ نہ ہوتا لیکن یہاں تو غد کا فاصلہ آرہا ہے اس لیے مجبورا الیوم کو اس کے حقیقی معنی میں لینا پڑے گا اور یوں کہنا پڑے گا کہ دیکھنے میں یہ ایک جملہ ہے لیکن در حقیقت یہ دو الگ الگ جملے ہیں، لہذا جو حکم امرك بيدك اليوم و امرك بيدك غدا کا ہے وہی اس کا بھی ہوگا۔ باقی امام زفر کا اسے انت طالق اليوم وبعد غد پر قیاس کرنا درست نہیں؛ کیونکہ طلاق ایسی چیز ہے کہ جب پڑتی ہے تو ہمیشہ کے لیے پڑتی ہے۔

مجلس کے بعد بھی اختیار حاصل کرنے کا طریقہ

اختاری نفسك، امرك بيدك اور طلقي نفسك: ان تینوں الفاظ سے بیوی کو طلاق کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ تملیکات مجلس پر منحصر رہتی ہیں، جیسے بیع، نکاح وغیرہ۔ اس لیے ان الفاظ سے ملنے والا اختیار بھی مجلس پر منحصر رہے گا، البتہ چند صورتوں میں مجلس کے بعد بھی اختیار مل سکتا ہے:

1۔ اگر شوہر متی شئت، یا ای وقت شئت یا کلما شئت کا لاحقہ بڑھادے تو اس کی وجہ سے مجلس کے بعد بھی اختیار ملے گا۔

2۔ تملیک کے بجائے توکیل طلاق کی صورت ہو مثلا: کسی اور سے کہا جائے: د، تو اس صورت میں مجلس کے بعد بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے؛ کیونکہ توکیل کا مطلب ہوتا ہے نیابت اور کسی کام میں معاونت چاہنا اس لیے اس سے ملنے والا اختیار مجلس تک منحصر نہیں رہے گا۔

تاہم توکیل سے ملنے والا اختیار ضعیف ہے کیونکہ موکل جب چاہے اسے معزول کر سکتا ہے اور رجوع کر سکتا ہے، جبکہ تملیک کی صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔

ہاں! اگر طلق امراتی کے بعد ان شئت کا لفظ بڑھا دیا تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام زفر کے نزدیک طلق امراتی اور طلق امراتی ان شئت دونوں میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں ہی توکیل

طلاق کے الفاظ ہیں، دونوں میں ہی وکیل جب چاہے گا طلاق واقع کرے گا، اگر وہ ان شئت نہ کہتا تب بھی اپنی مرضی ہی سے اس نے طلاق دینی ہے، جیسے کسی کو وکیل بالبیع بناتا ہو تو بعہ کہے یا بعہ ان شئت کہے دونوں صورتیں برابر ہیں۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ان شئت گیم چینجر لفظ ہے، اس نے اسے توکیل طلاق کے بجائے تملیک طلاق بنا دیا؛ کیونکہ مالک کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ شخص جو اپنے اختیار سے وہ کام کرے ان شئت کہہ کر شوہر نے اسے طلاق کا مالک بنا دیا لہذا جو حکم تملیک طلاق کے الفاظ کا ہے وہی اس کا ہو جائے گا۔ اور بعہ اور بعہ ان شئت پر قیاس اس لیے درست نہیں کہ بیع تعلیق کو قبول نہیں کرتا جبکہ نکاح تعلیق کو قبول کرتا ہے اس لیے اس پر قیاس قیاس مع الفارق ہو گا۔

اختیارات سے تجاوز کا قاعدہ

شوہر نے جیسا اختیار منتقل کیا ہو گا بیوی کو وہی اختیار ملے گا اس سے زائد اختیار لینے کی کوشش درست نہیں، اگر رجعی کا اختیار دیا تھا اور اس نے بائن واقع کی تو بائن واقع نہیں ہو گی، رجعی واقع ہو گی۔ بائن کا اختیار دیا تھا اور اس نے رجعی واقع کی تو بائن ہو گی اور بیوی کی طرف سے اضافی کہا جانے والا لفظ لغو ہو جائے گا۔

بیوی سے کہا تھا طلقی نفسك اور وہ کہے ابنت نفسی تو طلاق رجعی ہو گی، بائنہ نہ ہو گی۔ اور اگر طلقی نفسك کے جواب میں اخترت نفسی کہا تو کوئی بھی طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ اختاری کا لفظ اصلا طلاق کا ہے ہی نہیں، اس سے طلاق صرف اسی شکل میں ہو گی جس شکل میں صحابہ کا اس پر اجماع ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اگر شوہر صرف اختاری بنیت طلاق کہے یا اخترتك بنیت طلاق کہے تو بھی طلاق نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر بیوی اخترت نفسی کہے اور شوہر جواب میں اجزت ذلك کہے تو بھی طلاق نہ ہو گی کیونکہ یہ اس مخصوص طریقے سے ہٹ کر ہے

جس پر اجماع صحابہ ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں اگر شوہر ابنتك بنیت طلاق کہے یا بیوی ابنت نفسی کہے اور شوہر اجزت ذلك کہے تو طلاق ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر بیوی کو ایک طلاق کا اختیار دیا تھا تو ایک ہی طلاق واقع کرے تین واقع نہیں کر سکتی، لیکن اگر تین دیدیں تو صاحبین کے نزدیک ایک طلاق ہو گی بقیہ دو لغو ہوں گی اور یہ ایسے ہی ہو گا جیسے شوہر کو اللہ نے تین طلاق کا اختیار دیا ہے لیکن وہ حدود سے تجاوز کر کے 1000 طلاق دیدے تو طلاقیں تین ہی ہوں گی، اس سے زائد نہ ہوں گی، اسی طرح یہاں اس نے بیوی کو ایک کا اختیار دیا تو بیوی کو ایک کا اختیار مل گیا اب وہ حدود سے تجاوز کرتی ہے تو کم از کم ایک تو واقع ہونی ہی چاہیے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بھی طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ تین کے اندر تو ایک شامل ہے لیکن ایک کے اندر تین شامل نہیں۔ شوہر نے اسے ایک کا اختیار دیا ہے تین کا نہیں اور ایک اور تین آپس میں ضد ہیں۔ ایک مفرد ہے اور تین جمع، اور مفرد اور جمع باہم جمع نہیں ہو سکتے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ اس نے الٹا ہی کام کیا ہے اور ایک نیا ہی کام کیا ہے جیسا کہا گیا تھا ویسا بالکل بھی نہیں کیا۔ اس لیے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا یہ تصرف لغو ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس سے کہا گیا ہو کہ اپنی سوکن کو طلاق دے دے اور وہ سوکن کے بجائے الٹا خود کو طلاق دے دے جبکہ اس کے برعکس صورت میں کہ جب تین کا اختیار دیا گیا ہو اور بیوی ایک واقع کر دے تو ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ تین کے اندر ایک خود بخود شامل ہے۔ جب اسے تین کا اختیار ہے تو ایک کا بدرجہ اولی اختیار ہے۔

یہاں ایک مسئلہ اور ہے اور وہ یہ کہ طلقی نفسك ثلثا سے سب مانتے ہیں کہ تین کا اختیار منتقل ہو گا، لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ان شئت کا لفظ بڑھا دے تو کیا کوئی فرق پڑے گا؟

جواب یہ ہے کہ ہاں! بہت فرق پڑ جائے گا۔ان شئت کیم چینجر لفظ ہے اس کا تعلق ثلثا سے بنے گا جس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر آپ تین طلاق چاہتی ہیں تو طلاق، ورنہ نہیں۔ اس لیے ایک واقع کرنے سے کوئی بھی طلاق نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر ایک طلاق کی مشیت دیتے ہوئے یوں کہا کہ طلقی نفسک واحدۃ ان شئت اور بیوی نے تین واقع کر دیں تو اس میں وہی سابقہ اختلاف جاری ہو گا کہ امام صاحب کے نزدیک ایک بھی طلاق نہ ہو گی جبکہ صاحبین کے نزدیک ایک ہو جائے گی۔

اسی سے منسلک ایک اور دقیق مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق ان شئت اس کے جواب میں بیوی نے صرف شئت کہنے کے بجائے شئت ان شئت کہہ دیا یا شئت ان شاء ابی کہہ دیا یا یہ کہہ دیا کہ آئندہ اگر فلاں کام ہو گیا تب مجھے طلاق، تو ان سب صورتوں میں طلاق نہ ہو گی اور مشیت باطل ہو جائے گی، اگرچہ شوہر یا والد شئت کہہ دے؛ کیونکہ شوہر نے بیوی کو غیر معلق اختیار دیا تھا، بیوی نے غلطی کر دی اور اس مشیت مرسلہ کو مشیت معلقہ میں بدل کر اختیارات سے تجاوز کر ڈالا جس کی وجہ سے غیر متعلقہ اور لایعنی کام پایا گیا اور مجلس بدل گئی۔ ہاں! اگر شوہر بنیت طلاق شئت طلاقک کہہ دے تو یہ مستقل لفظ شمار ہو گا اور اس سے طلاق ہو جائے گی، لیکن اگر اردت طلاقک کہہ دے تو طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ بندوں کے افعال میں مشیت وجود کا تقاضا کرتی ہے، ارادہ وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔

تعلیق اور مجازات کا قاعدہ

یہاں ایک ضروری قاعدہ یہ بھی سمجھ لیں کہ طلاق کو ماضی کے کسی کام پر معلق کیا جائے اور ماضی میں وہ کام وجود پذیر ہو چکا ہو تو طلاق معلق نہ ہو گی بلکہ فوراً لگ جائے گی، اس طرح کی صورت کو مجازاۃ کہا جاتا ہے؛ جیسے شوہر نے کہا کہ اگر تو نے فلاں سے بات کی ہو تو تجھے طلاق، بیوی نے وہ کام کیا ہو تو فوراً طلاق لگ جائے گی۔ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق تفویض کرنا چاہی اور بیوی یہ

بول پڑی کہ آپ کی کسی اور عورت سے دوستی ہے تو میں طلاق واقع کرتی ہوں۔ اور شوہر کی کسی اور عورت سے دوستی چل رہی ہو تو طلاق فوراً لگ جائے گی۔ تعلیق اور مجازات کے فرق کو سمجھ لیں۔ طلاق کے بہت سے مسائل میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

مشیت طلاق میں حروف کا عمل

1۔ان شئت حیث شئت این شئت کم شئت ماشئت: ان تمام الفاظ میں طلاق کا اختیار مجلس پر منحصر رہے گا۔ البتہ حیث اور این کو لے کر اشکال ہو سکتا ہے کہ مجلس پر منحصر کیوں ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیث اور این لغو شمار ہوں گے کیونکہ یہ ظروف مکان ہیں۔ یہ شخص ان کے ذریعے مکان پر طلاق کو معلق کر رہا ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ طلاق معدوم چیز پر معلق کی جا سکتی ہے موجود چیز پر نہیں۔ زمانہ مستقبلہ معدوم ہوتا ہے جبکہ مکان موجود شے ہے۔

2۔ اگر شوہر متی شئت، یا ای وقت شئت یا متی ماشئت، یا کلما شئت کا لاحقہ بڑھا دے تو اس کی وجہ سے مجلس کے بعد بھی اختیار ملے گا بلکہ عورت طلاق کو رد کر دے تب بھی مشیت رد نہ ہو گی اور طلاق کا اختیار اس وقت تک باقی رہے گا جب تک طلاق کو اختیار نہ کر لے۔ البتہ متی اور متی ما سے ایک ہی طلاق کا اختیار ملے گا جبکہ کلما سے تین بار طلاق واقع کر سکے گی؛ کیونکہ کلما عموم افعال کے لیے آتا ہے اس لیے جتنی بار چاہے گی اتنی طلاقیں واقع کر سکے گی۔

3۔ اذا کے بارے میں اختلاف ہے، امام صاحب اسے ان کے معنی میں لیتے ہیں جبکہ صاحبین متی کے معنی میں۔ دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔

4۔ کیف شئت کے بارے میں بھی اختلاف ہے: صاحبین کے نزدیک اس طرح مشیت پر معلق کرنا درست ہے۔ اس لیے عورت جب چاہے گی تب طلاق ہو گی اور رجعیہ بائنہ یا تین ان سب کا اختیار عورت کو ہو گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ کیف اصل کے بارے میں سوال کے

لیے نہیں آتا بلکہ صرف وصف کے بارے میں سوال کے لیے آتا ہے جیسے کسی کو کیف حالک یا کیف انت کہا جائے تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تمہاری ذات کہاں ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ تمہاری ذات موجود ہے اس کا علم ہے مجھے، مجھے اپنے اوصاف بتاؤ کہ کیسے ہو، بیمار ہو یا صحت مند ہو؟ اس لیے جب طلاق کی مشیت دیتے ہوئے کیف کے الفاظ بولے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ طلاق کا وجود تو ہے وہ میں نے دے دی ہے بس یہ بتاؤ کہ کون سی صفت والی دوں؟ رجعی یا بائن یا تین؟ اس لیے طلاق تو فوراً لگ جائے گی، باقی اس کے وصف کا اختیار عورت کو ملے گا لہذا بیوی نے کسی ایک احتمال کو متعین کر دیا تو وہی واقع ہوگی۔ اسی طرح شوہر اور بیوی دونوں کے ذہن میں کوئی ایک احتمال ہے اور اتفاق سے دونوں نے وہی نیت کی تو وہی واقع ہوگی لیکن اگر کسی کی کوئی نیت نہ ہو تو صرف ایک طلاق رجعی ہوگی۔

5۔ طلقی نفسک من ثلاث ما شئت کے الفاظ کہے ہوں تو اس میں بھی اختلاف ہے۔ دراصل یہاں دو حرف باہم ٹکرا رہے ہیں۔ من تبعیض کے معنی مراد لینے کا تقاضا کرتا ہے جبکہ ما تعمیم کے لیے آتا ہے اس لیے کیا کیا جائے؟

صاحبین فرماتے ہیں کہ ما کو ترجیح دینی چاہیے؛ کیونکہ ما صرف اور صرف تعمیم کے لیے ہی آتا ہے، اس میں دوسرا احتمال ہے ہی نہیں، جبکہ من کبھی تبعیض کے لیے آتا ہے کبھی بیان اور تمیز کے لیے آتا ہے اس طرح من کا عمل متردد ہوا اس کے مقابلے میں ما کا اثر محکم ہوا اس لیے ہمیں ما کو مؤثر ماننا چاہیے اور تین طلاق کا اختیار دینا چاہیے۔ جیسے کل من طعامی ما شئت اور طلق من نسائی من شاءت ان دونوں مثالوں میں بھی من کے ہوتے ہوئے ما اور من کی تعمیم پر عمل کیا گیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مناسب نہیں؛ کیونکہ من کے حقیقی معنی تبعیض ہے اور ما کے حقیقی معنی میں تعمیم ہے، ہمارے لیے دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں کو مؤثر مانا جائے گا اور

اس کی یہی صورت ممکن ہے کہ ایک اور دو کا اختیار دیا جائے تین کا نہ دیا جائے؛ کیونکہ تین کا اختیار دے دیا تو تبعیض کے معنی پر عمل نہ ہو سکے گا جبکہ دو تک اختیار دیا تو من اور ما دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

رہ گئے دو نظائر تو پہلے کا جواب یہ ہے کہ وہاں قرینہ کی وجہ سے من بیانیہ کے معنی لیے گئے ہیں کیونکہ مقام، اظہار سخاوت کا ہے اور سخاوت کا اظہار تبھی ہو گا جب من کو بیانیہ مانا جائے جبکہ دوسری مثال یہاں پیش کرنا درست ہی نہیں کیونکہ اس میں من شاءت کا لفظ ہے ماشئت کا نہیں۔ ماشئت میں شائی یعنی چاہنے والا مخاطب ہے جبکہ آپ نے جو نظیر پیش کی ہے اس میں چاہنے والا مخاطب نہیں بلکہ بیویاں ہیں اس لیے تمام بیویاں چاہیں گی تو سبھی کو طلاق ہو جائے گی۔

ایمان فی الطلاق، یعنی تعلیق طلاق

تعلیق کے معنی

طلاق کو کسی شرط مثلاً کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے یا کسی وقت پر معلق کر دینے کو طلاق معلق کہتے ہیں۔

رکن تعلیق

تعلیق کا رکن شرط اور جزا کو بیان کرنا ہے۔ دونوں بیان کر دے تو تعلیق مکمل ہو گی، ورنہ نہیں۔ چنانچہ اگر شوہر صرف شرط ذکر کرے جزا ذکر نہ کرے تو طلاق معلق نہ ہو گی۔

شرائط تعلیق:

1۔ عقل و بلوغت:

شوہر عاقل، بالغ ہو۔ لہذا:

- عاقل بالغ شوہر طلاق کو معلق کرے تو طلاق معلق ہو جائے گی۔

- پاگل شوہر طلاق کو کسی بات سے مشروط کر دے تو اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو گا؛ کیونکہ پاگل کے کسی قول و قرار کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔
- نابالغ شوہر طلاق کو کسی بات سے مشروط کر دے تو اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو گا؛ کیونکہ نابالغ کے کسی قول و قرار کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

2۔ نکاح یا نکاح کی طرف نسبت:

ایک شرط یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے یا اس کے نکاح میں نہ ہو تو کم از کم نکاح کی طرف اضافت کر کے طلاق واقع کرے، ورنہ طلاق نہ ہو گی۔

امام شافعی تعلیق طلاق کو ایقاع طلاق اور تطلیق مانتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک تعلیق کے الفاظ بولتے وقت ہی ملکیت ضروری ہے، اس لیے ان کے نزدیک ان تزوجتک فانت طالق کہنا ایسے ہی لغو ہے جیسے کسی اجنبیہ کو انت طالق کہنا لغو ہے؛ کیونکہ ملکیت دونوں ہی میں نہیں پائی جاتی۔ ان کی دلیل لاطلاق قبل النکاح ہے۔

احناف کے نزدیک تعلیق، تعلیق ہے تطلیق نہیں؛ کیونکہ جس طرح عام تعلیقات میں شرط و جزا پائے جاتے ہیں اسی طرح یہاں بھی شرط و جزا پائے جا رہے ہیں، یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ تعلیق اور یمین ہے تطلیق نہیں۔ اور جس طرح عام یمین اور تعلیق کے وقت کسی طرح کی ملکیت شرط نہیں ہوتی یہاں بھی تعلیق کے وقت ملکیت شرط نہیں ہو گی، لہٰذا نری تعلیق کے وقت جبکہ وجود شرط نہ ہوا ہو، ملکیت شرط نہیں ہونی چاہیے۔

ہاں! وجود شرط کے وقت ملکیت شرط ہونی چاہیے۔ ویسے بھی وجود شرط کے وقت ملکیت ہونا متفق علیہ ہے اس لیے ملکیت کی شرط اس وقت کے لیے ہونی چاہیے، اس سے پہلے کے لیے نہیں۔

سوال پیدا ہوا کہ جب ملکیت کی شرط وجود شرط کے وقت ہے تو تعلیق کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ دیا کہ وجود شرط سے پہلے اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ یہ حالف اس عورت سے نکاح کرنے سے بچے گا کیونکہ اسے پتا ہے کہ نکاح کیا تو طلاق ہو جائے گی، لہذا جب اس شرط کا فائدہ ہے تو اسے بالکل لغو قرار دینا مناسب نہیں، نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ یمین ہے تطلیق نہیں، کیونکہ یمین ہی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ حالف کو کسی کام سے بچاتی ہے۔

اس کو اجنبیہ سے انت طالق کہنے پر قیاس کرنا اس لیے درست نہیں کہ وہ تنجیز طلاق کی مثال ہے نہ کہ تعلیق طلاق کی۔ جہاں تک بات ہے حدیث کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے بغیر طلاق منجز معتبر نہیں، لہذا طلاق معلق حدیث میں شامل ہی نہیں۔ اور حدیث کی یہ تفسیر ہماری خود ساختہ نہیں بلکہ امام شعبی، امام زہری، امام مکحول، امام سالم بن عبداللہ، ان تمام ائمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک تعلیق طلاق صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے یا اس کے نکاح میں نہ ہو تو کم از کم نکاح کی طرف اضافت کر کے طلاق واقع کرے، ورنہ طلاق نہ ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک تعلیق کی شرط یہ ہے کہ اپنی منکوحہ کو طلاق دے بس۔ اس کے علاوہ طلاق نہ ہوگی۔

پھر اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ دو متفق علیہ اور ایک مختلف فیہ۔

1۔ متفق علیہ صورت، منکوحہ سے کہے ان دخلت الدار فانت طالق۔ سب کے نزدیک طلاق معلق ہو جائے گی۔

2۔ اختلافی صورت، نکاح کی طرف طلاق کی اضافت کرے، مثلاً: ان تزوجتک فانت طالق۔ حنفیہ کے نزدیک قسم ہو جائے گی، شافعیہ کے نزدیک نہیں ہوگی۔

3۔ اجنبیہ جس کی طرف نکاح کی اضافت نہیں کی اس سے کہنا کہ انت طالق یا ان دخلت الدار فانت طالق۔ اس سے کسی کے نزدیک طلاق یا یمین نہ ہو گی؛ کیونکہ نہ ملکیت پائی گئی نہ اضافت الی الملک۔

لہٰذا احناف کے مذہب کے مطابق:

- شوہر اپنی منکوحہ سے کہے: اگر آپ اپنے میکے گئیں تو آپ کو طلاق۔ ایسا کہنے سے طلاق معلق ہو جائے گی۔
- شوہر نکاح کی طرف طلاق کی اضافت کرے، مثلاً یوں کہے: اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق۔ ایسا کہنے سے طلاق معلق ہو جائے گی اور جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا تو ایک طلاق پڑ جائے گی۔
- اجنبیہ جو نہ اس کی منکوحہ ہو نہ اس کی طرف نکاح کی اضافت کی ہو اس سے کہنا کہ اگر آپ اپنے میکے گئیں تو آپ کو طلاق اس سے کسی کے نزدیک طلاق نہ ہو گی اگرچہ بعد میں نکاح ہو جائے؛ کیونکہ طلاق کو مشروط کرتے وقت یہ عورت نہ اس کی منکوحہ تھی نہ اس کی طرف نکاح کی اضافت کی تھی۔
- بسا اوقات ایک شخص کلما کی قسم اس طرح کھاتا ہے کہ "میں نے یہ بات کسی کو بتائی تو مجھے کلما کی طلاق۔" یا "میں نے فلاں کام کیا ہو تو مجھے کلما کی طلاق۔" یا مثلاً یوں کہتا ہے: "اگر میں نے اب سگریٹ نوشی کی تو مجھے کلما کی طلاق" یا "میں نے یہ معاہدہ توڑا تو مجھے کلما کی طلاق۔" ان تمام صورتوں میں یہ جملہ لغو ہے؛ کیونکہ اس میں کسی طرح کی اضافت صراحتاً نہیں پائی گئی نہ منکوحہ کی طرف نسبت پائی گئی نہ نکاح کی طرف نسبت کر کے یہ بات کہی گئی ہے، اس لیے لغو ہے۔ جب پورا جملہ کلما تزوجت امراۃ فھی

طالق صراحتاً کہے گا یا غیر عربی ہو تو اپنی زبان میں اس کے صریح مفہوم کو ادا کرے گا تب تعلیق مکمل ہوگی۔

فیصح یمیناً او ایقاعاً: اس جملے کے پہلے جزو یعنی یمیناً کا تعلق حنفیہ سے ہے کہ وہ اسے یمین مانتے ہیں اور دوسرے جزو یعنی ایقاعاً کا تعلق شافعیہ سے ہے کہ وہ اس کو تعلیق اور ایقاع طلاق مانتے ہیں۔

ولا تصح إضافة الطلاق الخ

اس عبارت سے اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ تعلیق طلاق درست ہونے کے لیے ملکیت یا اضافت الی الملکیت کی شرط کیوں ہے؟

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تعلیق کو ہم نے یمین کہا ہے۔ یمین کے معنی ہیں قوت، یمین کو یمین اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے کلام میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، اگر کرنے کی قسم کھائی ہے تو بندہ کر کے رہتا ہے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو بندہ اس سے بچ کر رہتا ہے، اب عام قسم میں یہ قوت اللہ کے نام سے پیدا ہوتی ہے لیکن تعلیق کی صورت میں قوت کیسے پیدا ہوگی؟ تو اس کا جواب ہے جزا سے۔ جزا اگر ہیبت ناک اور ڈراؤنی ہوگی تبھی انسان یمین کو پورا کرے گا اس کے بغیر یمین کا خاص فائدہ نہیں، تعلیق طلاق کی صورت میں ہیبت کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوگی جب یا تو حالف اس عورت کا شوہر ہو یا کم از کم اس کی طرف نکاح کی نسبت کرے اس کے بغیر ہیبت کی کیفیت پیدا نہ ہوگی۔ اس لیے ہم نے ملکیت یا اضافت الی الملکیت کی قید لگائی ہے۔

یہاں ایک کمزور سا سوال رہ جاتا ہے کہ ان تزوجتک فانت طالق میں اضافۃ الی الملکیۃ کہاں ہے یہ تو اضافت الی الزواج ہے۔ جواب واضح ہے کہ زواج سبب ملکیت ہے اس لیے اس کی طرف اضافت کرنا ایسے ہی ہے جیسے خود ملکیت کی طرف اضافت کرنا۔

3۔ شرط ممکنات میں سے ہو:

طلاق کو جس بات سے مشروط کیا ہے اس کو پورا کرنا حقیقتاً اور عادتاً ممکن ہو، محال اور ناممکن نہ ہو۔ یہ بہت اہم شرط ہے۔ اسی سے "امکان بر" کا مسئلہ نکلتا ہے۔ یعنی شرط کو پورا کرنا ممکن ہو تب تعلیق بنتی ہے ورنہ نہیں۔ (بدائع: 21/3 طبع رشیدیہ) کتاب الایمان میں بھی اس کے کئی مسائل آئیں گے۔

اس کو مثالوں سے سمجھ لیں:

- شوہر اگر یہ کہے کہ اگر آسمان زمین پر آگیا تو تجھے طلاق۔ ظاہر ہے آسمان کا زمین پر آنا یا اٹھا کر زمین پر لانا سرے سے ممکن ہی نہیں اس لیے یہ جملہ لغو ہے اس سے طلاق نہ ہوگی۔
- اسی طرح اگر گلاس میں پانی ہی نہ ہو اور شوہر یہ کہے کہ اگر آپ نے اس گلاس کا یہ پانی نہ پیا تو آپ کو طلاق۔ اس سے بھی طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ جب گلاس میں اس وقت پانی ہے ہی نہیں تو شرط کیسے پوری ہو سکتی ہے؟
- اسی طرح اگر شوہر دروازے پر کھڑا دروازہ بجا رہا ہو لیکن کوئی کھول نہ رہا ہو اس پر وہ غصے میں بیوی سے مخاطب ہو کر کہہ دے کہ اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا تو تمہیں طلاق۔ جبکہ بیوی گھر میں موجود ہی نہ ہو یا اسے شوہر کی آواز سنائی نہیں دے رہی تو طلاق نہ ہوگی۔
- شوہر نے بیوی سے فون پر کہا کہ میں گھر پہنچا اور آپ موجود نہ ہوئی تو آپ کو تین طلاق۔ بیوی کو شوہر کے یہ الفاظ سگنل کی خرابی کی وجہ سے سنائی نہ دیے تو اس سے بھی طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ جب بیوی نے ایک شرط کو سنا ہی نہیں تو وہ کیسے اس کو پورا کر سکتی ہے؟

- شوہر نے بیوی سے کہا اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں گیا تو تجھے طلاق۔ تو یہ تعلیق بھی لغو ہو گی؛ کیونکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں کبھی جا ہی نہیں سکتا۔
- شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر تو نے فلاں آدمی سے بات چیت کر لی تو تجھے طلاق، مگر وہ آدمی یہاں نہیں امریکہ میں ہے تو جب بھی بات کرے گی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ شرط پر عمل ممکن ہے لیکن اگر وہ آدمی بات چیت سے قبل مر گیا تو شوہر کا یہ کلام لغو ہو جائے گا؛ کیونکہ شروع میں اگرچہ شرط پر عمل ممکن تھا لیکن اب عمل ممکن نہیں رہا اور قسم اور تعلیق طلاق برقرار رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آخر تک اس کا امکان رہے۔
- اسی طرح شوہر نے کہا کہ اگر تو فلاں گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ اس کے بعد وہ گھر منہدم ہو گیا تو شوہر کا یہ کلام لغو ہو جائے گا اور کبھی طلاق نہ ہو گی اگرچہ دوبارہ گھر بنانے کے بعد داخل ہو جائے؛ کیونکہ یہاں بھی گو شروع میں قسم پر عمل ممکن ہے لیکن شرط برقرار نہیں رہی اور بعد میں اس پر عمل ممکن نہیں رہا اس لیے اس کا اثر ختم ہو گیا۔ اور جو دوسرا گھر اسی جگہ بنا تو وہ پہلے والا نہیں رہا دوسرا بن گیا اس لیے اس میں جانے سے قسم پھر بھی نہیں ٹوٹی۔

اسی شرط کو بعض علما نے دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا ہے کہ قسم اور تعلیق اس وقت درست ہوتی ہے جب شرط لگاتے وقت اس کا وجود ممکن ہو اور آئندہ کے لیے تعلیق اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس شرط کو پورا کرنے کا امکان موجود رہے۔ چنانچہ اگر شرط لگاتے وقت ہی وہ ممکن الوجود نہیں تو قسم ہی نہ ہو گی، البتہ اگر شرط لگاتے وقت وجود ممکن ہو لیکن بعد میں وجود ممکن نہیں رہا تو شروع میں قسم درست ہو گئی لیکن بعد میں ممکن الوجود نہ رہنے کی وجہ سے قسم باقی نہیں رہے گی اور لغو ہو جائے گی۔

4۔ شرط اور جزا متصل ہوں:

تعلیق درست ہونے کے لیے شرط اور جزا کے جملوں کا متصل ہونا بھی ضروری ہے۔ لہذا اگر شرط و جزا کے مابین کوئی غیر متعلق بات بڑھادی جائے یا سکوت اختیار کیا جائے جو عادۃً نہیں کیا جاتا یا مجلس بدل جائے تو پھر یہ صورت تعلیق کی نہیں ہوگی بلکہ طلاق منجز ہوگی اور فوراً واقع ہو جائے گی۔ لہذا:

- کسی نے اپنی بیوی سے کہا "تجھے طلاق" اس کے بعد کسی سے بات چیت کرلی پھر کہا "اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی۔" تو یہ تعلیق طلاق نہیں ہے بلکہ پہلے جملے سے طلاق فوراً پڑ جائے گی۔
- کسی نے اپنی بیوی سے کہا "تجھے طلاق" اس کے بعد کچھ کھا پی لیا۔ یا ایک دو منٹ خاموشی اختیار کرلی۔ یا گھر کے اندر داخل ہو کر باہر آیا۔ اور پھر کہا "اگر تو نے فلاں سے بات کی تو۔" تو ان دو جملوں کے درمیان فصل واقع ہونے کی وجہ سے پہلا جملہ "تجھے طلاق" سے طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسرا جملہ "اگر تو نے فلاں سے بات کی تو۔" سے طلاق معلق نہ ہوگی۔

5۔ جس کی مشیت کا علم نہ ہو سکتا ہو اس کی مشیت پر معلق نہ کرے:

طلاق کو کسی ایسی چیز اور ایسی مخلوق کی مشیت پر موقوف نہ کرے جس کی مشیت کا علم ممکن نہ ہو، جیسے: اللہ تعالی کی مشیت پر معلق کی یا فرشتہ، جنات، حیوانات، نباتات وغیرہ کی مشیت پر معلق کی تو تعلیق درست نہ ہوگی اور جملہ لغو ہو جائے گا۔ لہذا:

- اس لیے اگر کسی نے بیوی سے یوں کہا: تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ! تو طلاق نہ ہوگی، جملہ لغو ہو جائے گا۔

- کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر فلاں فرشتہ چاہے تو تجھے طلاق۔ یا تجھے طلاق اگر بکری چاہے یا تجھے طلاق اگر یہ درخت چاہے تو مذکورہ بالا جملوں سے نہ تو فی الفور طلاق واقع ہوگی اور نہ طلاق معلق رہے گی، بلکہ کلام لغو جائے گا۔

یاد رہے کہ استثناء کے معنی کا علم بھی ضروری نہیں لہذا اگر طلاق کے بعد متصلا غیر ارادی طور پر بھی ان شاء اللہ نکل گیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (خزینۃ الفقہ: ص219)

6۔ جہرا تعلیق کرے:

جس طرح وقوع طلاق کے لیے اتنی زور سے الفاظ طلاق بولنا ضروری ہے کہ خود سن لے۔ (علی قول الکرخی) اسی طرح تعلیق طلاق درست ہونے کے لیے بھی طلاق کی شرط کا اتنا زور سے بولنا ضروری ہے کہ خود سن سکے۔ اگر طلاق کو زور سے بولا مگر شرط کو آہستہ منہ میں رکھ کر بولا تو فوری طور پر طلاق ہو جائے گی، تعلیق طلاق نہ ہوگی۔ امام ہندوانی کے اصول کے مطابق جہر کی کم سے کم حد یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی سن لیں۔ ان کی تعریف کے مطابق الفاظ خود کو سنائی دیے کسی اور کو نہیں سنائی دیے تو اس سے طلاق ہوگی نہ تعلیق طلاق۔ جب تک اتنی زور سے نہ بولے کہ دوسرے لوگ بھی سن لیں۔

فائدہ:

طلاق اور شرط دونوں کا تلفظ زبان سے ضروری نہیں لہذا اگر طلاق کو زبان سے ذکر کرے اور ان شاء اللہ کو کاغذ پر لکھ دے۔ یا اس کے برعکس طلاق کاغذ پر لکھے اور ان شاء اللہ کا ذکر زبان سے کرے۔ تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ لکھا ہوا بعد میں مٹ جائے۔ (خزینۃ الفقہ: ص218 ہند)

دو اہم مسائل

افعال مستقبلہ غیر موقتہ پر طلاق کو معلق کرنا:

اگر کسی نے غیر متعین مدت پر طلاق کو معلق کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں تجھ کو فلاں جگہ نہ پہنچادوں۔ یا فلاں کام نہ کردوں تو میری بیوی کو طلاق۔ اب اگر وہ کام کرلیتا ہے یا بیوی کو اس مقام تک پہنچادیتا ہے تو طلاق واقع نہ ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر اس کام کو نہیں کرتا ہے یا بیوی کو اس مقام تک نہیں پہنچاتا ہے تو پوری عمر طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ شوہر کی موت کے ساتھ اس کی بیوی مطلقہ ہوجائے گی۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے مدت غیر متعین کے ختم تک وہ کام نہیں کیا۔

صیغہ استقبال کے ساتھ تعلیق:

جس طرح صیغہ استقبال سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح اس سے تعلیق طلاق کی صورت میں بھی اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کہ اس استقبال کو عمل میں نہ لے آئے۔ جیسے: کسی نے کہا کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو میں طلاق دے دوں گا، اس سے طلاق نہ ہوگی ہاں اگر شوہر وعدہ کے مطابق طلاق دے دے گا تو ظاہر ہے کہ طلاق ہوجائے گی۔ البتہ اگر صیغہ استقبال کے بجائے حال استعمال کیا، مثلاً یوں کہا کہ یہ کام نہ کیا تو طلاق دیتا ہوں تو بوقت تحقق شرط طلاق ہوجائے گی۔

حروف شرط

تعلیق طلاق کے مسئلے میں حرف شرط کو بھی اہمیت سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر تعلیق کا لفظ ایک بار فعل کو معلق کرنے کے لیے آتا ہے تو ایک ہی بار کے لیے طلاق اس فعل پر معلق ہوگی بار بار اس فعل سے پھر طلاق نہ ہوگی۔ البتہ وہ لفظ ایسا ہو کہ بار بار فعل کو معلق کرنے کے لیے آتا

ہو تو ہر بار اس فعل سے طلاق ہو جائے گی۔ چنانچہ شوہر جیسا لفظ لگائے گا اس کے مطابق حکم لگے گا۔

اگر

شوہر یہ کہے کہ تو اگر اپنی ماں کے گھر گئی تو تجھے طلاق۔ اس صورت میں بیوی اگر اپنے ماں کے گھر جائے گی تو بیوی کو طلاق رجعی ہو جائے گی۔ اس کے بعد دوبارہ نکاح ہو جائے اور دوبارہ اپنی ماں کے گھر چلی جائے تو طلاق نہ ہو گی؛ کیونکہ "اگر" کا لفظ بار بار کسی فعل کو معلق کرنے کے لیے نہیں آتا بلکہ ایک ہی بار کے لیے آتا ہے اس لیے ایک بار اپنا اثر دکھانے کے بعد بے اثر ہو جائے گا۔

کلما (یعنی جب جب)

میں جب جب نکاح کروں تو میری ہونے والی بیوی کو طلاق۔ اس مثال میں تعلیق کرنے والا شخص جب کبھی کسی عورت سے نکاح کرے گا اسے اسی وقت طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ کلما (تعمیم افعال) یعنی بار بار کسی فعل کی تعلیق کے لیے آتا ہے اس لیے جب بھی نکاح کا فعل کرے گا تو جزا یعنی طلاق کا وقوع ہو گا۔ کلما کی طلاق سے بچنے کی تدبیر آئندہ صفحات پر ملاحظہ کریں۔

کُل

البتہ اگر اس نے یوں کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے طلاق۔ تو اس صورت میں "کل" کا لفظ عورت پر لگا ہے فعل تزوج پر نہیں اس لیے صرف ہر عورت سے صرف پہلی بار نکاح کرنے پر طلاق ہو گی دوسری بار نکاح کرنے سے طلاق نہ ہو گی۔

نقشہ

حکم	معنی	حروف

ان	اس کی وضع ہی شرط کے لیے ہے	شرط پائے جانے پر صرف ایک بار اثر دکھائے گا بار بار نہیں۔
اذا،اذاما،متی متی ما،کل	ملحق بالشرط ہیں	شرط پائے جانے پر صرف ایک بار اثر دکھائیں گے، بار بار نہیں۔
کلما	یہ تعمیم افعل کے لیے آتا ہے	جب بھی جزا پائی جائے گی اثر ظاہر ہو گا۔

قواعد تعلیق

1۔ایک بار کسی بھی لفظ سے تعلیق ہو گئی تو وہ یمین بن گئی، اب یمین اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک شرط نہ پائی جائے، اگر شرط اسی ملک نکاح میں پائی گئی تو طلاق ہو جائے گی ،جیسے :اپنی بیوی سے کہا کہ تو میکے گئی تو تجھے طلاق۔بیوی چلی گئی تو طلاق ہو جائے گی۔اگر پہلی شادی میں شرط نہیں پائی گئی، دوسری بار اسی سے شادی ہوئی اور پھر شرط پائی گئی تو بھی طلاق ہو جائے گی، جیسے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میکے گئی تو تجھے طلاق۔یہ کہنے کے بعد بیوی میکے نہیں گئی لیکن شوہر نے کسی اور وجہ سے اسے الگ سے طلاق دیدی، طلاق کے بعد دوبارہ اسی سے نکاح کر لیا،اس دوسرے نکاح کے بعد بیوی میکے چلی گئی تو طلاق ہو جائے گی۔

اسی مسئلے میں اگر پہلے نکاح سے آزاد کرنے کے بعد دوسری بار شادی سے پہلے شرط پائی گئی تو شرط پائے جانے کی وجہ سے یمین ختم ہو جائے گی لیکن طلاق نہ ہو گی کیونکہ ملکیت نہیں۔ جیسے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میکے گئی تو تجھے تین طلاق۔یہ کہنے کے بعد بیوی میکے نہیں گئی لیکن شوہر نے کسی اور وجہ سے اسے طلاق دیدی،عدت گزر گئی،عدت کے دوران بھی وہ میکے نہیں گئی، لیکن عدت گزرنے کے بعد میکے چلی گئی، یہاں شرط پائی گئی لیکن شوہر کی ملکیت نکاح میں نہیں

پائی گئی اس لیے جزا کا محل نہ ہونے کی وجہ سے یمین بے اثر ہو گئی۔ اب اگر دوبارہ اسی سے نکاح کر لیا اور اس دوسرے نکاح کے بعد بیوی میکے چلی گئی تو طلاق نہ ہو گی۔ یہیں سے تین طلاق معلق کو ختم کرنے کی تدبیر نکلتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دے، عدت گزرنے کے بعد عورت وہ کام کر لے یعنی شرط پر عمل کر لے، شرط پائی جائے گی لیکن جزا کا محل موجود نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں پڑے گی اور یمین کا اثر ختم ہو جائے گا۔ پھر اس سے دوبارہ نکاح کر لے۔ اب اس کے بعد دوبارہ عورت نے وہ کام کیا تو طلاق واقع نہ ہو گی۔

اگر کوئی شخص یوں کہہ دے: "مجھ پر کلما کی طلاق ہے" تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہو گی۔ البتہ اگر کوئی "کلما" کے الفاظ اپنی جانب سے یوں ادا کرے کہ "جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق" تو ہر بار جب بھی وہ نکاح کرے گا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

کلما کی طلاق سے بچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مسلک شافعی پر فتوی دے دیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ جب مذہب حنفی میں حل موجود ہے تو خروج عن المذہب کی ضرورت نہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص اصالتاً یا وکالتاً نکاح نہ کرے بلکہ کوئی فضولی اس کا نکاح کرا دے اور یہ شخص اس چیز کا دھیان رکھے کہ قولاً اس کی اجازت نہ دے بلکہ فعلاً اجازت دے، مثلاً مہر روانہ کر دے۔ اس صورت میں جیسے ہی فضولی نے نکاح کروایا تو نکاح ہوتے ہی تزوج کی شرط پائی گئی لیکن ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے یمین کا اثر ختم ہو گیا اس لیے مرد کی اجازت سے پہلے ہی یمین کا کام تمام ہو چکا اب طلاق نہ ہو گی۔

یاد رہے! معاہدہ و حلف کے لیے "کلما کی طلاق" کا عنوان اختیار کر کے کسی سے حلف لینا یا معاہدہ کرنا پسندیدہ نہیں ہے، بوقتِ ضرورت اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم یا حلف کے ذریعے معاہدہ کو پختہ کیا جا سکتا ہے۔

2۔ ایک ہے ملکیت اور دوسری چیز ہے حلت۔ یمین ملکیت ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتی لیکن حلت ختم ہونے سے ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا کہا تو یہ یمین ہے، اگر شوہر نے طلاق منجز دی اور پھر نکاح کر لیا اور دخول دار پایا گیا تو طلاق ہو جائے گی، کیونکہ یمین باقی تھی، صرف انقطاع ملکیت سے یمین ختم نہیں ہو گی لیکن اگر شوہر تینوں طلاقیں منجز دے دے تو یہاں ملکیت کے ساتھ ساتھ حلت ہی ختم ہو گئی اس لیے یہاں اگر حلالہ کے بعد نکاح ہو اور دخول دار پایا جائے تو طلاق نہ ہو گی۔

3۔ اگر شرط کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ شرط پائی گئی ہے یا نہیں۔ عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی ہے مرد کہتا ہے کہ نہیں پائی گئی تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ شرط کا تعلق کس طرح کی چیزوں سے ہے؟ اگر شرط ایسی چیز سے ہو جو عمومی طور پر نظر آنے والی ہو جیسے دخول دار کی شرط تو اس صورت میں عورت اپنے دعوی پر گواہ پیش کرے ورنہ مرد کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی۔ اور اگر شرط ایسی ہو جو عورت ہی سے پتا چل سکتی ہے جیسے، حیض آنے پر طلاق کو معلق کیا ہو یا شوہر سے محبت ہونے پر معلق کیا ہو اور عورت شرط کے وجود کا دعوی کرے تو خود عورت کے حق میں اس کا قول معتبر ہے دوسرے کے حق میں نہیں۔ مثلا یہ کہا کہ تمہیں بھی طلاق اور تمہاری سوکن کو بھی یا تمہیں طلاق اور غلام آزاد۔ اور عورت شرط پائے جانے کا دعوی کرے تو سوکن کو طلاق نہ ہو گی، خود کہنے والی کو ہو جائے گی، اسی طرح دوسرے مسئلے میں عورت کو طلاق ہو جائے گی لیکن غلام آزاد نہ ہو گا۔ سوکن کو اس وقت طلاق ہو گی جب حقیقت میں حیض آ گیا ہو یا حقیقت میں اسے شوہر سے محبت ہو۔

ان حضت فانت طالق

اگر شوہر نے صرف ان حضت فانت طالق کہا ہو تو عورت کے صرف خون دیکھنے سے حیض کا حکم نہیں لگے گا بلکہ جب خون کو 72 گھنٹے پورے ہو جائیں گے تب حیض کہا جائے گا اور اب

اسے طلاق ہوگی، لیکن اب طلاق کی نسبت شروع کی طرف کی جائے گی اور عدت کی ابتدا بھی پہلے دن سے شمار کی جائے گی؛ اس لیے کہ خون استحاضہ کا بھی تو ہو سکتا ہے اس لیے خون دیکھتے ہی حیض کا حکم نہیں لگے گا بلکہ تین دن پورے ہونے پر لگے گا، لیکن جب تینوں دن حیض بنے تو طلاق تین پہلے سے لگے گی اور عدت بھی اسی وقت سے شمار کی جائے گی۔ لیکن اگر ان حضت حیضۃ فانت طالق کہا تو مکمل حیض گزرنے کے بعد طلاق ہوگی، پہلی صورت میں طلاق طلاق بدعت بنے گی کیونکہ حالت حیض میں طلاق ہوئی اور دوسری صورت میں طلاق سنت ہوگی کیونکہ طہر میں طلاق ہوئی۔

ان صمت فانت طالق

اگر بیوی سے صرف اتنا کہا کہ ان صمت فانت طالق تو مطلق روزہ شروع ہونے سے ہی طلاق ہو جائے گی لیکن ان صمت یوما فانت طالق کہا تو روزہ مکمل ہونے کے بعد یعنی غروب آفتاب کے بعد طلاق ہوگی۔ وجہ اس کی وہی قاعدہ ہے کہ یوم جب کسی فعل ممتد کا مفعول فیہ بنے تو بیاض النہار مراد ہوتا ہے اور اگر فعل غیر ممتد ہو تو مطلق وقت مراد ہوتا ہے۔ یہاں بھی صوم فعل ممتد ہے اس لیے یوم سے بیاض النہار مراد لیا گیا۔

إذا ولدت غلاما فأنت طالق واحدة

ایک شخص اولاد نہیں چاہتا اس نے قسم کھائی کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو ایک طلاق اور لڑکی ہوئی تو دو طلاقیں۔ اب اگر لڑکی پیدا ہوتی تو دو طلاقیں لگ جاتیں اور پھر وہ تین حیض عدت گزارتی۔ لڑکا پیدا ہوتا تو ایک طلاق ہوتی اور اس کے بعد تین حیض عدت گزارتی۔

لیکن یہاں دونوں ایک ساتھ پیدا ہو گئے وہ بھی حیرت انگیز طریقے سے کہ کسی کو بھی نہیں معلوم کہ کون پہلے ہوا ہے؟ اگر معلوم ہوتا کہ پہلے لڑکا پیدا ہوا ہے تو ایک طلاق ہو جاتی پھر

حاملہ ہونے کی وجہ سے عدت وضع حمل ہوتی جب دوسرا بچہ پیدا ہوتا تو عدت مکمل ہو جاتی اور مزید طلاق نہ لگتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ عدت پوری ہونے کی حالت اور عدت کے بعد عورت طلاق کا محل نہیں رہتی اس سے پہلے پہلے طلاق کا محل رہتی ہے۔ اسی طرح اگر پتا ہوتا کہ پہلے لڑکی پیدا ہوئی ہے تو دو طلاقیں ہو جاتیں، عدت شروع ہو جاتی، حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اس لیے جب دوسرا بچہ پیدا ہوتا تو عدت مکمل ہو جاتی اور مذکورہ بالا قاعدہ کی وجہ سے مزید طلاق نہ لگتی لیکن یہاں تو معلوم ہی نہیں۔

ایسی مشکوک صورت حال میں ایک طلاق ہونا تو یقینی ہے دوسری میں شک ہے اس لیے عدالت تو ایک ہی کا فیصلہ کرے گی کیونکہ عدالت شک کا فائدہ دیتی ہے البتہ تقوی یہ ہے کہ دو طلاقیں مانی جائیں۔

ان کلمت أبا عمرو وأبا یوسف فأنت طالق ثلاثا

ایک عورت دو غیر مردوں ابو عمرو اور ابو یوسف سے بات کرتی تھی، شوہر نے بالترتیب ان کا نام لے کر کہا کہ اگر تم نے آج کے بعد ان سے بات کی تو تمہیں تین طلاق۔ بعد میں خیال آیا کہ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بات کر لے، چنانچہ اس نے تین طلاق سے بچنے کا حیلہ معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کا سوچا، بیوی کو بھی سمجھا دیا۔ اس نے ایک طلاق منجز دے دی۔ عدت شروع ہو گئی۔ عدت ختم ہونے کے بعد عورت کو چاہیے تھا کہ دونوں سے بات کر لیتی؛ تا کہ شرط کے وجود کے بعد طلاق کا محل باقی نہ رہنے کی وجہ سے وقوع جزا نہ ہوتا اور تعلیق اپنا اثر کھو دیتی۔ لیکن اس نے ایک سے بات کی ایک سے نہیں کی، شوہر سمجھا کہ حیلہ ہو چکا اس نے نکاح کر لیا، اس دوسرے نکاح میں دوبارہ اس کی بیوی نے ان دو میں سے دوسرے سے بات کی تو اب اس کا کیا حکم ہو گا؟ کیونکہ غیر ملک میں مکمل شرط نہیں پائی گئی تھی، بقیہ آدھی شرط ابھی پائی جا رہی ہے۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اجزا مل کر مکمل ایک شرط ہے، ہو قوع جزا کے وقت ان میں سے ایک جزو بھی کم ہوگا تو تعلیق بے اثر ہو جائے گی، اور ایسا شمار ہوگا جیسے دونوں سے اس نے عدت کے بعد بات کی ہو، لہٰذا عدت کے بعد ابو عمرو سے بات کی ہو اور نکاح کے بعد ابو یوسف سے بات کی ہو یا اس کا بر عکس ہو دونوں صورتوں میں کوئی طلاق نہ ہوگی۔

ہاں! اگر یہ حیلہ نہ کیا جاتا اور وہ پہلے نکاح کے دوران ہی دونوں سے بات کر لیتی تو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتیں۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں اجزا ملکیت میں پائے جائیں جیسے نکاح اول یا اس کی عدت کے دوران پائے جائیں تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی۔

اگر دونوں اجزا غیر ملک میں پائے جائیں جیسے عدت کے بعد پائے جائیں تو محل طلاق نہ پائے جانے کی وجہ طلاق نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر جزو اول (ابو عمرو سے کلام) ملکیت میں پایا جائے (جیسے نکاح اول میں ابو عمرو سے بات کر لے) اور جزو ثانی (ابو یوسف سے تکلم) عدت کے بعد پایا جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی، لیکن اگر چوتھی صورت ہو کہ جزو اول عدت کے بعد پایا جائے اور جزو ثانی ملکیت میں (جیسے یہاں نکاح ثانی کے بعد ابو یوسف سے بات کی ہے) تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کی مختصر وجہ یہ ہے کہ تعلیق اور وقوع جزا کے وقت ملکیت شرط ہے درمیان میں ملکیت شرط نہیں۔

تفصیل یہ ہے کہ پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ تعلیق صحیح ہونے کے لیے اضافت الی الملک یا ملکیت شرط ہے لیکن یہ شرط صرف تعلیق کے وقت اور وقوع جزا کے وقت ہے۔ اس کے بیچ کے زمانے کے لیے یہ شرط نہیں ہے، تعلیق کے وقت ملکیت کی وجہ پیچھے گزر چکی ہے کہ تاکہ جزا خوف ناک اور ہیبت ناک ہو سکے اور یمین بن سکے۔ اور وقوع جزا کے وقت ملکیت اس لیے شرط ہے تاکہ جزا واقع ہو سکے ورنہ اس کے بغیر جزا کیسے واقع ہوگی؟ باقی بیچ کا زمانہ نہ تعلیق کا ہے نہ وقوع

جزاکا، اس لیے اس وقت ملکیت شرط نہیں۔ جیسے نصاب زکوۃ میں سال کے اول وآخر میں نصاب
شرط ہے درمیان میں نہیں۔
زیر بحث مسئلہ میں جب اس نے عدت کے بعد صرف ابو عمرو سے بات کی تو وہ درمیان
کا زمانہ ہے، بقائے یمین کا زمانہ ہے جس کا تعلق صرف حالف سے ہے۔ باذبقاؤہ محلہ وھو الذمۃ پھر
جب ابو یوسف (جو شرط کا آخری حصہ تھا) سے نکاح ثانی میں بات کی تو وہ ملکیت کا زمانہ ہے، اس
لیے قاعدہ کے مطابق تعلیق کے وقت بھی ملکیت پائی گئی اور وقوع جزا کے وقت بھی، اس لیے
جیسے ہی ابو یوسف سے بات کی تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی۔

مسئلۃ الھدم

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تین طلاق کے بعد حلالہ ہو جائے اور عورت دوبارہ زوج اول کے
نکاح میں آئے تو اسے تینوں طلاقوں کا حق ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زوج ثانی، زوج اول کی
تینوں طلاقوں کو منہدم کر دیتا ہے اور اسے نئی ملکیت بخشتا ہے۔ اسی طرح اس پر بھی سب متفق
ہیں کہ زوج اول نے صرف ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور زوج ثانی کے پاس جائے بغیر دوبارہ زوج
اول سے نکاح ہو تو تجدید نکاح کے بعد شوہر کو باقیہ طلاقوں کا حق ملتا ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔
اختلاف اس صورت میں ہے جب زوج اول نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں جس کی عدت
گزارنے کے بعد عورت زوج ثانی سے نکاح کر کے اور اس سے طلاق لے کر دوبارہ زوج اول کے
پاس آجائے تو اس صورت میں زوج اول کو تین طلاقوں کا از سر نو حق حاصل ہو گا یا پہلی والی تین
طلاقوں میں سے جتنی باقی ہیں، صرف اس کا حق ملے گا؟ شیخین کے نزدیک اس صورت میں بھی
زوج ثانی گزشتہ تمام طلقات کو منہدم کر دے گا اور زوج اول کو نئی توانائی حاصل ہو گی، تینوں
طلاقوں کا حق ملے گا۔ جبکہ امام محمد، امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ماسبق کا حق حاصل ہو گا۔

ایک صورت یہ ہے کہ شوہر نے تین طلاق معلق کرنے کے بعد تین طلاق منجز دے دیں۔ عدت گزر گئی۔ اس کے بعد زوج ثانی سے نکاح ہوا اس نے بھی جماع کے بعد طلاق دے کر بائنہ کر دیا۔ عورت دوبارہ زوج اول کے پاس آگئی تو کیا اب وہ تین طلاق جو معلق تھیں وہ تعلیق باقی رہے گی یا نہیں؟ دوسرے الفاظ میں کیا زوج ثانی زوج اول کی تعلیق کو منہدم کر دے گا؟ امام زفر فرماتے ہیں کہ اس کی تعلیق مطلق تھی جیسے نکاح اول کو شامل تھی، آئندہ نکاحوں کو بھی شامل ہے اس لیے جب تک اسے حیلہ کر کے بے اثر نہ کیا جائے یا یمین کے مطابق عمل کر کے یمین کو مکمل نہ کیا جائے وہ بے اثر نہ ہو گی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زوج ثانی تعلیق کو منہدم کر دے گا؛ کیونکہ نکاح اول میں جب شوہر نے یہ الفاظ کہے تھے تو اس کی مراد یہی تھی کہ موجودہ ملکیت کی تین طلاقوں کو وہ معلق کر رہا ہے کیونکہ اس وقت وہ نکاح اول کی وجہ سے عورت کا مالک ہوتا ہے تو ذہن میں اسی ملکیت کا تصور ہوتا ہے اور اسی ملکیت کی وجہ سے تعلیق بھی منعقد ہوئی تھی۔ اس لیے جب وہ ملکیت ہی مکمل طور پر ختم ہو گئی تو اب ملک اول کی اس تعلیق کو نکاح ثانی سے جوڑنا متکلم کی مراد کے خلاف ہے اس لیے نکاح ثانی کے بعد وہ تعلیق بے اثر ہو جائے گی۔

إذا جامعتك فأنت طالق ثلاثا

اس مسئلہ میں جیسے ہی وہ بیوی سے جماع کرے گا تو شروعات میں پہلی بار دخول سے ہی تین طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ جماع نفس دخول کا نام ہے۔ اس کے بعد بھی وہ داخل کیے رہا تو وہ غلط کر رہا ہے لیکن اتحاد مجلس کی وجہ سے اس کو ایک ہی فعل شمار کر لیا جائے گا نہ تو حد واجب ہو گی نہ عقر۔ لیکن وہ نکال کر پھر داخل کر دے تو گو شبہ اتحاد کی وجہ سے حد تو واجب نہ ہو گی لیکن عقر یعنی مہر مثل واجب ہو گا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ دار الاسلام میں جب بھی کوئی ناجائز وطی پائی جائے تو یا تو اس سے حد واجب ہو گی اور کسی شبہ کی وجہ سے حد واجب نہ ہو سکتی ہو تو کم از کم عقر یعنی مہر مثل ضرور واجب ہو گا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی مہر واجب ہوگا۔ گویا امام ابو یوسف کے نزدیک کسی فعل میں دوام ابتدا کے حکم میں ہے یہاں جب وہ اندر ٹھیرا رہا تو اسے نیا ادخال شمار کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک جو افعال ممتد ہوتے ہیں ان میں دوام ابتدا کے حکم میں شمار ہوگا اور جن افعال میں دوام نہیں ان میں دوام ابتدا شمار نہ ہوگا۔ یہاں بھی جماع ادخال کا نام ہے جو فعل غیر ممتد ہے اس لیے جو پہلی بار ادخال ہوا وہی جماع ہے، اس کے بعد دوبارہ ادخال نہیں پایا گیا اس لیے نئے ادخال کے بغیر محض ٹھیرے رہنے کو نیا جماع نہیں کہا جائے گا۔

اسی سے رجوع کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے مثلاً: اگر یہی صورت مسئلہ ہو لیکن جماع بجائے پر تین طلاق کو معلق کرنے کے ایک طلاق کو معلق کیا ہو تو جماع سے طلاق ہو جائے گی اور امام ابو یوسف کے نزدیک مزید تھوڑی دیر اندر داخل کیے رہا تو رجوع بھی ہو جائے گا، جبکہ امام محمد کے نزدیک دوبارہ ادخال سے رجوع ہوگا۔ صرف لبث سے نہیں ہوگا۔

صاحب عنایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں لبث سے بالاتفاق رجوع ہو جانا چاہیے؛ کیونکہ طلاق کے بعد جب مس بلشہوۃ پایا جائے تو رجوع ہو جاتا ہے یہاں کم از کم مس بلشہوۃ ضرور پایا جا رہا ہے اس لیے رجوع ہو جانا چاہیے۔ وَعَنْ هٰذَا قِيلَ يَنْبَغِي أَنْ يَصِيرَ مُرَاجِعًا فِي هٰذِهِ الصُّورَةِ عِنْدَ الْكُلِّ لِوُجُودِ الْمَسَاسِ بِشَهْوَةٍ (العناية شرح الهداية: 135/4)

فصل فی الاستثناء

استثناء کا اطلاق الّا کے ذریعے استثناء کرنے پر بھی ہوتا ہے اور ان شاء اللہ متصلاً کہا جائے اس کو بھی استثناء کہا جاتا ہے اس لیے دونوں طرح کے مسائل اس فصل میں بیان کیے گئے ہیں۔

انت طالق ان شاء اللہ

طلاق کے فوراً بعد ان شاء اللہ کہہ دیا جائے تو یہ بھی صورتاً تعلیق ہے اور تعلیق کا قاعدہ ہے کہ شرط کے بغیر جزا کا وجود نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ ہمیں اللہ کی مشیت کا علم نہیں اس لیے شرط

کے مشکوک الوجود ہونے کی وجہ سے ہم یوں سمجھ لیں گے کہ شرط پائی ہی نہیں گئی لہذا جب شرط نہیں پائی گئی تو جزا بھی واقع نہ ہوگی۔ اگر متصلاً ان شاء اللہ نہ کہا ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

شوہر نے انت طالق اس وقت کہا جب بیوی مر چکی تھی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ موت منافی طلاق ہے، موت کی وجہ سے عورت طلاق کی محل ہی نہیں رہتی اس لیے یہ جملہ لغو ہو جائے گا ، لیکن اگر شوہر انت طالق ان شاء اللہ کہنے جا رہا تھا کہ نازک طبع بیوی کا استثناء کا لفظ سننے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تو طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ ان شاء اللہ مبطل طلاق ہے اور موت مبطل کے منافی نہیں، اس لیے ان شاء اللہ اپنا عمل دکھائے گا۔ ہاں! موت موجب طلاق یعنی انت طالق کہنے کے منافی ہے اس لیے موت کے بعد انت طالق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔

اگر صورت حال اس کے برعکس ہو کہ بجائے بیوی کے خود شوہر ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مر گیا یا مار دیا گیا تو طلاق ہو جائے گی۔ وكذا إذا ماتت قبل قوله إن شاء الله تعالى لأن بالاستثناء خرج الكلام من أن يكون إيجابا والموت ينافي الموجب دون المبطل بخلاف ما إذا مات الزوج لأنه لم يتصل به الاستثناء

أنت طالق ثلاثا إلا واحدة

استثناء کا قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ سے بعض کا استثناء درست ہے، کل کا استثناء درست نہیں۔ انت طالق ثلثا الا واحدة یا انت طالق ثلثا الا اثنتین کہنا درست ہے۔ اس صورت میں مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کرنے کے بعد جتنی رہ جائیں صرف اتنی طلاقیں ہوں گی، لہذا الا واحدة کی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی اور الا اثنتین کہنے کی صورت میں ایک طلاق ہوگی، لیکن انت طالق ثلثا الا ثلثا کہنا درست نہیں۔ اس لیے اس صورت میں الا ثلثا کہنا لغو ہوگا اور تینوں طلاقیں ہو جائیں گی۔

باب طلاق المریض

مرض الوفات:

کوئی بھی ایسی صورت حال جس میں انسان کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں اور اسی سے وہ مر جائے یا لا جائے تو وہ مرض الوفات ہے۔ جنگ میں مبارزہ، کینسر کا آخری اسٹیج، کشتی کا بھنور میں پھنس جانا، درد زہ، شیر کا حملہ، یہ سب مرض الوفات شمار ہوں گے، جبکہ صرف محاصرہ، حمل، کشتی کی سواری، ہوائی جہاز کی سواری؛ یہ مرض الوفات نہیں۔ حقیقی مرض میں یہ قید بھی ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ اپنے روز مرہ کے کام کاج سے عاجز ہو جائے، جیسے عالم مسجد نہ جا سکے، تاجر مارکیٹ نہ جا سکے، عورت گھر کے کام کاج نہ کر پائے۔

ایسی کیفیت میں شوہر کا بیوی کو طلاق دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ اگر وہ طلاق رجعی دے اور عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے تو بالاتفاق سب کے نزدیک عورت وارث بنے گی؛ کیونکہ طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد شوہر کا انتقال ہو تو زوجیت کا تعلق ختم ہو جانے کی وجہ سے عورت کسی کے نزدیک بھی وارث نہیں بنے گی۔

2۔ شوہر مرض الوفات میں تین طلاق دے یا طلاق بائن دیدے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ عدت کے بعد شوہر کا انتقال ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق یہ عورت وارث نہیں بنے گی، کیونکہ زوجیت کامل طور پر منقطع ہو گئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عدت کے دوران شوہر انتقال کر جائے۔ یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک تین طلاق سے زوجیت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے اس لیے ان کے نزدیک عورت وارث نہیں بنے گی، اگرچہ عدت باقی ہو۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں عورت کے انتقال پر کہ اگر شوہر مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دیدے اور شوہر سے پہلے بیوی مر جائے تو

شوہر بالاتفاق اس کا وارث نہیں ہوتا لہٰذا جب شوہر بیوی کا اس صورت حال میں وارث نہیں بنتا تو بیوی بھی نہیں بنے گی۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ یہ عورت طلاق بائن کے بعد اس کے لیے حرام ہو گئی لیکن دو وجوہ سے اس کو میراث ملے گی:

1۔ عدت کی وجہ سے بعض آثار نکاح ابھی بھی موجود ہیں اسی وجہ سے اس کا نکاح کہیں جائز نہیں، گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ مکمل طور پر ابھی تک زوجیت منقطع نہیں ہوئی، اس لیے بعض آثار نکاح پائے جانے کی وجہ سے اسے میراث ملے گی۔

2۔ مرض الوفات میں انسان کے مال سے اس کے ورثا کا حق متعلق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس حالت میں وقف، ہدیہ اور تمام تبرعات پر وصیت کے احکام لاگو ہوتے ہیں لہٰذا جب بیوی کا حق بھی اس کے مال سے متعلق ہو گیا تو اب اس کے بعد اس کا اسے طلاق دینا بیوی کو میراث سے محروم کرنے کی سازش شمار ہو گا اس لیے اس کی چال کو ناکام بنا دیا جائے گا اور بیوی کو میراث دی جائے گی۔ چنانچہ جس صورت میں سازش بننا ممکن نہ ہو جیسے عورت نے خود تین طلاق، یا طلاق بائن کا مطالبہ کیا ہو یا خلع لے لیا ہو تو بالاتفاق اسے میراث نہیں ملے گی۔ اسے طلاق کا اختیار دیا گیا اور اس نے خود طلاق کو اختیار کر لیا تو اس سے بھی طلاق نہ ہو گی۔

امام شافعی کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اس لیے وارث نہیں بنتا کہ وہ طلاق دے چکا ہے اور طلاق دے کر اس بات پر راضی ہو چکا ہے کہ اسے میراث نہ ملے ہے نیز بیوی مرض الوفات میں بھی نہیں تھی کہ ہم کہتے کہ شوہر کا حق اس کی میراث سے متعلق ہو چکا ہے کیونکہ بیوی تو صحت مند تھی اس کا انتقال تو اچانک ہوا ہے۔

مسئلہ حب بین الزوجین

محبت کیسے کیسے عجائبات دکھاتی ہے؟ ایک شخص مرتے مرتے چاہتا ہے کہ اپنی محبوب بیوی کو دوسرے ورثا سے زیادہ دے جائے اس کے لیے وہ دو میں سے کوئی ایک تدبیر اختیار کر سکتا ہے:

1۔ مرض الوفات میں یہ اقرار کرلے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں اور اس کی عدت بھی گزر چکی ہے لہٰذا اب وہ اجنبیہ ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے مال کی وصیت کر دے یا دین کا اقرار کر لے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دین یا وصیت اس کے بننے والے حصۂ میراث سے زیادہ ہے تو لازماً یہ حیلہ کر رہا ہے، دوسروں کا حصہ کم کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کی اس تدبیر کو ہم چلنے نہیں دیں گے اور اس کے اس اقرار اور وصیت کا اعتبار نہیں کریں گے ہاں! اگر میراث سے کم کی وصیت یا اقرار ہو تو پھر شک وشبہ کی ضرورت نہیں، اس صورت میں بجائے حیلے کے یہ حقیقت کا اعتراف سمجھا جائے گا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ صاحبین اور امام زفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں مریض کی بات مانی جائے گی۔ دونوں صورتوں میں ہم اسے مشکوک قرار نہیں دیں گے۔

2۔ مرض الوفات کے دوران عورت کے مطالبہ پر مریض یہ کہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور پھر اس کے لیے وصیت کر دے یا دین کا اقرار کر لے۔ اس صورت میں بھی اگر دین یا وصیت اس کے بننے والے حصۂ میراث سے زیادہ ہے تو لازماً یہ حیلہ کر رہا ہے۔ صاحبین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حیلہ ہے دوسروں کا حصہ کم کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کی اس تدبیر کو ہم چلنے نہیں دیں گے اور اس کے اس اقرار اور وصیت کا اعتبار نہیں کریں گے ہاں! اگر میراث سے کم کی وصیت یا اقرار ہو تو پھر شک وشبہ کی ضرورت نہیں، اس صورت میں بجائے حیلے کے یہ حقیقت کا اعتراف سمجھا جائے گا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

دونوں صورتوں میں مریض کی بات مانی جائے گی۔ دونوں صورتوں میں ہم اسے مشکوک قرار نہیں دیں گے؛ کیونکہ عورت نے خود طلاق کا مطالبہ کیا ہے اس لیے یہ حقیقت ہے حیلہ نہیں اس لیے اسے یہ اجنبیہ بن چکی ہے کما مر اور اس کے حق میں وصیت یا دین کا اقرار درست ہے۔

پہلی صورت میں صاحبین اور امام زفر رحمہم اللہ کے دلیل یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورت اجنبیہ ہو جاتی ہے اس لیے اس کو بھی اجنبیہ سمجھا جائے گا جس کے ہمارے پاس تین دلائل ہیں: ایک، مریض کے لیے اپنی سالی سے نکاح جائز ہے۔ ظاہر ہے یہ اسی لیے جائز ہے کہ اس کی بہن عدت گزرنے کے بعد اس کے لیے اجنبیہ بن چکی ہے۔ دوسرا، مریض کی گواہی اس عورت کے حق میں معتبر ہے اگر یہ اس کی زوجہ ہوتی اجنبیہ نہ ہوتی تو کبھی بھی گواہی قبول نہ ہوتی۔ تیسرا، یہ مریض اس کو زکوۃ بھی دے سکتا ہے۔ اگر یہ اس کی بیوی ہوتی، اجنبیہ نہ ہوتی تو زکوۃ دینا بھی جائز نہ ہوتا۔

ان تین وجوہات کی بنا پر صاحبین کہتے ہیں کہ اس اقرار کے بعد یہ عورت مریض کے حق میں اجنبیہ بن گئی لہذا اس کے لیے وصیت یا دین کا اقرار درست ہے، اگرچہ وہ اس کی میراث سے بھی زیادہ مال بن رہا ہو۔ جبکہ دوسرے مسئلہ میں ہم اسے حیلہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اس میں سبب تہمت موجود ہے اور وہ ہے عدت۔ عدت کے اندر نکاح کے اثرات موجود ہوتے ہیں اس لیے ہم نے تہمت کی اس دلیل کا اعتبار کر لیا اور میراث اور اقرار میں سے اقل والی بات مان لی، بسا اوقات دلیل تہمت کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے جیسے قرابت دار کی گواہی فائدے کے موقعوں میں قبول نہ ہونا، زوجین کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہ ہونا، یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ دلیل تہمت پائی جاتی ہے، جبکہ اس طرح کی تہمت آپ کی پیش کردہ تینوں نظائر میں نہیں پائی جاتی۔ اپنی بہن سے اپنے شوہر کی شادی کرانے کی خاطر کوئی عورت کبھی طلاق اور عدت گزرنے

کا نا تک نہیں کر سکتی۔ زکوۃ دینے کے لیے بھی ایسا نا تک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زکوۃ تو ویسے بھی صرف ڈھائی فیصد ہوتی ہے جبکہ بیوی کو ملنے والی میراث کم سے کم ساڑھے بارہ فی صد ہوتی ہے۔

طلاق فار کی 12 صورتوں والا مسئلہ

تمہید کے طور پر یہ سمجھیں کہ کل چار طرح کی تعلیقات ذکر کی گئی ہیں:

1۔ وقت کے ساتھ تعلیق۔ 2۔ فعل اجنبی کے ساتھ تعلیق۔

3۔ اپنے فعل کے ساتھ تعلیق 4۔ بیوی کے فعل کے ساتھ تعلیق۔

ان میں سے وقت قدرتی چیز ہے جو آ کر رہتا ہے۔ غیر کا فعل بھی ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم کسی کو منع کر سکیں کہ یہ کام نہ کرنا ورنہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی نیز یہ بھی نہیں معلوم کہ اس غیر تک ہماری رسائی ممکن بھی ہے یا نہیں۔ یہ دونوں صورتیں ہمارے بس سے باہر ہیں اس لیے فقہانے ان کا حکم یکساں ذکر کیا ہے کہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرض میں تو مطلقا فار نہیں بنے گا؛ کیونکہ تعلیق حالت صحت میں پائی گئی ہے اس لیے یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ بیوی کو میراث سے محروم کرنے کی سازش کی ہے۔ البتہ دونوں مرض الوفات میں ہوں تو بہر صورت فار بنے گا؛ کیونکہ بیوی کو محروم کرنے کی سازش قرار دینا ممکن ہے۔

صورتیں	میراث	طلاق الفار	دلیل
تندرستی میں طلاق کو کسی وقت پر معلق کیا اور وہ وقت مرض الوفات میں آیا	میراث نہیں ملے گی	فار نہیں ہے	سازش کی بو نہیں پائی جا رہی۔ ایلاء کا بھی یہی حکم ہے
مرض الوفات میں طلاق کو کسی وقت پر معلق کیا اور وہ وقت مرض الوفات میں آیا	میراث ملے گی	فار ہے	مرض الوفات میں تعلیق کرنا خود سازش اور فرار کی دلیل ہے۔

تندرستی میں طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا اور اجنبی نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث نہیں ملے گی	فار نہیں ہے	تندرستی میں تعلیق کی ہے جو سازش اور فرار کی دلیل نہیں بن سکتی
مرض میں طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا اور اجنبی نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	مرض الوفات میں تعلیق کرنا خود سازش اور فرار کی دلیل ہے۔

پھر آخری دو صورتوں میں یعنی اپنے فعل کے ساتھ تعلیق کی ہو یا بیوی کے فعل کے ساتھ تعلیق کی ہو، اس میں فعل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک فعل وہ ہوتا ہے جو غیر ضروری ہوتا ہے جیسے شوہر نے کہا کہ تو اپنے دوست کے گھر گئی تو تجھے طلاق۔ اس صورت میں دوست کے گھر میں جانا کوئی ضروری نہیں۔ دوسرا فعل وہ ہوتا ہے کہ شرعا یا طبعا ضروری ہوتا ہے، جیسے نماز پڑھنا شرعا ضروری ہے، والدین سے بات چیت شرعا ضروری ہے۔ واش روم جانا طبعا ضروری ہے کھانا کھانا طبعا ضروری ہے۔ اب اگر شوہر یہ کہہ دے کہ تو نے کھانا کھایا تو طلاق۔ یا نماز پڑھی تو طلاق، اپنے والدین سے بات کی تو طلاق۔ تو یہ سب تعلیقات ایسی ہیں کہ شرط پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے۔ بیوی نہ چاہتے ہوئے بھی یہ کام کر کے رہے گی نہیں کیے تو یا تو مر جائے گی یا عند اللہ پکڑ ہو گی۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تعلیق تندرستی کی حالت میں کرتا ہے اور شرط حالت مرض میں پائی جاتی ہے کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تعلیق اور شرط دو جوں ہی مرض الوفات میں پائی جائیں۔

اس لیے ان دو صورتوں میں یہ تفصیل ہے کہ اپنے فعل کی صورت میں بہر صورت فار بنے گا جبکہ بیوی کے فعل میں ان صورتوں میں فار بنے گا جن میں عورت مجبور ہے اور جن صورتوں میں عورت کا قصور پایا جا رہا ہے اس میں فار نہیں بنے گا۔

صورتیں	میراث	طلاق الفار	دلیل
تندرستی میں طلاق کو اپنے ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	اس طرح کی تعلیق خود ایک بہانہ اور قرینہ ہے میراث نہ دینے کا۔
مرض میں طلاق کو اپنے ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	مکمل طور پر سازش ہی سازش!
تندرستی میں طلاق کو اپنے غیر ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	تعلیق کے وقت سازش کی نہیں تھی لیکن مرض میں خود وہ کام کرنا دلیل فرار ہے
مرض میں طلاق کو اپنے غیر ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	مکمل طور پر سازش ہی سازش؛ اگر میراث دینی ہوتی تو وہ کام بھی نہ کرتا
تندرستی میں طلاق کو عورت کے ضروری فعل پر معلق کیا اور عورت نے فعل مرض الوفات مین کیا	میراث ملے گی	فار ہے	عورت بالکل مجبور ہے اس لیے اس کے فعل کی نسبت مرد کی طرف کی جائے گی
مرض میں طلاق کو عورت کے ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث ملے گی	فار ہے	مکمل طور پر سازش ہی سازش؛ کیونکہ عورت نے وہ کام کرنا ہی کرنا ہے
تندرستی میں طلاق کو عورت کے غیر ضروری فعل پر معلق کیا اور اس	میراث نہیں	فار نہیں ہے	عورت کی اپنی کم عقلی یا نفرت ہے کہ اس نے ایسا اقدام اس

نے فعل مرض الوفات میں کیا	ملے گی		حالت میں اٹھالیا
مرض میں طلاق کو عورت کے غیر ضروری فعل پر معلق کیا اور اس نے وہ فعل مرض الوفات میں کیا	میراث نہیں ملے گی	فار نہیں ہے	عورت کی اپنی کم عقلی یا نفرت ہے کہ اس نے ایسا اقدام اس حالت میں اٹھالیا

اس طرح بارہ صورتیں صاحب ہدایہ نے پیش کی ہیں۔ اکثر صورتیں متن میں مذکور ہیں جبکہ دو صورتیں ایسی ہیں جو شرح میں مذکور ہیں متن میں نہیں۔ صورت نمبر 5 متن میں مذکور نہیں، شرح میں مذکور ہے۔ اسی طرح متن میں اپنے فعل کا ذکر نہیں، شرح میں اپنے فعل کا ذکر ہے۔ اس کی ہر صورت میں عورت کو وارث بنایا گیا ہے۔

اگر مرض الوفات میں طلاق بائنہ دے پھر صحت ہو جائے پھر بعد میں کسی اور مرض سے یا اسی مرض کے دوبارہ حملے سے مر جائے تو یہ بھی فار شمار نہ ہو گا کیونکہ جب اسی مرض میں انتقال نہ ہوا جس میں طلاق دی ہے تو اس سے واضح ہو گیا کہ وہ صحت تھی مرض الوفات نہیں۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ میراث نہیں ملے گی کیونکہ لأنه قصد الفرار حين أوقع في المرض وقد مات وهي في العدة

مرض الوفات میں طلاق دی، عورت مرتد ہو گئی والعیاذ باللہ! پھر مسلمان ہو گئی، پھر شوہر کی وفات ہو گئی اور یہ سب چیزیں عدت کے دوران ہی ہوئیں تو اس صورت میں بھی میراث نہیں ملے گی؛ کیونکہ ارتداد موانع میراث میں سے ہے جو عورت کے اپنے اختیار سے پائی گئی اس لیے وراثت ملتے ملتے رہ گئی، وراثت کا سبب پائے جانے کے بعد اپنے فعل سے وہ اس سے محروم ہو گئی۔ البتہ اسی صورت میں اگر بجائے ارتداد کے عورت نے سوتیلے بیٹے سے زنا کروالیا، پھر شوہر کی وفات ہو گئی تو میراث ملے گی؛ کیونکہ طلاقیں تو واقع ہو چکی تھیں اور فار ہونے کی وجہ سے میراث کا حق بھی متعلق ہو چکا تھا اور سوتیلے بیٹے سے زنا کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت تو ہوئی لیکن موانع ارث میں سے کوئی مانع نہیں پایا گیا اس لیے میراث ملے گی؛ کیونکہ محرمیت اور

میراث دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔ ہاں! اگر وہ طلاق سے پہلے ایسا کرتی تو بے شک میراث نہ ملتی ؛کیونکہ اس صورت میں حرمت مصاہرت کی وجہ سے خود اس کے اپنے ذاتی فعل سے نکاح ختم ہوجاتا۔

باب الرجعة

رجوع کی پانچ شرائط:

طلاق سے رجوع اس وقت درست ہوتا ہے جب پانچ باتیں پائی جائیں:

1۔ طلاق کے الفاظ صریح رجعی یا کنایات رجعیہ میں سے ہو، وہ الفاظ جو صریح بائن یا کنایات بائنہ میں سے ہیں، ان سے رجوع درست نہیں۔

2۔ طلاق کے مقابلے میں عوض بھی نہ لیا ہو؛ کیونکہ عوض کے بدلے میں طلاق دینے سے رجعی بھی بائن بن جاتی ہے جس سے رجوع درست نہیں۔

3۔ طلاق ایک یا دو دی ہوں، تین طلاق کی صورت میں رجوع ممکن نہیں۔

4۔ مدخول بہا کو طلاق دی ہو؛ کیونکہ رخصتی سے پہلے طلاق ہمیشہ بائن ہی ہوتی ہے۔

5۔ رجوع عدت کے اندر کرے؛ کیونکہ عدت کے بعد رجوع درست نہیں۔

لا تصح الرجعة إلا بالقول

رجوع جیسے قول سے ہوسکتا ہے، فعل سے بھی ہوسکتا ہے۔ فعل سے مراد صرف وہی افعال ہیں جو نکاح کے ساتھ خاص ہیں یعنی جماع اور دواعی جماع۔ امام شافعی کے نزدیک صرف قولا رجوع ہوسکتا ہے فعلا نہیں۔ اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک رجوع نام ہے استدامت نکاح کا۔ اس لیے جماع کرنا جائز ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک طلاق رجعی سے نکاح ختم ہوجاتا ہے اور رجوع نام ہے تجدید نکاح

کا۔ اس لیے جب ان کے نزدیک نکاح ہی ختم ہے تو جماع و دواعی بھی جائز نہیں۔ یہی مسئلہ باب الرجعۃ کے آخر میں بھی آیا ہے۔

رجوع کے لیے دو گواہ

رجوع کے لیے دو گواہ بنالینا مستحب ہے، واجب نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔ اس اختلاف کا منشا بھی وہی ہے جو اس سے اوپر والے اختلاف کا ہے کہ ہم اسے استدامت مانتے ہیں اور وہ اسے تجدید نکاح۔ ان کی دلیل سورہ طلاق کی آیت نمبر 2 میں مذکور جملہ واشهدوا ذوی عدل منکم کا ظاہر ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں اس آیت میں امر استحباب کے لیے آیا ہے وجوب کے لیے نہیں، جس کا قرینہ یہ ہے کہ فامسکوهن بمعروف کا اگلا حصہ اوفارقوهن ہے، اس میں بھی امر استحبابی ہے۔ نیز بقیہ جگہوں پر جیسے سورہ بقرہ میں جہاں جہاں امسکوهن کا لفظ آیا ہے وہاں کہیں بھی گواہ بنانے کا ذکر نہیں آتا۔ قیاس سے دیکھا جائے تو بھی گواہی شرط نہیں ہونی چاہیے کیونکہ گواہ ابتدائے نکاح کے موقع پر رکھے جاتے ہیں، نکاح ہو چکنے کے بعد بقائے نکاح کی کسی بھی حالت میں گواہ شرط نہیں اس لیے جب رجوع استدامت نکاح ہے تجدید نکاح یا ابتدائے نکاح نہیں تو اس میں بھی گواہ شرط نہیں ہوں گے، جیسے اس کی مثال ایلاء ہے کہ ایلاء سے رجوع کے وقت بھی گواہ بنانا شرط نہیں۔

کنت راجعتها فی العدة

آج کل بھی اس طرح کے مسائل پیش آتے ہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ عدت گزر چکی ہے لہٰذا آپ رجوع نہیں کرسکتے جبکہ شوہر کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ میں دوران عدت رجوع کر چکا ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔اگر بیوی کی عدت گزرنے کا علم ہے اور بیوی سب کو بتا چکی ہے کہ میری عدت گزر چکی ہے تو اب نکاح سے نکل جانا اصل بن جائے گا اور شوہر کا یہ دعوی کہ وہ عدت کے اندر رجوع کر چکا ہے خلاف اصل بن جائے گا لہذا وہ یا تو گواہوں سے ثابت کرے ورنہ عورت کی بات مان لی جائے گی۔

2۔عدت گزرنے کی کسی کو خبر نہیں ہوئی، سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ عدت چل رہی ہے اس دوران شوہر نے کہا کہ میں رجوع کر چکا ہوں، عورت یہ کہتی ہے کہ میری عدت تو گزر چکی ہے، لہذا آپ کا رجوع درست نہیں، میں آپ کے نکاح میں نہیں ہوں۔ اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے:

صاحبین کے نزدیک مرد کی بات مانی جائے گی کیونکہ جب اس نے عدت کے ختم ہونے کا کسی سے تذکرہ کیا ہی نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ عدت باقی تھی اور شوہر نے عدت کے دوران رجوع کیا تھا۔ گویا بقائے نکاح اصل بنے گا اور نکاح نہ ہونا خلاف اصل۔ اس لیے عورت مدعی ہے وہ یا تو عورت گواہوں سے اپنی عدت کی تکمیل ثابت کرے بصورت دیگر شوہر کی بات مان لی جائے گی۔ اس کی نظیر طلاق کا مسئلہ ہے کہ شوہر اس حالت میں بجائے رجوع کے طلاق دیدے تو طلاق ہو جاتی ہے۔

امام صاحب کے زمانے میں دیانت داری زیادہ تھی اس لیے وہ اپنے زمانے کے مزاج کو دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عورت جب یہ کہہ رہی ہے کہ عدت ختم ہو چکی ہے تو وہ ایک ایسی بات کر رہی ہے جس کا درست علم اسی کو ہو سکتا ہے اس لیے اس کی بات کو مان لیا جائے گا۔ باقی یہ کہ عدت کب گزری؟ تو یوں کہا جائے گا کہ مرد کے رجوع سے تھوڑی دیر پہلے عدت گزری۔ اور طلاق والے مسئلے کے دو جواب ہیں: ایک جواب منع ہے کہ ہم اس مسئلہ کو کہاں تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرا جواب تسلیمی ہے کہ ٹھیک ہے طلاق ہو جائے گی لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے اور وہ یہ

کہ عورت عدت گزرنے کا کہے اور مرد یہ کہہ کر دوسری طلاق دے کہ عدت نہیں گزری تو طلاق اس لیے ہوگی کہ اس میں اس پر کوئی تہمت عائد نہیں ہوتی بلکہ اپنی ذات پر شدت ہورہی ہے اس لیے اس کی بات مان لی جائے گی جبکہ رجوع والے زیر بحث مسئلے میں تہمت پائی جارہی ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے فائدہ چاہ رہا ہے اس لیے یہاں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

3۔ رجوع صراحتاً بھی ہوسکتا ہے اور کنایتاً بھی۔ صریح رجوع کے الفاظ یہ ہیں: میں تمہیں اپنی بیوی بنالیا، میں نے طلاق سے رجوع کیا۔ کنائی رجوع کے الفاظ یہ ہے کہ تم میرے لیے پہلے کی طرح ہوگئی ہو۔

4۔ صریح رجوع میں نیت کے بغیر بھی رجوع ہوجائے گا، کنائی میں نیت سے رجوع ہوگا۔

تیسرا حیض مکمل دس دن پر ختم ہو

اگر تیسرا حیض مکمل دس دن پر ختم ہو تو حیض ختم ہوتے ہی عدت ختم ہوجائے گی، لہذا رجوع کا حق بھی ختم ہوجائے گا، لیکن اگر تیسرا حیض دس دن سے کم پر ختم ہو تو غسل یا نماز ذمہ میں لاگو ہوجانے سے عدت ختم ہوگی، اس سے پہلے ختم نہ ہوگی لہذا اس دوران رجوع کا حق باقی رہے گا۔ اگر پانی نہ ہو تیمم غسل کے قائم مقام ہوگا۔

البتہ یہاں یہ اختلاف ہے کہ صرف تیمم کافی ہے یا اس کے ساتھ نماز بھی ضروری ہے؟ امام محمد قیاس کے مطابق یہی فرماتے ہیں کہ تیمم کیونکہ غسل کا قائم مقام ہے اس لیے صرف تیمم ہی سے عورت پاک ہوجائے اور اسی سے رجوع کا حق ختم ہوجائے گا۔ جبکہ شیخین یہاں رجوع کی گنجائش دینے کے لیے فرماتے ہیں کہ تیمم کے ساتھ ساتھ نماز بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تیمم گو اس معنی میں طہارت مطلقہ ہے کہ تمام نمازیں جائز ہیں اور وقت نکلنے کے بعد بھی تیمم باقی رہتا ہے لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے تیمم ایک عارضی طہارت ہے، جسے مجبوری کے تحت کیا جاتا ہے تاکہ نمازیں کئی گنا لازم نہ ہوجائیں، اس لیے طہارت ضروریہ اقتضائیہ مانتے ہوئے اس پر

ضرورت کے احکام متفرع کیے جائیں گے۔ اور الضرورۃ تتقدر بقدرھا کے تحت ضرورت شرع ہوتی ہے تیمم کے بعد نماز پڑھتے ہوئے، اس لیے اس سے پہلے وہ اپنا اثر نہیں دکھائے گا۔ لہذا نماز سے پہلے پہلے مرد رجوع کر سکتا ہے نماز کے بعد نہیں کر سکتا۔ ثم قیل تنقطع بنفس الشروع عندھما وقیل بعد الفراغ لیتقرر حکم جواز الصلاۃ

وإذا اغتسلت ونسيت شيئا من بدنها

مطلقہ رجعیہ کی عدت چل رہی ہے۔ تیسرا حیض دس دن سے کم میں بند ہوا، اس نے غسل کیا لیکن بدن کا کوئی حصہ خشک رہ گیا، ابھی کوئی نماز بھی ذمہ میں لازم نہیں ہوئی، اس حالت میں کیا شوہر اس سے رجوع کر سکتا ہے؟ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر تین باتیں ہیں:

1۔ ایک قیاس یہ کہتا ہے کہ اکثر اعضاء دھل گئے ہوں تو للاکثر حکم الکل کے تحت قائم مقام غسل شمار کر کے رجوع کا حق نہیں دینا چاہیے۔

2۔ دوسرا قیاس یہ کہتا ہے کہ بدن کو کوئی ایک بال بھی خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوتا، جب غسل نہیں ہوا تو رجوع کا حق ملنا چاہیے۔

3۔ تیسرا استحسان یہ ہے کہ اگر کوئی پورا عضو خشک رہ گیا ہے تو یہی سمجھنا چاہیے کہ عضو دھونا بھول گئی ہے لہذا غسل نہیں ہوا، جب غسل نہیں ہوا تو رجوع کا حق باقی رہا۔ لیکن اگر عضو سے کم خشک رہ گیا ہے تو یوں سمجھیں گے کہ غسل پورا کر لیا تھا لیکن اتنا حصہ جلدی خشک ہو گیا اس کو ایسا لگ رہا ہے کہ پانی اس پر نہیں پہنچ سکا، لہذا جب غسل ہو گیا تو رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے لہذا دوسری شادی کے حق میں احتیاط یہ ہے کہ یہ عورت اس عضو کو دھوئے بغیر دوسری شادی نہ کرے۔

یہاں ایک ذیلی اختلاف یہ ہے کہ کلی کرنا بھول گئی ہو تو وہ عضو بھولنا شمار ہو گا یا عضو سے کم؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عضو کامل بھولنا شمار ہو گا جبکہ امام محمد کے نزدیک عضو سے کم

بھولنے کی طرح شمار ہوگا؛ کیونکہ کلی کی فرضیت میں اختلاف ہے۔بقیہ اعضا کی فرضیت میں اختلاف نہیں اس لیے اختلاف کی وجہ سے اس کے حکم میں تخفیف پیدا ہو جائے گی۔

شوہر کا لم اجامعہا کا دعوی

شادی ہوئی، طلاق بھی ہو گئی، لیکن شوہر کا دعوی ہے کہ میں قریب نہیں گیا، لہذا عورت بائنہ ہے، مجھے رجوع کا حق نہیں رہا، بیوی کا بیان ہے کہ میں حاملہ ہوں، میں عدت گزار رہی ہوں یا وہ طلاق سے پہلے ہی بچہ جن چکی ہے۔ تو اس صورت میں حمل اور بچہ کی نسبت کس کی طرف کی جائے؟ کیونکہ یہاں دو باتوں میں ٹکراؤ ہے: ایک ان کا بیان ہے، دوسرا یہ حمل اور بچہ ہے۔ اس کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماع نہیں کیا جبکہ بچہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ جماع کیا ہے۔ ترجیح کس کو دی جائے؟ جواب یہ ہے کہ الولد للفراش کے قاعدے کے تحت یہ حمل اور بچہ اسی شوہر سے ثابت النسب مانا جائے گا، بلکہ زنا کا کیس ہو تو اس طرح کی صورت میں شوہر کا احصان بھی ثابت ہو جاتا ہے اس لیے ترجیح اس کے بیان کو نہیں دی جا سکتی، بلکہ حمل اور ولادت اس کے بیان کے لیے مکذب شرعی بن جائیں گے اور لم اجامعہا کو اس کا جھوٹا بیان قرار دیا جائے گا، لہذا اس عورت کی عدت چل رہی ہے اور عدت کے دوران یہ اس سے رجوع کر سکتا ہے۔

اگر اس نے صرف خلوت صحیحہ کی ہوتی اور پھر باہر نکل کر یہ کہتا کہ میں نے جماع سے پہلے ہی اس کو طلاق دیدی ہے تو رجوع کا حق نہ ہوگا، کیونکہ رجوع خود اس کا حق ہے وہ نہیں لینا چاہتا تو نہ لے، البتہ مہر مکمل دینا پڑے گا؛ کیونکہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ بیوی نے اپنا آپ اس کے حوالے کر دیا تھا۔ فائدہ اس نے نہیں اٹھایا تو اس میں عورت کا قصور نہیں۔ البتہ اگر عورت کو دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے اور عورت بھی یہی کہے کہ یہ بچہ اس شوہر کا ہے تو پھر ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اسے رجوع کا حق ہوگا کیونکہ مکذب شرعی یہاں بھی پایا گیا۔

یہاں ہم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ طلاق کے بعد شوہر نے وطی کی ہوگی لیکن ہم ایسا نہیں کہیں گے کیونکہ مسلمان کی طرف حرام فعل کی نسبت بغیر شرعی ثبوت کے نہیں کی جاسکتی اس لیے ہم حسن ظن رکھتے ہوئے یہی کہیں گے کہ جماع طلاق سے پہلے ہوا تھا۔

إذا ولدت فأنت طالق

شوہر نے طلاق کو ولادت پر معلق کر دیا، اس لیے یمین تو وجود میں آچکی اب جیسے ہی ولادت ہوگی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور عدت طلاق شروع ہو جائے گی، لیکن اگر دوبارہ چھ ماہ بعد کسی وقت بچہ پیدا ہو گیا اور عورت نے بھی عدت گزرنے کا اقرار ابھی تک نہیں کیا تھا تو یہ مانا جائے گا کہ عدت کے دوران شوہر بیوی کے قریب چلا گیا تھا جس سے یہ حمل قرار پایا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، اس لیے رجوع ثابت ہو جائے گا اور یہ اب بھی اس کی بیوی ہے، آئندہ اسے دو طلاقوں کا حق حاصل ہے۔

یہاں ایک اور صورت ہے کہ اذا ولدت کے بجائے کلما ولدت فانت طالق کہا ہو، بقیہ صورت یہی ہو تو پہلی ولادت سے پہلی طلاق ہوگی اور اس کی عدت شروع ہو جائے گی، پھر دوسرا بچہ پہلی طلاق سے رجوع کی علامت بنے گا، لیکن دوسری ولادت سے دوسری طلاق بھی ہو جائے گی اور اس کی عدت شروع ہو جائے گی، پھر تیسرا بچہ پیدا ہوا تو وہ اس دوسری طلاق سے رجوع کی علامت ہوگا اور بچہ ثابت النسب ہوگا لیکن تیسرے بچہ کی ولادت سے تیسری طلاق بھی ہوگی، تین طلاقوں کے بعد اب یہ عورت طلاق کی عدت تین ماہواریاں گزار کر آزاد ہو جائے گی۔

مطلقہ رجعیہ عدت کیسے گزارے گی؟

مطلقہ رجعیہ عدت کے دوران زیب وزینت کر سکتی ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ شوہر کو رغبت پیدا ہو اور وہ رجوع کر لے۔ اگر شوہر کو رجوع نہیں کرنا تو اسے چاہیے کہ گھر میں داخل

ہوتے وقت دروازہ کھٹکھٹا کر جائے یا جوتیوں کی آواز پیدا کرے تا کہ بیوی سہی سے بیٹھ جائے، اگر اچانک جائے گا تو ممکن ہے کہ بیوی کسی ایسی حالت میں بیٹھی ہو کہ جس کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی رجوع کرنا پڑ جائے۔

اگر شوہر اس کو سفر میں لے کر جانا چاہتا ہے تو پہلے رجوع کرے پھر لے کر جائے اس کے بغیر لے کر نہیں جا سکتا۔ (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ) (الطلاق: 1) سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

امام زفر کے نزدیک بغیر رجوع کیے بھی لے کر جا سکتا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے تو سفر بھی اس کے ساتھ کر سکتا ہے، لیکن قول راجح یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ وطی کر سکتا ہے لیکن وطی سے رجوع ثابت ہو جائے گا، سفر سے کہاں رجوع ثابت ہو گا؟ اس لیے اگر اسے لے کر جانا ہی ہے تو پہلے اس کو اپنی بیوی تو بنا لے۔ بالفرض وہ سفر پر لے گیا اور اس نے رجوع نہ کیا یہاں تک کہ عدت گزر گئی تو اس کا کیا مطلب ہو گا؟ یہی کہ بغیر حاجت شرعیہ اور بغیر محرم کے سفر کیا جو شرعاً جائز نہیں۔ شوہر نا محرم اس لیے کہلائے گا کہ طلاق دیدی ہے، اسی وجہ سے عدت کی تین ماہواریاں عدت میں شمار ہوتی ہیں اور اس سے عدت گزر جاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ نا محرم بن جاتا ہے تو وطی کیوں جائز ہے اور نکاح قائم رہتا ہے وہ کیوں قائم رہتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس نے طلاق دی ہے اور طلاق کا اصل عمل یہی ہے کہ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور بیوی نا محرم بن جاتی ہے لیکن شریعت نے شوہر کی حاجت کو دیکھتے ہوئے اس کو یہ گنجائش دی ہے کہ وہ عدت کے دوران نکاح کے اس رشتے کو بحال کر لے، اس لیے طلاق کے باوجود بالاجماع عدت کے آخر تک طلاق اپنا اثر موخر کر دیتی ہے، لیکن ظاہر ہے یہ اسی وقت ہو گا جب وہ رجوع کرے بھی، لیکن اگر وہ رجوع ہی نہ کرے تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا اور اول طلاق سے ہی طلاق اپنا عمل کرے گا، اسی وجہ سے ہم نے سفر کی بھی اجازت نہیں دی۔

حلالہ شرعیہ

اگر ایک یا دو طلاق رجعی دی ہیں تو دوران عدت رجوع سے ہی حلال ہو جائے گی، شوہر کو بقیہ ماندہ طلاقوں کا حق رہ جائے گا۔ اگر ایک یا دو طلاق بائن دی ہیں تو عدت کے اندر اور عدت کے بعد نئے نکاح سے بیوی حلال ہو گی، حلالہ کی ضرورت نہیں ہو گی؛ کیونکہ تین طلاق سے پہلے پہلے تک حلت باقی رہتی ہے، تین کے بعد حرمت مغلظہ آتی ہے، ہاں! جب تینوں دے دیں تو اب حلت ختم ہو گئی، جو بغیر حلالہ شرعیہ کے واپس نہیں آسکتی۔ جب حلالہ شرعیہ ہو جائے گا تو زوج ثانی، گزشتہ تمام طلاقوں اور اس کی حرمت کو مکمل طور پر منہدم کر کے نئی حلت پیدا کر دے گا، اس لیے اب عورت اس کے لیے تین نئی طلاقوں کی ملکیت کے ساتھ واپس آجائے گی۔

حلالہ شرعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کا اب کسی بالغ مرد یا کم از کم مراہق سے دو گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ نکاح ہو اور وہ اس سے مجامعت کر لے اور پھر محض اپنی مرضی سے عورت کو طلاق دیدے، یا وفات پا جائے اور عورت کی عدت بھی گزر جائے، عدت گزرنے کے بعد اب پہلے شوہر کا اس سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

عام طور پر حلالہ کا جو یہ طریقہ رائج ہے کہ دوسرے شوہر کے ساتھ زبانی یہ معاہدہ کیا جاتا ہے کہ ایک بار مجامعت کے بعد طلاق دینی ہو گی ایسا حلالہ کرنا کرانا حرام ہے، اس سے بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال تو ہو جاتی ہے لیکن سخت گناہ ملتا ہے، حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کروانے والے پر لعنت آئی ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (البقرة: 230)

عن ابن عباس قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
المحلل والمحلل لہ

اگر یہ خطرہ ہو کہ دوسرا شوہر طلاق نہیں دے گا تو اس کا حل یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت یا اس کے ولی کی طرف سے یہ شرط رکھی جائے کہ طلاق کا اختیار ہر وقت مجھے رہے گا اور مرد اس شرط کے ساتھ نکاح قبول کر لے، اس طرح نکاح کرنے سے عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جائے گا کہ شوہر ثانی سے نکاح اور مجامعت کے بعد اپنے اوپر طلاق واقع کر دے اور اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر لے۔ (امداد المفتین ج ۲ ص ۵۸۲)

یاد رہے کہ حلالہ اگر مشروط طریقے سے ہو تب بھی وہ نکاح موقت کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ نکاح موقت میں وقت طے ہوتا ہے جبکہ مشروط حلالہ میں وقت طے نہیں ہوتا؛ کیونکہ ممکن ہے ہمبستری فورا نہ ہو بلکہ کچھ دنوں بعد ہو یا مہینے کے بعد یا سال بعد ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ مشروط حلالہ قابل لعنت ہے۔ اسی سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے موقف کا جواب نکل آتا ہے جس میں وہ اس کو نکاح موقت کی طرح جانتے ہیں۔

عورت تین طلاق کے بعد اتنی مدت میں زوج اول کے پاس لوٹ آئے جس مدت میں یہ تمام مراحل ممکن ہوں اور شوہر کو بھی غالب گمان ہو کہ یہ سچ کہہ رہی ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی؛ کیونکہ امور دینیہ میں خبر واحد معتبر ہے، اگر اسے دنیوی معاملہ جائے تو اس میں بھی ایک بندے کی خبر معتبر ہے۔

مسئلۃ الھدم کے دلائل

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تین طلاق کے بعد حلالہ ہو جائے اور عورت دوبارہ زوج اول کے نکاح میں آئے تو اسے تینوں طلاقوں کا حق ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زوج ثانی، زوج اول کی تینوں طلاقوں کو منہدم کر دیتا ہے اور اسے نئی ملکیت بخشتا ہے۔ اسی طرح اس پر بھی سب متفق

ہیں کہ زوج اول نے صرف ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور زوج ثانی کے پاس جائے بغیر دوبارہ زوج اول سے نکاح ہو تو تجدید نکاح کے بعد شوہر کو بقیہ طلاقوں کا حق ملتا ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

اختلاف اس صورت میں ہے جب زوج اول نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں جس کی عدت گزارنے کے بعد عورت زوج ثانی سے نکاح کر کے اور اس سے طلاق لے کر دوبارہ زوج اول کے پاس آجائے تو اس صورت میں زوج اول کو تین طلاقوں کا از سر نو حق حاصل ہو گا یا پہلی والی تین طلاقوں میں سے جتنی باقی ہیں، صرف اس کا حق ملے گا؟ شیخین کے نزدیک اس صورت میں بھی زوج ثانی گزشتہ تمام طلقات کو منہدم کر دے گا اور زوج اول کو نئی توانائی حاصل ہو گی، تینوں طلاقوں کا حق ملے گا۔ جبکہ امام محمد، امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ماقبل کا حق حاصل ہو گا۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک نے حلالہ تین طلاقوں پر رکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ زوج ثانی تین طلاق یعنی حرمت مغلظہ کو ختم کرتا ہے اس سے کم کو نہیں، کیونکہ ایک یا دو طلاقوں سے حرمت مغلظہ آتی ہی نہیں، لہذا جب حرمت آئی ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ حلت باقی ہے اس لیے جب تک سابقہ حلت باقی ہے تو پہلے اس کو ختم کرنا ضروری ہے اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ ماقبل طلاقیں باقی رہیں۔

شیخین کی دلیل مشہور حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ ہے، اس میں زوج ثانی کو مطلقا محلل کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ زوج ثانی زوج اول کے لیے حلت جدیدہ کو ثابت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ حلت جدیدہ یہی ہے کہ تین طلاقوں کا حق ملے۔

باب الایلاء

ایلاء کے لغوی معنی ہیں: قسم کھانا، شرعاً شوہر کے چار ماہ یا زیادہ کے لیے بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانے کو ایلاء کہتے ہیں۔

احناف کے نزدیک مدتِ ایلاء کے دوران شوہر رجوع نہ کرے تو خود بخود طلاق بائن ہو جائے گی۔ آیت ایلاء کی تفسیر بھی احناف کے نزدیک یہی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک خود بخود طلاق نہ ہوگی بلکہ قضائے قاضی کے بعد ہوگی، گویا شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کر رہا تو عدالت بیچ میں آکر پہلے حقوق دلوانے کی کوشش کرے گی وہ نہ دے تو شوہر کی نیابت میں عدالت نکاح منسوخ کردے گی۔ جیسا کہ مجبوب اور عنین کی صورت میں عدالت بیچ میں آکر نکاح منسوخ کرتی ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء طلاق منجز تھی، یعنی فوراً طلاق پڑجاتی تھی، شریعت نے اس کو طلاق برقرار رکھا ہے صرف مدت بڑھادی ہے۔ فوراً طلاق کے بجائے چار ماہ کی مدت کے ساتھ مشروط کردیا ہے لہٰذا اگر شوہر اس مدت کے دوران عورت کا حق زوجیت ادا کردے تو ٹھیک ورنہ اس کے اس ظلم کی سزا سے اسی طرح دی جائے گی کہ مدت گزرتے ہی، اصل کے مطابق طلاق پڑجائے گی۔ صحابہ کرام میں سے بڑے بڑے صحابہ کا یہی موقف تھا۔

وھو المأثور عن عثمان و علی و العبادلة الثلاثة و زید بن ثابت رضوان اللہ علیھم أجمعین و کفی بھم قدوۃ

صورت	حکم
میں تیرے قریب نہیں آوں گا	صریح ایلاء / ایلاء موبدہ
میں چار ماہ تیرے قریب نہیں آوں گا	صریح ایلاء / ایلاء موقتہ
میں تیرے بستر پر نہیں سوؤں گا	کنائی ایلاء / ایلاء موبدہ
میں تین ماہ تیرے قریب نہیں آوں گا	ایلاء نہیں ہوا
پورا سال قریب نہیں آوں گا سوائے ایک دن کے	ایلاء نہیں ہوا
اگر تیرے قریب آیا تو مجھ پر حج واجب	ایلاء ہوگیا؛ کیونکہ شرط جزا مل کر یمین ہے

اگر تیرے قریب آیا تو تجھے طلاق	ایلاء ہو گیا؛ کیونکہ شرط جزا مل کر یمین ہے
اجنبیہ سے ایلاء کے الفاظ کہے پھر اسی سے نکاح کیا	ایلاء نہیں ہوا، قسم ہو گئی
مریض نے ایلاء کیا یا شوہر نے اتنے دور علاقے سے ایلاء کیا کہ چار ماہ میں بیوی کے پاس نہیں آسکتا یا بیمار بیوی سے ایلاء کے الفاظ کہے	ایلاء ہو گیا لیکن زبان سے بھی رجوع کر سکتا ہے، چار ماہ سے پہلے عذر ختم ہو گیا تو جماع ضروری ہو گا

ایلاء کے قواعد:

1۔ چار ماہ سے کم کے لیے بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تو قسم ہے، ایلاء نہیں۔

2۔ چار ماہ یا زیادہ کے لیے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء بھی ہے اور قسم بھی۔ اس کے بعد چار ماہ تک شوہر قریب نہ جائے تو طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

3۔ اگر ایلاء مؤقتہ ہو اور چار ماہ قریب نہیں گیا تو طلاق بائن ہو جائے گی اور قسم بھی ختم ہو جائے گی چنانچہ دوبارہ نکاح کر لینے کی صورت میں گزشتہ ایلاء کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو گا، لیکن اگر ایلاء مؤبدہ ہو اور چار ماہ قریب نہ گیا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا تو گزشتہ ایلاء پھر لوٹ آئے گا، اگر چار ماہ کے دوران قریب چلا گیا تو حانث ہو جائے اور ایلاء ختم ہو جائے لیکن قریب نہیں گیا تو چار ماہ کے بعد دوسری طلاق، پھر اگلے نکاح میں بھی قریب نہ گیا تو تیسری طلاق پڑ جائے گی۔ اس کے بعد حلالہ ہوا اور حلالہ کے بعد چوتھی بار نکاح ہوا تو صرف قسم باقی رہے گی لیکن ایلاء ختم ہو جائے گا، یعنی قریب گیا تو حانث ہو جائے گا اور کفارہ دینا ہو گا لیکن چار ماہ قریب نہ جانے سے مزید طلاق نہ ہو گی۔

أنت علی حرام

اگر شوہر بیوی سے انت علی حرام کہہ ڈالے تو مفتی بہ قول کے مطابق عرف کی وجہ سے طلاق صریح بائن واقع ہو جائے گی، تاہم قدیم فقہا کے زمانے مین جب طلاق کا عرف نہ تھا اس وقت اس کے اندر پانچ احتمالات ہوتے تھے:

1. جھوٹ بولنے کی نیت ہو تو کچھ بھی واقع نہ ہو گا؛ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ عورت اس پر حرام نہیں ہے۔
2. طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائن ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔
3. ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہو جائے گا۔ یہ شیخین کا مذہب ہے۔ امام محمد کے نزدیک حرف تشبیہ مذکور نہیں، اس لیے ظہار نہیں بنے گا۔
4. حرام کرنے کی نیت کی ہو تو ایلاء ہو گا؛ کیونکہ تحریم الحلال یمین ہے اور پاس نہ جانے کی قسم ایلاء ہی ہے۔
5. کوئی نیت نہ ہو تب بھی ایلاء ہو گا؛ کیونکہ یہ جملہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے یمین ہی ہے۔

باب الخلع

خلع کے لغوی معنی ہیں: اتارنا۔ خلع کا شرعی مفہوم ہے عقد نکاح کو کسی عوض کے بدلے جانبین کی رضامندی سے ختم کرنا۔

خلع اور طلاق کے درمیان کئی فرق ہیں: ایک یہ کہ خلع عورت کے مطالبے پر ہوتا ہے جبکہ طلاق مرد ہی دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ طلاق میں عوض ہونا ضروری نہیں جبکہ خلع کے بدلے عوض ہوتا ہے۔ تیسرا، خلع سے طلاق بائن ہوتی ہے جبکہ طلاق سے رجعی۔ چوتھا، طلاق کے لیے

عورت کی رضامندی ضروری نہیں، خلع کے لیے مرد کی رضامندی ضروری ہے۔ خلع کے مزید احکام "مبارات" کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں۔

عدالتی خلع

واضح رہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر یکطرفہ عدالتی خلع شرعاً کسی کے نزدیک بھی جائز اور معتبر نہیں، اس لیے اگر شوہر دستخط کردے یا وہ زبانی طور پر اس کی اجازت دیدے تو خلع ہو جائے گا لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات نہ پائی جائے تو صرف کورٹ کے فیصلے سے خلع شرعا معتبر نہ ہوگا۔

البتہ مرد کی رضامندی کے بغیر فسخ نکاح معتبر ہے۔ اس لیے اگر عدالت فسخ نکاح کی اسباب میں سے کسی سبب کو فیصلہ کی بنیاد بنائے تاہم الفاظ خلع کا استعمال کرے تو فسخ نکاح کی بنیاد پائے جانے کی وجہ سے عدالت کا یہ فیصلہ بھی فسخ نکاح قرار پائے گا اور نکاح ختم ہو جائے گا۔

اسباب فسخ نکاح

فسخ نکاح کے بین المذاہب اسباب یہ ہیں:

1. نان نفقہ نہ دینا
2. لمبی پٹائی کرنا جس سے بدن سوج جائے یا نشان پڑجائیں
3. شوہر کا پاگل ہو جانا
4. شوہر کا نامرد ہونا
5. شوہر کا مقطوع الذکر ہونا
6. شوہر کا خصی ہونا
7. جذام کی بیماری لاحق ہو جانا

8. برص کی بیماری ہو جانا

9. شوہر کا غائب یا لاپتا ہو جانا

10. ایک سال سے شوہر کا قید میں ہونا

اگر عدالت ان اسباب میں سے کسی کو بنیاد بنا کر نکاح منسوخ کرے تو حکم الحاکم رافع للخلاف کے قاعدے کے تحت اس کا فیصلہ معتبر ہو گا۔

خلع طلاق بائن کیوں ہے؟

اس کی تین وجوہات ہیں:

1۔ حدیث میں اسے طلاق بائن کہا گیا ہے لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام: الخلع تطلیقۃ بائنۃ

2۔ خلع کنایات میں سے ہے اور کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے۔

3۔ جب عورت مال کے بدلے علیحدگی حاصل کر رہی ہے تو اس کی منشا اسی علیحدگی سے پوری ہو گی جس میں اس کے ہاتھ سے مال جاتا ہے چلا جائے لیکن بدلے میں ایسی علیحدگی آئے کہ اس سے شوہر رجوع نہ کر سکے۔ اور یہ خصوصیت طلاق بائن کو حاصل ہے۔ طلاق رجعی میں تو شوہر رجوع کر کے سارا کھیل خراب کر سکتا ہے۔

عوض کی مقدار

اس حوالے سے قدوری اور جامع الصغیر کی عبارتوں کے درمیان تعارض ہے۔ قدوری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد کا قصور ہو تو ایک روپیہ بھی لینا جائز نہیں اور قصور عورت کا ہو تب بھی صرف بقدر مہر لینا جائز ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے جبکہ جامع الصغیر کی عبارت سے زائد رقم لینے کا مطلقا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس تعارض کا حل صاحب ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ قدوری دیانت کے مطابق مسئلہ بیان کر رہے ہیں جبکہ جامع الصغیر میں قضا کے مطابق مسئلہ درج ہے۔

لہذا اگر قصور مرد کا ہو تو اس کے لیے ایک پیسا بھی لینا حرام ہے دیانتاً آیت {وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ إلى أن قال فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا} [النساء: من الآية20] پر عمل کرتے ہو۔ البتہ قضاءً وہ مہر کے بقدر بلکہ زیادہ بھی لے مانگے تو جائز ہے {فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ} کے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے، لیکن وہ گناہ گار ہو گا۔

دوسری طرف اگر قصور عورت کا ہو تو مرد کے لیے دیانتاً بقدر مہر عوض لینا طیب اور حلال ہے، اس سے زیادہ عوض لینا مکروہ ہے، کراہت کی دلیل ثابت بن قیس کی بیوی والی حدیث ہے جس کے مطابق قصور عورت کا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر سے زائد لینے کو ناپسند فرمایا تھا، لیکن اگر لے لیا تو آیت {فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ} کی وجہ سے قضاءً درست ہے۔

طلاق علی مال

طلاق علی مال خلع کے قائم مقام ہے، یعنی اس سے بھی طلاق بائن واقع ہو گی۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرد نے عورت کو پیشکش کی کہ اگر آپ مجھے اتنے پیسے دے دیں تو میری طرف سے آپ کو طلاق ہے۔ مرد نے طلاق کو معلق کر دیا بیوی کے قبول پر اور عورت نے اس شرط کو قبول کر لیا تو جیسے ہی عورت مال دے گی اور اس کے جواب میں مرد طلاق کے لفظ بولے گا تو عورت کو طلاق بائن ہو جائے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملک نکاح کا عوض لینا جائز بھی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جی ہاں! عورت خود کو مرد سے نجات دلانے کے لیے اپنے اوپر مال لازم کر لے تو شرعاً اس کی اجازت ہے جیسے اس کی نظیر قصاص ہے کہ وہ بھی مال کے عوض مال نہیں ہے بلکہ اپنی جان چھڑانے کے لیے مال دینا ہے۔

اور اس سے طلاق بائن اس لیے ہو گی کہ طلاق کا لفظ ایک یا دو بار کہا جائے تو ویسے اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لیکن جب اس کے ساتھ عوض رکھ دیا گیا تو اب طلاق بائن بن جائے گی

؛کیونکہ جب عورت مال کے بدلے علیحدگی حاصل کر رہی ہے تو اس کی منشا اسی علیحدگی سے پوری ہوگی جس میں اس کے ہاتھ سے مال جاتا ہے چلا جائے لیکن بدلے میں ایسی علیحدگی آئے کہ اس سے شوہر رجوع نہ کر سکے۔ اور یہ خصوصیت طلاق بائن کو حاصل ہے۔

جب بدلِ خلع مال حرام ہو

اگر خلع یا طلاق کا عوض حرام ہو جیسے خمر، خنزیر یا میتہ تو عورت کے لیے نہ تو ان چیزوں کو دینا لازم ہوگا کیونکہ یہ مال حرام ہیں، نہ ان کے عوض کوئی اور چیز دینا لازم ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے اس دوسری چیز کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا۔

رہا یہ سوال کہ جب نکاح میں یہ عورت آرہی تھی تو مہر کے عوض آئی تھی اب شوہر نکاح سے آزاد کرنے کے لیے فری میں کیسے راضی ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کا بضع جب نکاح میں آرہا ہوتا ہے تو اس وقت متقوم بن جاتا ہے، اس لیے بغیر عوض کے نکاح میں لانا درست نہیں، لیکن نکاح سے نکلتے وقت بضع اپنی اصل پر آجاتا ہے اور اصلاً آزاد عورت یا اس کے کسی عضو کی کوئی قیمت مقرر کی ہی نہیں جا سکتی۔ الا یہ کہ اس کا کوئی عوض صحیح طرح مقرر کیا جائے، یہاں بھی خلع کی وجہ سے عورت کا نکاح ختم ہو رہا ہے، اس کا بضع ملکیت سے نکل رہا ہے اس لیے اس کی کوئی قیمت طے نہیں کی جا سکتی، جو قیمت طے کی گئی ہے وہ شرعاً درست نہیں اس لیے چیز اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گی اور کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

شوہر کو یہاں مغبون (جس کے ساتھ دھوکا ہوا ہو) نہیں کہہ سکتے؛ کیونکہ اسی کا قصور ہے کہ حرام کو عوض بنانے پر کیوں راضی ہوا؟ مرد کو مغبون اس وقت کہہ سکتے تھے جب مثلاً معین سرکہ وغیرہ عوض میں طے ہوتا اور سرکہ کے بجائے خمر نکل آتا۔ اس طرح اگر یہاں مسئلہ بجائے خلع کے عتق علی خمر کا ہوتا تو غلام ہر حال میں متقوم ہے اس لیے غلام کی قیمت واجب ہوگی۔

ہم نے شروع میں خلع اور طلاق دونوں کا حکم یکساں بیان کیا ہے لیکن یہاں ایک چیز میں فرق آئے گا وہ یہ کہ خلع والی صورت میں بہر حال طلاق بائن پڑے گی جبکہ طلاق والی صورت میں طلاق رجعی واقع ہو گی؛ یہ فرق اس لیے کہ خلع کا لفظ ہی طلاق بائن کے لیے وضع ہے جبکہ طلاق کی وضع اصلاً طلاق رجعی کے لیے ہے اس لیے جب تسمیہ فاسد ہوا تو طلاق بلاعوض ہونے کی وجہ سے طلاق کا لفظ اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا۔ یاد رہے جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ بدل خلع بھی بن سکتی ہے۔

تین صورتیں

خالعنی علی مافی یدی علی مافی یدی من مال مافی یدی من دراھم، ان تینوں صورتوں میں اگر بیوی نے دھوکا دیا ہو یعنی ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو تو پہلی صورت میں اس پر کچھ بھی واجب نہ ہو گا۔ دوسری صورت میں جس میں مال کا لفظ کہا ہے، جس مہر پر شوہر اس کو بیاہ کر لایا تھا اتنا مال بیوی پر لازم ہو گا جبکہ تیسری صورت میں صرف تین درہم بیوی پر لازم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں بیوی نے مال یا دراہم کا لفظ سرے سے کہا ہی نہیں اس لیے شوہر کی بے وقوفی شمار ہو گی، خلع ہو جائے گا اور بیوی پر کچھ بھی واجب نہ ہو گا۔ دوسری صورت میں مال کا لفظ کہا ہے اس لیے مال دینا ہی ہو گا لیکن کتنا دینا ہو گا؟ یہ مجہول تھا، اب ہم اپنی طرف سے کچھ لازم نہیں کر سکتے تھے، نہ مہر مثل لازم کر سکتے ہیں؛ کیونکہ وہ طے نہیں تھا نہ مسمی لازم کر سکتے ہیں؛ کیونکہ مجہول ہے اس لیے ہم ایک معتدل بات کریں گے کہ جتنے میں دلہن بنا کر لایا تھا چاہے وہ مہر مثل سے کم رقم ہو یا زیادہ اتنی اس نے دینی ہو گی۔ تیسری صورت میں دراہم جمع ہے جس کا کم از کم تین پر اطلاق ہوتا ہے اس لیے اگر عورت اپنی طرف سے تعداد نہیں بتاتی تو عدالت تین دراہم مقرر کر دے گی۔

تیسرے لفظ پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس میں من کو تبعیضیہ مان لیں تو دو درہم بلکہ ایک درہم کا فیصلہ بھی درست ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں من بیانیہ بنانا پڑے گا؛ کیونکہ من بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اگر اسے ہٹادیا جائے تو جملہ میں معنوی خلل پیدا ہو جائے، یہاں بھی من بیانیہ ہے کیونکہ من ہٹاتے ہیں تو اس کے معنی درست نہیں بنتے۔

گم شدہ چیز کے عوض خلع

بیوی نے گم شدہ غلام یا گم شدہ گاڑی کے عوض خلع مانگا اور یہ بھی کہا کہ اس کو تلاشنے کی ذمہ داری یا حوالہ کرنے کی ذمہ داری میری نہ ہوی تو خلع درست ہوگا لیکن عورت پر لازم ہوگا کہ وہ تلاش کر کے شوہر کے حوالہ کرے، اور اگر نہیں ملتا تو اس کی قیمت دے؛ کیونکہ مال متقوم تھا اور قیمت بھی پتا تھی اس لیے وہی یا اس کی قیمت دینا لازم ہوگا۔ واشتراط البراءة عنه شرط فاسد فيبطل إلا أن الخلع لا يبطل بالشروط الفاسدة وعلى هذا النكاح

مطالبۂ طلاق اور تفویض طلاق

طلقني ثلاثا بألف اور طلقني ثلاثا على ألف، ان دونوں جزئیات میں بیوی طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے جبکہ آئندہ دو جزئیات طلقي نفسك ثلاثا بألف أو على ألف تفویض طلاق کی ہیں جس میں شوہر بیوی کو طلاق کا اختیار دے رہا ہے۔ مطالبۂ طلاق کی صوتوں میں بیوی مطالبہ کر رہی ہے کہ آپ کی ملکیت میں جو میری ملکیت ہے وہ تین طلاقوں میں قید ہے اگر آپ ایک ہزار درہم لے کر مجھے تینوں طلاقیں دے دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ اس صورت میں شوہر اگر ایک طلاق بھی دے دے تو بیوی کا مطالبہ پورا ہو رہا ہے وہ ہزار کے بدلے جان چھڑانا چاہتی تھی شوہر اس سے کم میں ہی جان چھوڑ رہا ہے اس لیے ایک طلاق سے بھی وہ فارغ ہو جائے گی، لیکن تفویض طلاق کی صورتوں طلقي نفسك ثلاثا بألف أو على ألف میں شوہر ایک طرح سے بائع طلاق بن رہا ہے، بیوی اس کی

مشتری ہے، تین طلاقیں مبیع ہے اور ہزار روپے ثمن۔ بائع کبھی بھی ایک ہزار کی چیز 333 روپے میں دینے پر راضی نہیں ہوتا اس لیے اگر بیوی نے 333 روپے دیے تو کوئی بھی طلاق نہ ہو گی۔

مطالبۂ طلاق کی دونوں صورتوں میں صاحبین کسی فرق کے قائل نہیں؛ لأن کلمة علی بمنزلة الباء فی المعاوضات حتی إن قولهم احمل هذا الطعام بدرهم أو علی درهم سواء.

جبکہ امام صاحبؒ فرق کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں میں یہ فرق ہے کہ "با" عوض پر داخل ہوتی ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہو سکتا ہے جبکہ "علی" شرط پر داخل ہوتا ہے اور شرط مشروط پر تقسیم نہیں ہوتا بلکہ جب مکمل شرط پائی جائے گی تب مشروط کا وجود ہوتا ہے اس لیے با والی صورت میں ہزار کے عوض تین طلاقیں دینے کی بات ہوئی اور مرد نے ایک طلاق دی تو 333 درہم دینے ہوں گے، اور طلاق بھی بائن ہو گی، لیکن علی والی صورت میں ہزار کی شرط پر تین طلاق کی منظوری ہوئی تھی تو ایک طلاق کے بدلے 333 واجب نہ ہوں گے، جب تک تینوں طلاقیں نہ دے 1000 درہم واجب نہ ہوں گے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ علی شرط کے لیے آتا ہے جیسے اس آیت میں علی شرط کے معنی میں ہے: ﴿يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ [الممتحنة:12] اسی طرح اگر شوہر اپنی بیوی کو أنت طالق علی أن تدخلی الدار کہے تو اس میں بھی علی شرطیہ ہی مانا جاتا ہے، لہذا جب علی شرط کے لیے ہے تو قاعدہ ہے کہ شرط مشروط پر تقسیم نہیں ہوتا بلکہ جب مکمل شرط پائی جائے تب مشروط کا وجود ہوتا ہے اس لیے جب تک پوری شرط نہ پائی جائے یعنی تینوں طلاقیں نہ دے دے تب تک ہزار روپے واجب نہ ہوں گے۔ اگر تین کے بجائے ایک طلاق دے تو طلاق رجعی واقع ہو گی اور رقم واجب نہ ہو گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علی تو لزوم کے لیے آتا ہے یہ شرط کے لیے کیسے ہو گیا؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ علی کے حقیقی معنی وہی ہیں جو آپ نے بتائے لیکن مجازا اس کے اندر شرط کے معنی

بھی پائے جاتے ہیں اور معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان علاقہ لزوم کا ہے کہ شرط کو جزا لازم ہے۔ شرط بغیر جزا نہیں پائی جاتی۔ لأنه للزوم حقيقة واستعير للشرط لأنه يلازم الجزاء

أنت طالق بالف ،على ألف

یہ دونوں جملے بھی تفویض طلاق کے ہیں، اس لیے اگر عورت تفویض کی شرط کے مطابق اسی مجلس میں قبول کرلے تو طلاق ہوجائے گی اور طلاق بھی بائن ہوگی کیونکہ عوض لے رہا ہے۔ صاحبین کے نزدیک علی بمعنی با کے ہے، اس لیے ان کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ہی عوض کے لیے ہیں اس لیے دونوں صورتوں میں بیوی کے قبول پر موقوف ہوگا کیونکہ عوض کبھی بھی بغیر قبول کے لازم نہیں ہوتا۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک گو علی شرط ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب بیوی شرط کو قبول کرے گی تب طلاق پڑجائے گی ،لیکن اس سے یہاں مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

دو مسئلے

أَنتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ أَلْف ـ أنت حر وعليك ألف ـ اس مسئلے میں صاحبین کے نزدیک دونوں عقود معاوضہ ہیں؛ کیونکہ ان کے نزدیک جس طرح احمل هذا المتاع ولك درهم میں ولك درهم بمعنی بلدهم ہے اسی طرح ولك الف بمنزلہ بلف ہے اس لیے جو حکم انت طالق بلف کا ہے وہی اس کا ہوگا۔ اگر عورت عوض قبول کرلے تو طلاق ہوگی، اس کے بغیر نہ ہوگی، اسی طرح غلام عوض قبول کرے تب وہ آزاد ہوگا اس سے پہلے نہیں۔

جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ وعليك الف مستقل جملہ ہے اس لیے وعلیک کہنے سے پہلے ہی طلاق ہوجائے گی اور غلام آزاد ہوجائے گا۔ چاہے عورت نے اور غلام نے شرط منظور کی ہو یا نہیں۔ اور ان کی دی ہوئی نظیر کا یہ جواب دیتے ہیں کہ احمل هذا المتاع ولك درهم عقد اجارہ ہے

جس میں عوض لازمی چیز ہے جبکہ طلاق اور عتاق کے لیے عوض لازمی نہیں اس لیے ان کو اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

تفویض اور خیار شرط

أنت طالق علی ألف علی أنی بالخیار، علی أنك بالخیار پہلے مسئلے کی تکییف سمجھ لیں۔ ان دونوں جملوں میں ایک تو تفویض طلاق ہے، دوسرا اس کے لیے خیار شرط بھی لیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس میں تفویض طلاق اور خیار شرط دونوں کے احکام جاری ہوں گے۔ باقی حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار باطل اور لغو ہے، ان کے نزدیک یوں سمجھا جائے گا جیسے صرف انت طالق علی الف کہا ہو لہذا جو حکم انت طالق علی الف کا ہے وہی ان کا بھی ہو گا۔ عورت عوض قبول کر لے تو اس پر ہزار درہم لازم ہو جائیں گے اور طلاق بائن ہو جائے گی اور اگر عوض قبول نہیں کرتی تو طلاق نہیں ہو گی۔

صاحبین خیار کو باطل اس لیے مانتے ہیں کہ خیار کا مطلب ہوتا ہے المنع بعد الانعقاد یعنی ایک چیز جو منعقد ہو چکی ہے اسے منعقد ہونے کے بعد ختم کرنا، اب یہ چیز بیع میں تو جائز ہے لیکن نکاح وطلاق اور یمین وغیرہ میں جائز نہیں کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہیں کہ ان کے منعقد ہونے کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ صورت میں یہ قول مرد کے حق میں یمین ہے کیونکہ اس کا کلام شرط اور جزا پر مشتمل ہے اور طلاق کے باب میں شرط وجزا پر مشتمل کلام مجازاً یمین ہی کہلاتا ہے اور پھر عورت نے جب شرط قبول کر لی تو شرط کو قبول کرنا بھی ایک ایسا تصرف ہے جو قابل فسخ نہیں ہے، اس لیے ان تصرفات کو اپنے انجام تک پہنچنا ہی ہو گا اور شرط پائے جانے پر جزا کا تحقق ضرور ہو گا یعنی عوض کو قبول کرتے ہی طلاق ہو جائے گی۔

اگر خیار البیع من الانعقاد کا نام ہوتا تو طلاق میں خیار فائدہ مند ہوتا لیکن یہاں ایسا ہے نہیں، اس لیے عوض قبول کرتے ہی طلاق ہو جائے گی اور خیار نہیں ملے گا نہ مرد کو نہ عورت کو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ مرد کے حق میں تو آپ کی بات درست ہے کہ اسے اختیار دیا گیا تو وہ اختیار معتبر نہیں؛ کیونکہ شرط وجزا پر مشتمل کلام یمین ہے اور یمین سے رجوع نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے مجلس کے بعد بھی وہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا، لہذا عوض قبول کرتے ہی اسے طلاق بائن ہو جائے گی، چاہے خیار کا استعمال کرے یا نہیں، لیکن جہاں تک بات ہے عورت کی تو عورت کے حق میں مرد کا یہ کلام بیع کی طرح ہے حتی یصح رجوعہا ویتقید بالمجلس جس کی تفصیل ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ عورت مشتری ہے طلاق کی اور مرد اس کا بائع ہے، ہزار درہم اس کا ثمن ہے، اس لیے جب یہ بیع کی طرح ہے تو جس طرح بیع خیار کو قبول کرتا ہے عورت کے حق میں بھی یہ کلام بیع ہونے کی وجہ سے قابل خیار ہوگا لہذا اس اختیار کے مطابق عورت مقررہ میعاد میں عوض قبول کر لے تو اسے طلاق ہو جائے گی اور عوض لازم ہو جائے گا بصورت دیگر مقررہ میعاد میں جب وہ خیار کو رد کر دے یعنی عوض قبول نہ کرے تو طلاق نہ ہوگی۔

دو مسئلے

طلقتك أمس على ألف درهم فلم تقبلي بعت منك هذا العبد بألف درهم أمس فلم تقبل یہ دو مسئلے ہیں۔ ایک طلاق کا دوسرا بیع کا۔ صاحب ہدایہ دونوں میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ وہی مسئلہ بنے گا جو ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وجود شرط میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو شوہر کی بات معتبر ہے، کیونکہ وہ عورت کا مالک ہے، عورت خلاف اصل کا دعوی کر کے مدعیہ بن رہی ہے اور مرد اصل ملکیت کا دعوی کر کے مدعا علیہ۔ اس لیے عورت یا تو بینہ پیش کرے ورنہ مرد کی بات قبول کر لی جائے گی۔ یہاں اس بات کو دوسرے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ مرد کا یہ کلام یمین ہے اور یمین کے اقرار کا یہ مطلب نہیں کہ وجود شرط کا بھی اقرار ہے اس

لیے شرط کو جب تک ثابت نہ کر دیا جائے شرط ثابت نہ ہو گی اور عورت کیونکہ شرط کو ثابت نہیں کر پا رہی اس لیے مرد کی بات معتبر ہو گی۔

جبکہ دوسرے مسئلے میں بیع ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے، اس میں بائع کی بات ماننے کے بجائے مشتری کی بات معتبر ہے اس لیے کہ بیع کا لفظ تقاضا کرتا ہے قبول کا، کیونکہ بغیر قبول بیع ہوتی ہی نہیں اس لیے اس کا بعت منك هذا العبد کہنا ہی قبول بیع کا قرینہ بن جائے گا، اور فلم تقبل اس بیع سے رجوع بنے گا، اس لیے بائع رجوع کا مدعی اور مشتری رجوع کا منکر بنے گا اس لیے اگر بائع گواہ پیش نہ کر سکا تو مشتری کی بات مان لی جائے گی۔

خلع اور مبارات میں فرق

امام محمد کے نزدیک خلع اور مباراۃ میں کوئی فرق نہیں۔ اس معنی میں کہ دونوں سے زوجین کے ایک دوسرے پر عائد صرف وہی حقوق نکاح ساقط ہوں گے جن کو وہ خود طے کریں، طے کیے بغیر کوئی حق خود سے ساقط نہ ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات دونوں عقود معاوضہ ہیں اور عقود معاوضہ کا قاعدہ یہ ہے کہ شرائط سے جو بات طے کر دی جائے بس وہی بات لاگو ہوتی ہے شرط لگائے بغیر خود سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلع اور مباراۃ میں کوئی فرق نہیں اس معنی میں کہ دونوں ہی سے زوجین کے ایک دوسرے پر عائد حقوق نکاح ساقط ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مرد نے مہر نہ دیا ہو تو وہ معاف ہو جائے گا، گزشتہ نفقہ نہ دیا ہو تو وہ معاف ہو جائے گا، بیوی نے زیادہ مہر لے لیا ہو تو وہ بقیہ مہر واپس نہیں کرے گی، البتہ آئندہ کا نفقہ جیسے عدت کا نفقہ معاف نہیں ہوتا جب تک اس کی معافی کی صراحت نہ کر دی جائے۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مبارات باب مفاعلہ سے ہے جس کی خاصیت اشتراک من الجانبین ہے جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ یہ لفظ کہہ زوجین باہم ایک دوسرے کو حقوق نکاح سے بری کر دیتے ہیں لہذا دونوں ہی اس لفظ سے ایک دوسرے کے حقوق سے بری ہو جائیں گے۔

اور خلع کے معنی میں غور کیا جائے تو لفظ خلع بھی ایسا ہی ہے کہ لغت میں فصل یعنی علیحد گی کے لیے آتا ہے۔ کوئی شخص جوتا بالکل اتار دے تو اسے خلع النعل کہا جاتا ہے۔ استعفی دیدے تو خلع العمل کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلع کسی چیز سے مکمل علیحدہ ہو جانے کا نام ہے اور ظاہر ہے نکاح سے مکمل علیحد گی اسی صورت ممکن ہے جب دونوں ایک دوسرے کے حقوق نکاح سے بری ہو جائیں۔

جہاں تک امام ابو یوسف کا تعلق ہے تو وہ خلع میں امام محمد کے ساتھ ہیں اور مبارات میں امام صاحب کے ساتھ۔ مبارات کی وہی دلیل ہے جو امام صاحب کی ہے اور خلع میں امام محمد کی بات اس لیے تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب نے جو دلیل دی ہے وہ خالص لغوی بحث ہے، عرف میں خلع کے معنی صرف علیحد گی کے آتے ہیں، حقوق نکاح سے علیحد گی کے معنی کسی کے وہم وگمان مین بھی نہیں ہوتے۔

امام محمد یہ جواب دے سکتے ہیں کہ مبارات کے متعلق بھی کسی کے وہم وگمان میں نہیں ہوتا کہ حقوق نکاح سے براءت ہو جائے گی بلکہ لوگ اس کو خلع کے ہم معنی لفظ سمجھتے ہیں۔ قوت کے لحاظ سے امام محمد کا قول زیادہ قرین قیاس ہے۔

ہمارے اردو فتاوی میں امام محمد ہی کے قول کو لیا گیا ہے بلکہ غور کیا جائے تو متون کی جزئیات امام محمد کے قول پر متفرع نظر آتی ہیں۔ تبھی بار بار مہر کے عوض خلع کی بات کی جا رہی ہے ورنہ امام صاحب کے قول کے مطابق تو اس قید کی ضرورت ہی نہیں؛ کیونکہ ان کے قول کے مطابق خلع سے مہر وغیرہ خود ہی ساقط ہو جاتا ہے، طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

نابالغ بچی کا خلع

مسائل کا چارٹ

صورتیں	حکم
باپ نے صغیرہ کے مال کے عوض خلع لیا	خلع ہو گیا، مال واجب نہیں ہوا
باپ نے اپنے ذاتی مال کے عوض بچی کا خلع لیا	خلع ہو گیا، باپ پر مال واجب ہے
کسی اجنبی نے اپنے ذاتی مال کے عوض بچی کا خلع لیا	خلع ہو گیا، اجنبی پر مال واجب ہے
شوہر نے شرط لگادی کہ بچی کے مال سے عوض دیا جائے، بچی عاقلہ ہے اس نے شرط قبول کرلی	خلع ہو گیا، لیکن مال واجب نہیں ہو گا؛ کیونکہ بچی کا مالی نقصان ہے
شوہر نے شرط لگادی کہ بچی کے مال سے عوض دیا جائے، بچی عاقلہ ہے اس نے شرط قبول کرلی، لیکن بجائے ان کے باپ نے اس مال کی ذمہ داری قبول کرلی	خلع ہو گیا، اور باپ پر مال واجب نہیں یا نہیں؟ اس میں دونوں روایتیں ہیں
شوہر نے شرط لگادی کہ بچی کے مال سے عوض دیا جائے، باپ ذمہ دار نہیں بنا	خلع ہو گیا، مال کسی پر بھی واجب نہیں
بچی عاقل ہے، شوہر نے مہر کے عوض خلع کی پیشکش کی، بچی نے منظور کرلی	خلع ہو گیا، لیکن مہر ساقط نہ ہو گا
بچی عاقل ہے، شوہر نے مہر کے عوض خلع کی پیشکش کی، بچی نے منظور کرلی، لیکن بجائے اس کے باپ نے اس مال کی ذمہ داری قبول کرلی	خلع ہو گیا، اور باپ پر مال واجب نہیں یا نہیں؟ اس میں دونوں روایتیں ہیں

نابالغ بچی کا نکاح کسی ایسی جگہ ہو گیا کہ اب والدین مطمئن نہیں۔ چنانچہ والدین نے خلع کی پیشکش کی اور یہ کہا کہ اس کا عوض لڑکی کے مال سے دیا جائے گا، مرد نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ امام محمد فرماتے ہیں ؒ یہ جائز نہیں۔

لیکن امام کے اس قول کا مطلب کیا ہے؟ کیا خلع جائز نہیں؟ یا صغیرہ کے مال سے عوض طے کرنا جائز نہیں؟ اس حوالے سے دونوں روایتیں ہیں: صحیح روایت یہ ہے کہ خلع تو ہو جائے گا کیونکہ مرد نے شرط منظور کر لی ہے لیکن صغیرہ کے مال سے عوض دینا واجب نہ ہو گا اس لیے یہ خلع بغیر عوض کے معتبر ہو جائے گا۔ نَصَّ عَلَیْهِ فِی الْمُنْتَقٰی فَقَالَ: لِأَنَّ لِسَانَ الْأَبِ كَلِسَانِهَا. وَلَوْ خَالَعَ امْرَأَتَهُ الصَّغِیْرَةَ عَلٰی مَهْرِهَا فَقَبِلَتْ أَوْ قَالَتِ الصَّغِیْرَةُ لِزَوْجِهَا اخْلَعْنِی عَلٰی مَهْرِی فَفَعَلَ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِغَیْرِ بَدَلٍ (العنایۃ شرح الھدایۃ:237/4)

صغیرہ کے مال سے عوض اس لیے نہیں دیا جائے گا کہ اس میں صغیرہ کا سراسر نقصان ہے اور ویسے بھی قاعدہ کے مطابق حالت خروج میں عورت کا بضع غیر متقوم ہوتا ہے اس لیے ایک غیر متقوم چیز کا بدل مال متقوم میں سے دینا کسی بھی طرح عقل مندی اور بچی پر شفقت نہیں۔ ہاں! اگر اجنبی یا باپ اس کے عوض کا ضامن بن جائے تو درست ہے اور اب ان پر بدل خلع دینا واجب ہو گا، لیکن اس کی وجہ سے بچی کا وہ مہر جو شوہر کے ذمہ ہے وہ ساقط نہ ہو گا۔

یہ قاعدہ پہلے کئی بار گزرا ہے، صاحب ہدایہ نے مذکورہ قاعدہ کی مزید وضاحت کے لیے دو نظائر دیے ہیں:

1۔ اگر مرض الوفات میں کوئی شخص نکاح کرے تو مہر کل مال سے دیا جاتا ہے ثلث سے نہیں، کیونکہ ملک بضع جب نکاح میں آ رہا ہوتا ہے تو متقوم بن جاتا ہے۔ اس لیے مرد پر اس کی مکمل قیمت دینا واجب ہے۔

2۔ مرض الوفات میں کوئی عورت خلع لے اور بدلے میں کوئی عوض دینے پر راضی ہو جائے تو اس کو صرف ثلث سے جاری کیا جائے گا کل سے نہیں؛ کیونکہ یہ خروج ملک کی حالت ہے اس حالت میں اس کا بضع متقوم نہیں ہوتا۔

صورت نمبر 5 اور 8 میں جو دو روایتیں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روایت میں باپ پر یہ پیسے لازم ہو جائیں گے؛ کیونکہ بچی کے لیے اس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کوئی نہیں سو فیہ نظر

دوسری روایت یہ ہے کہ باپ پر پیسے لازم نہ ہوں گے کیونکہ اس شرط کو قبول کرنا عورت پر واجب تھا سو اس نے قبول کر لیا یہ الگ بات ہے کہ عوض ایک دوسرے عارض کی وجہ سے لازم نہ ہو گا، اب باپ اس عوض کا ذمہ دار اس لیے نہیں بن سکتا کہ یہ یمین کی شرط کو قبول کرنا ہے جس میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی۔ قبول عاقلہ بچی نے کیا ہے تو مال بھی اسی پر لازم ہونا چاہیے کسی اور پر نہیں۔ علامہ بابرتی فرماتے ہیں: لِأَنَّ هٰذَا الْقَبُولَ بِمَعْنَى شَرْطِ الْيَمِينِ وَذٰلِكَ مِمَّا لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ (العنایۃ شرح الهدایۃ: 239/4)

تاہم صاحب ہدایہ نے باب کا آخری مسئلہ پہلی روایت کے مطابق ذکر کیا ہے جس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے جس کے مطابق باپ مہر کی ذمہ داری قبول کر لے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا، لیکن صاحب ہدایہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ بالفرض مہر 1000 درہم ہو تو یہاں ایک قیاس ہے اور ایک استحسان۔ قیاس کے مطابق باپ پر 1000 درہم دینا واجب ہے کیونکہ اسی کا وہ ضامن بنا ہے لیکن استحساناً وہ صرف 500 کا ضامن ہو گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ نصف مہر یعنی 500 درہم تو ویسے ہی طلاق قبل الدخول کی وجہ سے پہلے ہی ساقط ہو چکا ہے ان 500 کے علاوہ باپ پر 1000 درہم واجب ہوں گے جن میں سے 500 کا ان 500 کے مقابلے میں مقاصہ ہو جائے گا جو شوہر نے صغیرہ کو دینے ہیں، کیونکہ صغیرہ کا یہ مہر کسی

صورت ساقط نہیں ہو سکتا، طے کرنے کے باوجود بھی ساقط نہیں ہو سکتا کما مر سابقا، اس لیے لڑکی کا باپ وہ 500 کاٹ کر صرف 500 دے گا۔

اس مسئلے کی اصل ایک دوسرا مسئلہ ہے جو بالغہ کے حوالے سے ہے کہ ایک بالغہ اپنے شوہر سے قبل الدخول خلع لے لے اور بدل خلع میں 1000 روپے ٹھیرائے، عورت نے مہر ابھی تک نہ لیا اور اتفاق سے اس کا مہر 1000 ہی ہو تو قیاس کے مطابق اس پر 500 لازم ہوں گے، لیکن استحساناً مرد کو کچھ دینا واجب ہو گا نہ عورت کو۔ قیاس کے مطابق 500 اس لیے لازم ہوں گے کہ 500 بیوی نے بھی تو شوہر سے لینے ہیں، کیونکہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر لازم ہوتا ہے، اس لیے بیوی کہے گی کہ آپ نے جو مجھے دینے ہیں وہ کاٹ کر میں 500 دے رہی ہوں۔ اور استحساناً کچھ بھی واجب اس لیے نہ ہو گا کہ عموماً اس طرح کی صورتوں میں مرد صرف یہ چاہتا ہے کہ میں نے جو 1000 دینے ہیں وہ مجھے نہ دینے پڑیں، چنانچہ ہم مزید کسی باریکی میں جائے بغیر اس کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہیں گے کہ اب کسی نے کسی کو کچھ نہیں دینا۔

تیسرے لفظ پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس میں من کو تبعیضیہ مان لیں تو دو درہم بلکہ ایک درہم کا فیصلہ بھی درست ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں من بیانیہ بنانا پڑے گا؛ کیونکہ من بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اگر اسے ہٹا دیا جائے تو جملہ میں معنوی خلل پیدا ہو جائے، یہاں بھی من بیانیہ ہے کیونکہ من ہٹاتے ہیں تو اس کے معنی درست نہیں بنتے۔

باب الظهار

تشبيه المحللة بالمحرمة على وجه التابيد اپنی بیوی کو اپنی کسی محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے۔

زمانہ جاہلیت میں ظہار سے طلاق ہو جاتی تھی، شروع اسلام میں یہ حکم باقی رہا پھر منسوخ ہو گیا اور حرمت مؤبدہ کو ختم کر کے اس کو موقت کر دیا گیا کہ کفارہ کی ادائیگی تک حرمت قائم رہے گی، کفارہ ادا کر دے تو بیوی حلال ہو جائے گی۔ اگر کفارہ سے پہلے قریب چلا گیا تو حدیث کے مطابق توبہ استغفار لازم ہو گا، ایک کفارہ کے علاوہ مزید کچھ واجب نہ ہو گا لیکن دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے یعنی کفارہ سے پہلے قریب نہ جائے۔

ظہار بیوی سے ہوتا ہے اجنبی عورت سے نہیں۔ ظہار کے لیے اپنی محارم یا ان کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ ضروری ہے جس کو دیکھنا شرعاً اس کے لیے جائز نہ ہو، اس کے بغیر ظہار نہ ہو گا۔ مثلاً بیوی کو "ماں" یا "بہن" کہا تو ظہار نہیں ہو گا، کیونکہ تشبیہ نہیں دی "ماں کی طرح ہے" کہا یا "بہن کی پیٹھ کی طرح ہے" کہا تو ظہار بن جائے گا۔ اسی طرح ماں کی پیٹھ یا پیٹ یا فرج سے تشبیہ دی تو ظہار ہو گا اس کے ہاتھ پاؤں یا چہرہ سے تشبیہ دی تو ظہار نہ ہو گا۔ اسی طرح محارم کے ایسے عضو کی طرف تشبیہ دی جسے بول کر کل مراد لیا جاتا ہے جیسے رقبہ، راس وغیرہ یا جزو شائع کو تشبیہ دی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

الفاظ ظہار

انت علی کظھر امی أنت علی مثل أمی أنت علی حرام کامی أنت علی حرام کظھر أمی: ان الفاظ میں سے پہلا لفظ ظہار کے لیے صریح ہے اس لیے ان میں کسی اور نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسرے لفظ أنت علی مثل أمی میں پانچ احتمالات نکلتے ہیں: -

۱۔ عزت دینے کے لیے یہ الفاظ کہے ہیں کہ تیری عزت میری نظر میں وہی ہے جو میری ماں کی ہے اس صورت میں کرامت ہی مراد ہو گی کیونکہ واقعتاً عرف میں یہ الفاظ عزت و تکریم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

2۔ ظہار مراد ہو تو ظہار ہو گا، کیونکہ جب عضو سے تشبیہ ظہار ہے تو کل سے تشبیہ بدرجہ اولی ظہار ہو گا۔

3۔ یا طلاق دینا چاہتا ہو اس صورت میں یہ انت علی حرام کے معنی میں ہو کر طلاق بائن واقع کرے گا۔

4۔ یا تحریم کے معنی مراد لینا چاہتا ہے یعنی ماں کی طرح حرام ہو، کہنا چاہتا ہے، لیکن نہ ظہار کی متعین نیت ہے نہ ایلاء کی تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام محمد تشبیہ کی وجہ سے اسے ظہار کہتے ہیں، ان کے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب بھی تشبیہ بالحرمہ پائی جائے گی وہ ظہار بنے گا۔ جبکہ امام ابو یوسف اسے ایلاء بناتے ہیں، امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ تحریم ظہار سے بھی آتی ہے اور ایلاء سے بھی، لیکن اس نے خود متعین کچھ نہیں کیا اس لیے شک کی بنا پر تحریم کا جو اقل درجہ ہے وہ آنا چاہیے اور وہ ایلاء ہے۔

آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ بڑی تحریم تو ایلا کی ہے کہ اس سے طلاق ہو جاتی ہے ظہار سے تو طلاق نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظہار بڑی تحریم اس لیے ہے کہ اس سے تحریم لعینہ آتی ہے جبکہ ایلا سے تحریم لغیرہ اور تحریم لعینہ بڑی تحریم ہوتی ہے بنسبت لغیرہ کے۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ کسی نے اپنی چاروں بیویوں سے انتن علی کظہر امی کہ کر ظہار کر لیا تو ان کو حلال کرنے کے لیے ایک کفارہ کافی نہ ہو گا بلکہ ہر ایک حرام ہوئی ہے اس لیے ہر ایک کو حلال کرنے کے لیے الگ الگ چار کفارے واجب ہوں گے۔ یہ ایسے ہی کہلائے گا جیسے چاروں بیویوں کو طلاق کا لفظ کہا ہو تو چاروں کو طلاق ہو جائے گی اور ہر ایک کو حلال کرنے کے لیے نیا نکاح کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر چاروں بیویوں سے

ایک لفظ میں ایلاء کرتا تو ایلاء تو ہو جائے گا لیکن قسم ٹوٹنے کے بعد صرف ایک کفارہ کافی ہو گا، کیونکہ ایک قسم کھائی گئی تھی، ایک ہی بار اللہ کا نام لیا تھا۔

اس مسئلے سے بھی معلوم ہوا کہ ظہار کی حرمت لعینہ ہے اور بڑی حرمت ہے بنسبت ایلاء کے۔ کیونکہ ظہار کے الفاظ ہی اتنے برے ہیں کہ براہ راست عورت پر اٹیک کرتے ہیں، جبکہ ایلاء میں جو حرمت آتی ہے وہ قسم کی وجہ سے آتی ہے، ایلاء سے قسم ہٹا دی جائے تو لاأقربك کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

5۔ پانچواں احتمال یہ ہے کہ کوئی بھی نیت نہ ہو اس صورت میں امام محمد تشبیہ کی وجہ سے اسے ظہار کہتے ہیں جبکہ شیخین اسے عزت کے الفاظ گردانتے ہیں، کیونکہ واقعتا عرف میں یہ الفاظ جب بھی عام حالت میں بولے جاتے ہیں تو عزت و تکریم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

تیسرا لفظ ہے أنت علی حرام کأمی اوپر کے پانچ میں سے نمبر 2، 3، 4 اور 5 یعنی آخری والے چاروں احتمالات پائے جاتے ہیں، جیسی نیت ہو گی ویسا حکم ہو گا۔ طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائن ہو گی، ظہار کی نیت ہو تو ظہار بن جائے گا اور کوئی نیت نہ ہو تو امام محمد کے نزدیک ظہار بنے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایلاء۔ دلائل وہی ہیں جو اوپر گزر گئے۔ تکریم کے معنی یہاں اس لیے درست نہیں کہ حرام کا لفظ کہہ کر اس کی نفی کر دی گئی ہے۔

چوتھا لفظ ہے انت علی حرام کظہر امی اس کے صریح یا کنائی ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ لفظ صریح ہے، کیونکہ کظہر امی ظہار کے لیے مخصوص لفظ ہے اس لیے انت علی حرام کو اسی کی تاکید یا معنی میں اس کے تابع بنا دیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین اسے بھی پہلے دو کی طرح کنائی ظہار مانتے ہیں اور اس کے اندر بھی وہی

احتمالات نکلتے ہیں جو اوپر کے الفاظ میں گزرے، چنانچہ طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائن ہو گی، ظہار کی نیت ہو تو ظہار بن جائے گا اور کوئی نیت نہ ہو تو امام محمد کے نزدیک ظہار بنے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایلاء۔ دلائل وہی ہیں جو اوپر گزر گئے۔

البتہ یہاں ایک جزوی اختلاف ہے کہ جس صورت میں طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہو جائے گی لیکن کیا ظہار کی نیت بھی اس کے ساتھ کر سکتا ہے؟ تو امام محمد کے نزدیک ایک وقت میں ایک ہی نیت کر سکتا ہے اس لیے صرف طلاق ہو گی جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقہ بائنہ سے ظہار درست ہے اس لیے ان کے نزدیک طلاق کے ساتھ ظہار کی نیت بھی درست ہے۔

الفاظ	صریح / کنائی	حکم
تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو	بالاتفاق صریح ظہار	بالاتفاق ظہار ہے بالنص
تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو	بالاتفاق ظہار کنائی	کرامت، ظہار، طلاق، قسم، میں سے جس کی نیت ہو
تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو	بالاتفاق ظہار کنائی	ظہار، طلاق، قسم، میں سے جس کی نیت ہو
تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو	اس کا صریح یا کنائی ہونا مختلف فیہ ہے	امام صاحب کے نزدیک ظہار صریح ہے، صاحبین کے نزدیک ظہار کنائی۔ پھر صاحبین کے نزدیک تفصیل بالا جاری ہوگی

والظهار لیس بحق من حقوقه

ظہار اپنی بیوی سے ہو سکتا ہے، باندی سے ظہار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسی عورت سے نکاح موقوف کیا عورت نے ابھی اجازت دی نہیں تھی کہ اس سے پہلے اس سے ظہار کر لیا تو یہ ظہار بھی باطل ہے؛ کیونکہ ابھی تک اس کی بیوی نہیں بنی، اگر بعد میں بیوی نے اجازت دیدی تو نکاح تو ہو جائے گا لیکن ظہار نہ ہو گا۔

یہاں کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ غاصب سے کسی نے غلام خرید کر آزاد کر دیا اور اس کے بعد اصل مالک نے بیع کی اجازت دیدی تو بیع بھی درست ہو جاتی ہے اور تبعا عتق بھی درست ہو جاتا ہے تو یہاں بھی جب نکاح درست ہوا تو تبعا ظہار بھی درست ہونا چاہیے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بیع کے بعد غلام کو ملکیت میں رکھنا یا آزاد کر دینا یہ حقوق ملکیت میں سے ہے اس لیے جب ملکیت جائز ہوئی تو عتاق بھی جائز ہو گیا جبکہ ظہار والی صورت میں ظہار حقوق نکاح میں سے نہیں ہے بلکہ ممنوعات میں سے ہے اس لیے نکاح کے جواز سے تبعا ظہار جائز نہ ہو گا۔

کفارہ ظہار کی تفصیل

کفارہ کی بالترتیب یہ تین صورتیں ہیں: غلام آزاد کرنا، یہ ممکن نہ ہو تو مسلسل 60 روزے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو 60 محتاجوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔ قرآن کریم نے من قبل ان یتماسا کی قید پہلے دو میں لگائی ہے، اطعام میں نہیں، لیکن دلالۃ النص کی بنا پر اطعام میں بھی یہ قید ملحوظ رکھی جائے گی کیونکہ ظہار سے بیوی حرام ہو جاتی ہے تو حلال اسی وقت ہو گی جب کفارہ پہلے ادا کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اداء کفارہ میں پہلے نمبر پر عتق رقبہ اور دوسرے نمبر پر 60 روزے رکھنا ہے اس لیے ممکن ہے کہ وہ 60

مسکینوں کو کھانا مکمل کھلانے سے پہلے ہی ان میں سے کسی پر قادر ہو جائے، اس لیے کوشش یہی کرے کہ اطعام مکمل کرنے کے بعد بیوی کے قریب جائے، لیکن اگر کوئی اطعام کے دوران جماع کرلے تو دوبارہ اطعام کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ قرآن کریم میں اطعام کے ساتھ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں لگائی گئی۔

غلام میں مرد عورت، بالغ نابالغ، مسلمان کافر کی تخصیص نہیں، کوئی سا بھی غلام آزاد کیا جا سکتا ہے بس یہ ضروری ہے کہ مجنون، مدبر یا مکاتب یا ام ولدہ نہ ہو اسی طرح ایسا نہ ہو کہ مکمل ایک عضو یا اس کی منفعت تلف ہو چکی ہو ہاں! یہ جائز ہے کہ منفعت میں خلل آگیا ہو۔

روزے سے کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے تو تسلسل ضروری ہے لہذا کسی ایک دن کا بھی وقفہ درست نہیں، اگر کسی دن بلا عذر یا عذر سے ناغہ کیا تو کفارہ ادا نہ ہو گا اور از سر نو ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے، حتی کہ رمضان اور عیدین بھی بیچ میں نہیں آنے چاہیں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان 60 دنوں تک بیوی سے جماع نہ کرے۔ اگر کسی نے جماع کر لیا تو طرفین کے نزدیک دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہو گا کیونکہ قرآن کریم میں فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماساء کی صراحت ہے اس لیے جماع سے پہلے ساٹھ روزے ضروری ہیں، ورنہ کفارہ ادا نہ ہو گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جماع کرنا جائز نہیں تھا، لیکن اگر کسی نے روزے شروع کر کے رات کو کسی دن جماع کر لیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا؛ کیونکہ رات کو جماع کرنے سے روزوں کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ قرآن نے یہ شرط رکھی ہے کہ پہلے کفارہ ادا کیا جائے پھر جماع ہو تو یہ لسی بات ہے کہ آپ کے موقف کو صحیح مان لیا جائے تب بھی اس پر عمل ممکن نہیں بلکہ آپ کے مذہب کے مطابق تو پہلے جماع پایا جائے گا پھر تابع صوم جو بالکل الٹ بات ہے جبکہ

ہمارے موقف کے مطابق کچھ روزے پائے جاچکے ہوں گے اس کے بعد جماع پایا جائے گا تو بعض کی تقدیم بعض کی تاخیر ہوگی جبکہ آپ کے مؤقف میں مکمل کفارہ کی تاخیر لازم آئے گی۔

کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرنے کی صورت میں تملیک بھی جائز ہے اور اباحت بھی۔ تملیک کے لیے ضروری ہے کہ گندم سے دے رہا ہے تو پونے دو کلو گندم یا گندم کا آٹا یا اس کی قیمت دے، جو، کھجور یا کشمش سے دے رہا ہے تو ساڑھے تین کلو یا ان کی قیمت دے۔ آدھا کفارہ گندم سے آدھا جو یا کشمش یا کھجور سے دینا چاہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ اطعام کی تمام صورتیں جنس واحد شمار ہوں گی، ہاں! یہ جائز نہیں کہ آدھا کفارہ اطعام سے ادا کرے اور آدھا روزوں سے یا کپڑوں سے۔ تملیک کے بجائے اباحت کردے تو عند الاحناف جائز ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ دن کے کوئی سے دو وقت کا کھانا 60 مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھلا دے، ان ساٹھ مسکینوں میں دودھ پیتے بچے یا بہت چھوٹے بچے شامل نہیں جو پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے۔ امام شافعی کے نزدیک اباحت جائز نہیں۔ امام شافعی اسے زکوۃ اور فطرہ پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے ان میں تملیک شرط ہے، اباحت جائز نہیں، اسی طرح کفارے میں بھی تملیک ضروری ہے اباحت کافی نہیں۔ دوسرا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تملیک سے فقیر کی حاجت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہوتی ہے بنسبت اباحت کے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ ضرورت دونوں سے پوری ہوتی ہے تملیک زیادہ مفید تو ہے لیکن اباحت کی اجازت نص کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ نص میں اطعام کا لفظ مذکور ہے اور اطعام کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ فقیر کو کھانا بطور اباحت کھلایا جائے، زکوۃ اور فطرہ

میں اطعام کا لفظ نہیں بلکہ ایتاء اور ادا کے الفاظ ہیں جس کے مفہوم میں تملیک لازمی ہے اس لیے ان میں تملیک شرط ہے۔

زکوۃ اور قربانی کی طرح کفارہ کی ادائیگی کا وکیل بنانا بھی جائز ہے، مثلاً وکیل سے یہ کہہ دیا کہ آپ میری طرف سے ادائیگی کر دیں، میں آپ کو بعد میں دے دوں گا، یہ جائز ہے۔ اس کی تکییف یہ بنے گی کہ متوکل نے وکیل سے قرضہ مانگا، وکیل نے وہ قرضہ فقیر کو دیا، فقیر نے قرضہ پہلے مؤکل کی طرف سے قبضہ کیا پھر اپنی طرف سے قبضہ کیا۔

ایک کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دینے کی صورتیں

صورت	کفارہ ادا ہوا یا نہیں	اختلاف
60 مسکینوں میں سے ہر مسکین کو پونے دو کلو گندم دے	حقیقتاً ادا ہو گیا	کوئی اختلاف نہیں
ایک مسکین کو 60 دن تک پونے دو کلو گندم دیتا ہے	حکماً 60 کو ادا کیا اس لیے ادا ہو گیا	کوئی اختلاف نہیں
ایک مسکین کو ایک ہی دن 60 محتاجوں کا کھانا بطور اباحت دیا۔	ایک دن کا ادا ہوا بقیہ 59 دن کا ادا کرے	کوئی اختلاف نہیں
ایک مسکین کو ایک ہی دن 60 محتاجوں کا کھانا بطور تملیک دیا۔	ایک ہی دفعہ دیا تو صرف ایک مسکین کو دینا شمار ہوگا، لہذا بقیہ 59 کو ادا کرے	کوئی اختلاف نہیں
ایک مسکین کو ایک ہی دن 60	ایک بار میں نہیں،	مختلف فیہ ہے، راجح

محتاجوں کا کھانا بطور تملیک دیا	بلکہ الگ الگ 60 بار دفعات متفرقہ میں نصف صاع دیا	یہ ہے کہ ادا ہو گیا

قرآن کریم نے اطعام ستین مسکینا فرمایا ہے اس لیے 60 کی تعداد یا تو حقیقت پوری کرنی ہو گی یا حکماً پہلی صورت میں حقیقتاً 60 بندے ہیں، دوسری بار میں حکماً 60 کا عدد پورا ہو رہا ہے، پانچویں صورت میں بھی جب 60 بار دیا تو حکماً 60 کا عدد پورا ہو گیا جبکہ درمیان والی دو صورتوں یعنی نمبر 3 اور 4 میں نہ حقیقتاً عدد پورا ہوا نہ حکماً اس لیے تعمیل حکم نہ ہونے کی وجہ سے کفارہ ادا نہیں ہوا۔

تعدد کفارہ اور تعدد سبب کی صورتیں

صورتیں	کفارہ ادا ہوا یا نہیں	اختلاف
دو ظہار کیے اور 120 مسکینوں کو گندم کی مقدار نصف صاع کے حساب سے دی	دونوں کا کفارہ ادا ہو گیا، کفارہ ادا ہونے میں کوئی شک نہیں	کوئی اختلاف نہیں
دو ظہار کیے اور مطلق کفارے کی نیت سے 60 مسکینوں کو گندم کی مقدار نصف صاع کے بجائے ایک صاع دے دی	مطلق کفارے کی نیت ہے اس لیے ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہو گا، لہذا دوسرا کفارہ ادا کرے	کوئی اختلاف نہیں

دو ظہار کیے اور دونوں کی نیت سے 60 مسکینوں کو گندم کی مقدار نصف صاع کے بجائے ایک صاع دے دی	شیخین کے نزدیک دونوں ظہار متحد الجنس ہیں لہذا اس میں نیت لغو ہے اس لیے ایک کفارہ ادا ہوا کیونکہ ایک کفارہ بنانا ممکن ہے	امام محمد کے نزدیک دونوں کا ادا ہو گیا
ایک ظہار اور ایک قتل کا کفارہ دینا تھا دونوں کی نیت سے 60 مسکینوں کو گندم کی مقدار ایک صاع دے دی	ظہار اور قتل الگ الگ جنس ہے اور مختلف الجنس میں نیت معتبر ہے اس لیے دونوں کفارے ادا ہو گئے	کوئی اختلاف نہیں
ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے اور بغیر تعیین کے دو غلام آزاد کیے یا چار ماہ مسلسل روزے رکھے	دونوں کفارے ادا ہو گئے کیونکہ جنس واحد میں نیت کی ضرورت نہیں	کوئی اختلاف نہیں
ظہار کے دو کفارے واجب ہوئے اور بغیر متعین کیے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے	کسی ایک نیت کر لینے سے اس ایک کا ادا ہو گا۔	امام زفر کے نزدیک ایک بھی کفارہ ادا نہیں ہوا
ایک ظہار اور ایک قتل کا کفارہ واجب ہوا اور بغیر متعین کیے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے	ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک کسی کا بھی ادا نہیں ہوا، نیت کا بھی کوئی فائدہ نہیں	امام شافعی کے نزدیک کسی ایک کی نیت کر سکتا ہے۔

کتاب اللعان

لعان کے لغوی معنی الطردوالابعاد یعنی دھتکارنے اور دور کرنے کے ہیں۔ شرعاً جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام عائد کرے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو عدالت زوجین کو بلا کر انہیں کچھ ایسے الفاظ ادا کرنے کو کہتی ہے جس میں قسم اور لعنت اور غضب جیسے سخت کلمات کہے جاتے ہیں، اس عمل کو لعان کہا جاتا ہے۔ مرد اپنے الزام پر قائم رہے حالانکہ فرض کرو کہ مرد جھوٹا ہے تو یہی عمل اس کے حق میں حد قذف کے قائم مقام شمار ہو گا، الگ سے کوڑے نہیں مارے جائیں گے اور فرض کرو کہ مرد سچا ہے اور عورت جھوٹی ہے تو یہی عمل عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے، لہذا مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر مرد اپنے جھوٹا ہونے کا سچا اعتراف کر لے تو اس کو حد لگے گی اور لعان نہ ہو گا اور اگر لعان ہو چکا ہو اور اس کے بعد سچ کا اعتراف کیا ہو تو اب اس لعان کا اثر ختم ہو جائے گا یعنی دونوں میاں بیوی بن سکیں گے۔ اور اگر عورت کہہ دے کہ ہاں مرد سچا ہے تو اس پر حد زنا جاری ہو گی۔

شرائط لعان

إذا قذف الرجل امرأته بالزنا وهما من أهل الشهادة والمرأة ممن يحد قاذفها أو نفى نسب ولدها وطالبته بموجب القذف فعليه اللعان

1۔ شوہر اور بیوی دونوں ادائے شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یعنی دونوں آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور غیر محدود فی القذف ہوں۔ لہذا اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی غلام ہو یا مجنون ہو یا نابالغ ہو یا کافر یا محدود فی القذف ہو تو لعان نہ ہو گا۔ اگر مرد کے اندر ادائے شہادت کی اہلیت نہ ہو اور پھر بھی تہمت لگائے تو بجائے لعان کے مرد پر حد قذف جاری ہو گی کیونکہ زنا کی تہمت کا موجب اصلی حد قذف ہی ہے۔ اور اگر عورت

کے اندر ادائے شہادت کی اہلیت نہ ہو تو نہ لعان ہو گا نہ مرد پر کوئی حد جاری ہو گی؛ لعان اس لیے نہ ہو گا کہ شرط نہیں پائی گئی اور حد نہ لگنے میں مرد کو اس لیے حد نہیں لگے گی کہ اس کا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا کیونکہ وجہ عورت کے اندر پائی گئی ہے مرد کے اندر نہیں۔ اور وہ وجہ یا تو یہ ہو گی کہ وہ باندی ہو گی یا بچی ہو گی یا غیر مسلم یا وہ زانیہ رہ چکی ہو گی۔ بچی سے زنا متصور نہیں۔ اور زانیہ پر الزام، جھوٹا الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے اس لیے لعان یا حد جاری نہ ہو گی اور باندی اور غیر مسلم کے بارے میں حدیث میں آگیا ہے کہ ان پر الزام لگے تو لعان نہ ہو گا، وہ حدیث یہ ہے :أربعة لالعان بينهم وبين أزواجهم اليهودية والنصرانية تحت المسلم والمملوكة تحت الحر والحرة تحت المملوك

2۔ بیوی ان خواتین میں سے ہو جس کو تہمت لگانے سے حد لگ سکتی ہو یعنی وہ ایسی پاکباز ہو کہ کبھی زنا سرزد نہ ہوا ہو، اس کے ساتھ وطی بالشبہ ہوئی ہو نہ نکاح فاسد کے بعد جماع ہوا ہو۔ لہذا ان تین باتوں میں سے کوئی بات پائی گئی تو اس پر تہمت لگانے والے کے شوہر کے ساتھ لعان نہ ہو گا۔ ہاں جب یہ عورت ان سب باتوں سے پاک ہو تب لعان ہو گا۔ لعان جاری ہونے کے لیے یہ شرط صرف عورت کے اندر دیکھی جائے گی، مرد کے اندر نہیں۔

3۔ شوہر نے صراحتاً بیوی پر زنا کا الزام لگایا ہو یا کنایۃً یعنی یہ کہا ہو کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے، تب لعان ہو گا، اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو لعان نہ ہو گا۔ شوہر گونگا ہو تو اس کے قذف کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ اس کا ہر اشارہ احتمال اور شبہ کا حامل ہے والحدود تندرئ بالشبهات

4۔ بیوی لعان کا مطالبہ بھی کرے، لہذا اگر بیوی خاموش رہے یا اس کا الزام باوجود جھوٹا ہونے کے سہہ لے تو لعان نہ ہو گا۔ ان شرائط میں سے پہلی شرط کی وجہ یہ ہے کہ

قرآن کریم نے ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم کہ کر اس عمل کو گواہی قرار دیا ہے کیونکہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے اس لیے الا انفسھم بھی شاھد ہی ہو گا۔ اس لیے تمام شرائط شہادت والی لی گئیں۔ پھر اس سے آگے فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ کہ کر دوبارہ اس کے شہادت اور دوسرا ان کے یمین ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اس لیے شہادت کے ساتھ ساتھ قسم کے الفاظ بھی جوڑے گئے۔

دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ لعان کا عمل مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے اس لیے جو شرائط حد قذف کی ہیں وہ سب ان کی بھی ہوں گی، لہذا لعان اسی وقت جاری ہو گا جب عورت شرط نمبر 2 میں مذکور تفصیل کے مطابق عفیفہ ہو، ورنہ لعان جاری نہ ہو گا جیسے حد قذف اس کے بغیر جاری نہیں ہوتی۔

تیسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ جب زنا کی صراحتاً یا کنایتاً تہمت نہ پائی جائے تو حد قذف نہیں لگتی اس لیے لعان بھی ان کے بغیر جاری نہ ہو گا البتہ یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ قذف کنائی کی صورت میں یعنی جب شوہر بچہ کا انکار کرے تو لعان نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ وطی بالشبہ کی تہمت لگا رہا ہو جو ظاہر ہے زنا کی تہمت نہ ہو گی لہذا قذف کنائی کی صورت میں لعان جاری نہیں ہونا چاہیے، صرف قذف صریحی کی صورت میں لعان جاری ہونا چاہیے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ انسان کے اندر اصل یہی ہے کہ اس کا نسب صحیح ہو، اس لیے جب بھی اس سے نسب کی نفی جائے گی تو وہ تہمت ہی کہلائے گی جب تک کہ کسی طرح تصدیق نہ ہو جائے کہ عورت کے ساتھ وطی بالشبہ ہوئی ہے اس لیے یہاں بھی یہ زنا ہی کی تہمت شمار ہو گی جب تک کہ وطی بالشبہ ہونے کی تصدیق نہ ہو جائے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر شوہر کے بجائے کوئی اجنبی اس بچہ کے بارے میں کہہ دے

کہ یہ بچہ تمہارے شوہر سے نہیں ہے تو یہ بھی قذف کنائی ہے اور یہاں بھی وطی بالشبہ کا احتمال موجود ہے لیکن ہم پھر بھی اس کو قاذف شمار کرتے ہیں جب تک وطی بالشبہ کی تصدیق نہ ہو جائے۔

اور چوتھی شرط کی وجہ ظاہر ہے کہ عورت پر ایک جرم کا الزام لگا ہے اس لیے اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ عدالت میں مقدمہ لے جائے اور انصاف کے لیے ہاتھ پھیلائے، اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

دوبارہ نباہ کی صورتیں

1۔ شوہر اپنی تہمت کو غلط کہہ دے۔

2۔ لعان کے بعد شوہر کسی اور پر جھوٹی تہمت لگادے اور سزا میں کوڑے کھالے اس کی وجہ سے وہ محدود فی القذف ہو کر سابقہ لعان کے حکم کو رفع کر دے گا۔

3۔ لعان قبل الدخول ہو اور عورت لعان کے بعد زنا کر بیٹھے۔

تہمت کی اقسام

صریح قذف یہ ہے کہ زنا کی تہمت لگائے اور کنائی قذف یہ ہے کہ یہ کہے کہ بچہ میرا نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں عورت کے مطالبے پر لعان ہو گا۔ لعان کے بعد طلاق یا تفریق قاضی سے نکاح ختم ہو گا۔ خود بخود تفریق نہ ہو گی۔ ایک تیسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ ایک حمل کے بارے میں جو ابھی تک دنیا میں آیا نہیں، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ لیس حملہا منی یہ حمل مجھ سے نہیں ہے، تو یہ قذف شمار ہو گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک قذف شمار نہ ہو گا؛ کیونکہ کیا معلوم صرف پیٹ پھولا ہوا ہو، حمل سرے سے ہی نہ ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ تہمت کے بعد چھ ماہ سے پہلے ہی بچہ پیدا ہو گیا تو یقین سے یہی کہا جائے گا کہ تہمت کے وقت یہی حمل موجود تھا اس لیے اس کو قذف کہا جائے گا۔

امام صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کی بات اس معنی میں درست ہے کہ یہ وہی حمل ہے لیکن پھر بھی اس کا یہ لفظ کہ لیس حملک منی یہ قذف شمار نہیں ہو گا؛ کیونکہ یہ جملہ کہتے وقت تو کسی کے نزدیک قذف نہیں ہے بلکہ مستقبل میں چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہونے پر قذف بنے گا تو اس کا مطلب یہ بنا کہ قذف کو مستقبل پر معلق کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ پھولی ہوئی چیز حمل ہوئی اور بچہ بن کر پیدا ہوئی تو وہ مجھ سے نہ ہو گی، ظاہر ہے قذف تو براہ راست تہمت لگانے کو کہتے ہیں، وہ تعلیق کو قبول نہیں کرتا اس لیے شبہ کی وجہ سے شوہر کی جان بچ جائے گی۔

ہاں! اگر چوتھی صورت ہو کہ لیس حملک منی کے ساتھ صراحتاً زنیت کے الفاظ کہے ہوں تو زنیت کے صریح الفاظ کہنے کی وجہ سے لعان ہو گا، لیکن جہاں تک بچہ کے نسب کی بات ہے تو باپ سے ہی جڑے گا، وجہ وہی مذکورہ بالا اختلاف ہے۔ جہاں تک ہلال بن امیہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کی نفی فرمادی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ واقعی حمل ہے۔ اسی طرح آج کے دور میں الٹراساؤنڈ سے معلوم ہو جائے کہ یہ حمل ہے تو بچہ کی نفی درست ہو گی۔

لعان کے حکم میں اختلاف ائمہ

لعان کے بعد خود بخود نکاح ختم ہو جائے گا یا طلاق یا تفریق قاضی سے نکاح ختم ہو گا۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک خود بخود نکاح ختم ہو جائے گا۔

وہ حدیث المتلاعنان لا یجتمعان ابدا کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جب لعان ہوا تو اسی لعان کو قائم مقام تفریق شمار نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے نکاح میں روک لو، تو مرد نے کہا کہ اگر میں نے اسے نکاح میں رکھا تو خود کو جھوٹا کہنے والا ہوں گا، پھر تین طلاقیں دے کر فارغ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینی پڑے گی اور اگر طلاق نہ دے تو قاضی نائب بن کر طلاق دے گا تا کہ عورت عدت کے بعد کہیں اور نکاح کر سکے۔ کمافی الحنین

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ مرد نے طلاق نہ دی ہو بلکہ قاضی نے اس کا نائب بن کر تفریق کی ہو تو قاضی کا یہ تفریق کرنا طلاق بائن شمار ہو گا یا حرمت موبدہ؟ امام ابو یوسف اس کو حرمت موبدہ فرماتے ہیں۔ ان کی دلیل وہی حدیث ہے کہ المتلاعنان لا یجتمعان ابدا۔ جبکہ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بائن ہو گی۔ جس کا ثمرہ یہ ہو گا کہ اگر لعان اور تفریق کے بعد شوہر خود کو جھوٹا کہہ دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک رجوع نہیں سکے گا جبکہ طرفین کے نزدیک حد لگنے کے بعد رجوع ہو سکے گا، کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متلاعنین جب تک متلاعن رہیں آپس میں جمع نہیں ہو سکتے لیکن جب متلاعنین ہی نہ رہے بلکہ شوہر نے اپنا بیان واپس لے لیا تو لعان کا اثر مکمل طور پر ختم ہو گیا، لہذا اب دونوں نکاح کر کے جمع ہو سکتے ہیں۔

نفی حمل کی شرط

مختصر یہ کہ امام صاحب کے نزدیک نفی حمل کی مدت ولادت سے سات دن تک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک 40 دن اس کی مدت ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو گیا، بڑا بھی ہو گیا اب اس کی کسی حرکت کی وجہ سے بچہ کا باپ انکار کر دے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں یہ سراسر جھوٹ ہو گا۔

بچہ اس کا کہلائے گا۔ اسی طرح بچہ کی پیدائش کے بعد مبارکباد وصول کرلی، ہدایا وصول کرلیے، جھولا اور سامان خرید لیا، عقیقہ وغیرہ سب کرلیا اب سات دن گزرنے کے بعد کہہ رہا ہے کہ بچہ میرا نہیں ہے تب بھی یہ جھوٹ شمار ہوگا اور نسب اس سے ثابت ہو گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے فورا بعد بچے کو دیکھ کر کہا یا خوشی کے سات دن گزرنے سے پہلے پہلے کہا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک نفی درست ہے اور اب لعان ہوگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ سات دن بہت کم مدت ہے، چالیس دن ٹھیک رہیں گے؛ کیونکہ نفاس، ولادت ہی کا اثر ہوتا ہے اس لیے اس کو نفی کی مدت بنا سکتے ہیں۔ امام صاحب جواب یہ دیتے ہیں کہ اصل تو یہ ہے کہ یہاں کوئی مدت منصوص نہیں ہے اور سوچ و بچار کے لحاظ سے لوگوں کے حالات بھی الگ الگ ہیں، اس لیے ہم اپنی رائے سے کوئی مدت مقرر ہی نہیں کرسکتے۔ ہاں کسی ایسی چیز کو معیار بنا سکتے ہیں جو سوچ و بچار اور غور و تدبر کا عام احوال میں قرینہ بن سکے اور وہ یہی خوشی اور مبارک بادی کا سماں ہوتا ہے، اگر وہ اس دوران نفی کردے تو واقعی نفی درست ہوگی، لیکن اگر یہ مدت سکوت بلکہ خوشیاں مناتے ہوئے گزر گئی اور پھر انکار کر رہا ہے تو اسے جھوٹا اور کذاب مانا جائے گا لہٰذا حد قذف لگائی جائے گی۔ اور سات دن جو ہم نے کہے وہ ایک عام عادت کو دیکھتے ہوئے کہے ہیں۔

جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی

کسی کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے، شوہر پہلے کا انکار کرے اور دوسرے کا اعتراف تو دونوں ہی اس سے ثابت ہوں گے اور شوہر کو جھوٹا مانا جائے گا کیونکہ پہلے کے انکار سے لعان ثابت ہو رہا تھا لیکن جب دوسرے کا اعتراف کرلیا تو خود کو جھوٹا کہہ دیا، لہٰذا حد

قذف لگائی جائے گی؛ کیونکہ جب دوسرا بچہ اس کا ہے تو پہلا بھی اسی کا ہو گا کیونکہ جڑواں بچے ایک ہی نطفے سے بنتے ہیں۔ اور اگر اس کی بر عکس صورت ہو کہ پہلے کا اقرار کر رہا ہے کہ میرا ہے اور دوسرے کا انکار کر رہا ہے تو نسب تو یہاں بھی دونوں کا اسی سے ثابت ہو گا؛ کیونکہ جب پہلا بچہ اس کا ہے تو دوسرا بھی اسی کا ہو گا لیکن پہلی صورت کے بر عکس یہاں نفی کا مکذب نہیں پایا جارہا اس لیے لعان ہو گا۔ اس کی مثال ایسے ہو جائے گی جیسے کوئی انھا عفیفہ کہہ کر انھا زانیہ کہے کہ اس صورت میں بھی مکذب نہ پائے جانے کی وجہ سے لعان ہو گا۔

باب العنین

جنسی امراض کی وجہ سے تنسیخ نکاح:

احناف کے نزدیک عورت کو جنسی یا متعدی مرض ہو تو مرد کو تنسیخ کا حق نہیں بلکہ وہ طلاق دے دے، امام شافعی کے نزدیک تنسیخ کا حق حاصل ہے، کیونکہ ان امراض کے ساتھ زوجہ سے استمتاع نہایت مشکل بلکہ مضر ہے۔ لأنها تمنع الاستيفاء حسا وطبعا والطبع مؤید بالشرع قال علیه الصلاة والسلام فر من المجذوم فرارك من الأسد

احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر شوہر قبل الدخول مر بھی جائے تب بھی استمتاع میں مخل نہیں ہوتا اسی وجہ سے عورت کو کامل مہر ملتا ہے تو جب موت فسخ نکاح کی موجب نہیں تو یہاں ان امراض کی وجہ سے کیسے نکاح فسخ ہو سکے گا؟ اور ویسے بھی تنسیخ کی کیا ضرورت؟ اگر فارغ کرنا ہے تو طلاق ہی دیدے۔

البتہ مرد کو جنسی مرض ہو تو اس کی تین قسمیں ہیں: نامردی، مقطوع الذکر ہونا، خصی ہونا۔ ان میں سے مقطوع الذکر کی صورت میں عدالت مہلت دیے بغیر نکاح فسخ کر دے گی؛ کیونکہ اس کا کوئی علاج و حل نہیں، البتہ آج کل مصنوعی ذکر لگوایا جاسکتا

ہے، اگر وہ لگوالے اور کام بن جائے تو تنسیخ نکاح کا حق نہ ہو گا۔ نامردی کی صورت میں ایک سال کی مہلت دی جائے گی: ھکذا روی عن عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیونکہ اس کا علاج پہلے بھی ممکن تھا اور آج کل میڈیکل سائنس میں اس کا علاج زیادہ بہتر طریقے سے موجود ہے، اگر عارضی نامردی ہے تو علاج سے ٹھیک ہو جائے گا اور تنسیخ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر دائمی نامردی ہے تو بھی اس مدت میں واضح ہو جائے گا اور دائمی اور آفت اصلیہ کی وجہ سے ہونے کی صورت میں قاضی اس کا نائب بن کر تفریق کرادے گا جو طلاق بائن شمار ہو گی۔

ایک سال سے قمری سال مراد ہے۔ اس ایک سال میں عورت کے ایام حیض اور ماہ رمضان کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ البتہ عورت یا مرد بیمار ہو گیا ہو جس کی وجہ سے جماع پر قدرت نہ رہی ہو تو وہ دن منہا کیے جائیں گے اور ان کے بدلے میں دوسرے ایام دیے جائیں گے۔

امام شافعی اس کو طلاق کے بجائے تنسیخ مانتے ہیں۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ نکاح جب تام ہو جائے تو طلاق ہو سکتی ہے تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ اور طلاق بائن اس لیے ہو گی کہ اگر رجعی مانا تو شوہر رجوع کر لے گا جس سے عورت کو نقصان ہو گا۔ البتہ تفریق کے بعد عدت واجب ہو گی اور مہر بھی کامل واجب ہو گا کما مر۔

یہ بھی واضح رہے کہ عدالت پہلے مرد کا موقف سنے گی، اگر مرد تسلیم کر لے کہ وہ نامرد ہے تب تو ایک سال کی مہلت فوراً دیدی جائے گی، لیکن اگر مرد نامردی کا منکر ہوا جبکہ عورت مدعی ہو تو دو صورتیں ہیں یا تو عورت باکرہ ہو گی یا ثیبہ۔ اگر عورت تسلیم کرے کہ وہ ثیبہ ہے تو شوہر سے حلف لیا جائے اگر وہ حلف اٹھالے کہ میں نے ہی اس سے جماع کیا ہے تو اس کا موقف سچا مانا جائے گا؛ کیونکہ انسان میں اصل صحت ہے اور

مرض عارض ہے اس لیے یہی کہا جائے گا کہ عورت اس شوہر کے جماع سے ثیبہ ہوئی ہے۔ لیکن اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کر دے تو بیوی سچی مانی جائے گی اور عدالت اسے ایک سال علاج کی مہلت دے گی۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت بکارت کی مدعی ہو اور مرد جماع کا۔ تو لیڈی ڈاکٹرز چیک اپ کریں، اگر چیک اپ سے باکرہ ہونا ثابت ہو جائے تو شوہر کا جھوٹ سامنے آگیا لہذا اسے ایک سال مہلت دی جائے اور اگر ڈاکٹرز کہیں کہ ثیبہ ہے تو وہی سابقہ کاروائی دہرائی جائے کہ شوہر قسم کھالے، اگر قسم نہ کھائے تو عورت سچی مان لی جائے گی۔

شرائط تنسیخ بوجہ نامردی

واضح رہے کہ فقہ حنفی کے مطابق شوہر کے نامرد یا خصی ہونے کی بناء پر عورت کو بذریعہ عدالت فسخ نکاح کا اختیار اس وقت ہے جب یہ شرائط پائی جائیں۔

1۔ عورت کو نکاح سے قبل شوہر کے جنسی مریض ہونے کا علم نہ ہو۔

2۔ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی شوہر نے وطی نہ کی ہو۔

3۔ نامرد ہونے کے علم کے بعد عورت نے شوہر کے نکاح میں رہنے پر ایک مرتبہ بھی زبانی طور پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔

4۔ شوہر کے نامرد ہونے کی بناء پر خاتون کی طرف سے عدالت کے پاس معاملہ پہنچے۔

یہ تمام باتیں پائی جائیں تو عدالت شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گی۔ ایک سال گزر گیا اس کے بعد مسئلے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ شوہر مان لے کہ وہ ابھی تک نامرد ہے تو ظاہر ہے عدالت مرد کو طلاق دینے کا کہے گی اور وہ طلاق نہ دے تو قاضی اس کا نائب بن کر نکاح ختم کرا دے گا۔

2۔ شوہر کہے کہ میرا علاج کامیاب ہو گیا ہے، میں جماع کر چکا ہوں، لیکن عورت جماع کی منکر ہے، تو لیڈی ڈاکٹرز عورت کا چیک اپ کریں، اگر عورت باکرہ ہو تو مرد کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا اور عورت کو اختیار دیا جائیگا۔

3۔ شوہر کہے کہ میرا علاج کامیاب ہو گیا ہے، اور میں جماع کر چکا ہوں، عورت جماع کی منکر ہے، لیڈی ڈاکٹرز نے چیک اپ کیا اور رپورٹ دی کہ عورت ثیبہ ہے تو مرد کو قسم دی جائے گی کہ وہ حلفیہ بیان دے کہ وہ نامرد نہیں رہا اور جماع کر چکا ہے، اگر وہ حلف اٹھا لے تو اس کا سچا ہونا ثابت ہو جائے گا اور عدالت نکاح ختم نہیں کرے گی، لیکن وہ قسم سے انکار کر دے تو عورت کو جدائیگی کا اختیار ملے گا۔

4۔ عورت اس مرد کے ساتھ شادی سے پہلے ہی ثیبہ تھی اور ایک سال کی مہلت کے بعد تنازع ہوا تو مرد کی بات مان لی جائے گی، کیونکہ مرد نامردی کا منکر ہے، اس لیے اگر عورت اپنا دعوی ثابت نہ کر سکی تو منکر یعنی شوہر کی بات مانی جائے گی۔

متعدی امراض کی وجہ سے تنسیخ نکاح

متعدی یا گھناؤنے امراض، جیسے ایڈز، جنون، جذام، برص کی وجہ سے شیخین کے نزدیک تنسیخ نکاح کا حق حاصل نہیں، گو مجبوب اور عنین میں حاصل ہے کیونکہ ان میں تو جماع ہی نہیں ہو پاتا جبکہ متعدی امراض کے ہوتے ہوئے جماع ممکن ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ان امراض کے ہوتے ہوئے عورت کو حق فسخ حاصل ہے۔ وعلیہ الفتوی فی زماننا دفعا للضرر عنہا کما فی الجب والعنۃ

باب العدۃ

اسباب عدت

عدت فرض ہے اس کے اسباب: طلاق، فسخ نکاح، وطی بالشبہ اور موت ہیں۔ جب طلاق، تنسیخ نکاح یا شوہر کی موت کی وجہ سے نکاح ختم ہو جائے تب عدت واجب ہوتی ہے۔ عدت واجب ہونے کے لیے طلاق یا تنسیخ کی صورت میں دخول یا خلوت ضروری ہے۔ اس سے پہلے طلاق ہو گئی تو عدت واجب نہیں۔ البتہ عدت وفات کے لیے دخول وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔ وفات قبل الدخول کی صورت میں بھی بیوی پر عدت وفات واجب ہے۔

عدت کی علت

عدت دو وجہ سے ہوتی ہے: ایک نکاح کی نعمت ختم ہونے کے غم میں، اور دوسرا رحم میں کچھ ہے یا نہیں، اس کو پہچاننے کے لیے۔ طلاق کی عدت میں یہ دونوں وجوہ مطلوب ہیں، جبکہ عدت وفات میں صرف سوگ مطلوب ہے۔ براءت رحم نہیں۔ تنسیخ نکاح کا حکم طلاق کی طرح ہے۔

مکان عدت

وہ مکان جہاں شوہر نے بیوی کو رہائش دے رکھی تھی چاہے وہ کرایے کی ہو یا ذاتی اسی جگہ عدت گزارنا واجب ہے۔ اگر شوہر اس مکان میں عدت گزارنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن بیوی ناراض ہو کر میکے چلی جاتی ہے تو اس کو عدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔ اگر شوہر خود اسے میکے نکال دے، یا عزت کے خطرے کے پیش نظر وہ یہاں سے چلی جائے تو نفقہ واجب ہو گا۔ شوہر کا انتقال ہو گیا اب کرایہ کے پیسے نہیں یا مکان میں بیوی

کا اتنا حصہ نہیں بنتا جس میں گزر بسر ہو سکے یا تنہائی میں چور کا خوف ہے یا چھت گرنے کا خطرہ ہے مطلب جان، مال یا عزت کا خوف ہو تو ان صورتوں میں بیوہ یہ مکان چھوڑ کر کسی اور محفوظ جگہ جاسکتی ہے۔

عدت کی ابتد او انتہا

طلاق کی صورت میں عدت کی ابتدا طلاق سے اور وفات کی صورت میں وقت وفات کے فورابعد شروع ہو جاتی ہے، کیونکہ یہی اس کے اسباب ہیں۔البتہ نکاح فاسد کی عدت کب سے شروع ہو گی؟اس میں اختلاف ہے:

امام زفرؒ رحمہ اللہ کے نزدیک آخری وطی سے عدت شروع ہو گی، کیونکہ نکاح فاسد میں وطی ہی عدت کا سبب ہے، جیسے وطی بالشبہ میں وطی عدت کا سبب ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قاضی کے فیصلہ تفریق کے بعد عدت شروع ہو گی یا شوہر نے زبان سے یا فعل سے متارکت کردی ہو تو اس کے بعد سے عدت شروع ہو گی، کیونکہ اس سے پہلے کسی بھی وقت شوہر آکر وطی کر سکتا ہے، اس لیے محض وطی کو سبب نہیں بنایا جاسکتا۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ نکاح فاسد کے بعد سے متارکت تک کا زمانہ جس میں کئی وطیات کی ہوں گی اور نہیں بھی کی ہوں گی، یہ سب مل کر مسلسل ایک وطی کے قائم مقام ہے، کیونکہ بیوی نے مسلسل وطی کی قدرت دے رکھی ہوتی ہے، اس لیے ہم یوں سمجھیں گے کہ متارکت سے پہلے وطی ختم نہ ہو گی اور متارکت ہی انتہائے وطی کی علامت ہو گی، اس وجہ سے مہر بھی ایک ہی واجب ہوتا ہے، ہر وطی کا مہر الگ واجب نہیں ہوتا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ زوجین کے علم میں تو ہر وطی الگ ہے، ان کے حق میں ان سب کو ایک بنانے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے ان کو ہر چیز کا صحیح علم

ہے لیکن دوسرے لوگ بالخصوص زوج ثانی اسی وقت مطمئن ہو گا، جب واضح طور پر متارکت اور اس کے بعد عدت پائی جائے گی، اس کے بغیر وہ مطمئن نہ ہو گا۔ اس لیے متارکت ہی کو نکاح فاسد کی عدت کا سبب مانا جائے۔

زبان سے متارکت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر یوں کہہ دے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا تجھے چھوڑ دیا اور فعل سے متارکت یہ ہے کہ عورت کو اس کے میکے یہ کہہ کر چھوڑ آئے کہ اب ہمارا تعلق ختم، تو یہ چھوڑ کر آنا متارکت فعلیہ ہے۔ اس کے بعد سے عدت شروع ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ عدت اپنے وقت پر شروع ہو کر وقت پر ختم ہو جاتی ہے چاہے بیوی عدت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے، چاہے اسے سبب عدت کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، یہ الگ بات ہے کہ جان بوجھ کر عدت چھوڑی تو گناہ گار ہو گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عدت کا وقت گزرنے کے بعد عورت کو پتا چلتا ہے کہ اسے طلاق ہوئی ہے یا شوہر فوت ہو گیا ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کی عدت ختم ہو جائے گی، خوامخواہ شک کرنے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے عدت میں نہ بیٹھنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ البتہ جہاں واقعتاً ایسی کوئی منصوبہ بندی کی گئی ہو تو خاص اس صورت میں وقت اقرار سے عدت شروع ہونے کا فتوی دیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ کی عبارت " ومشايخنا رحمهم الله يفتون في الطلاق أن ابتداءها من وقت الإقرار نفيا للتهمة المواضعة پر علما نے آنکھیں بند کر کے فتوی نہیں دیا بلکہ یہی تفصیل بیان کی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی۔ ابن الہمام نے اس عبارت کا سختی سے رد کیا ہے۔

مسائل عدت

صورت مسئلہ	عدت کی مدت	دلیل
طلاق ہوئی، عورت کو حیض آتا ہے۔	تین حیض	وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ
طلاق ہوئی، عورت آئسہ یا صغیرہ ہے۔	تین ماہ	وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ
طلاق ہوئی، عورت حمل سے ہے۔	وضع حمل	وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
ایک دو حیض کے بعد آئسہ ہو جائے	تین ماہ	وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ
آئسہ کو حیض آنا شروع ہو جائے	تین حیض	وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ
شوہر کی وفات ہو جائے	چار ماہ دس دن (130 دن)	وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا
نکاح فاسد سے متارکت کے بعد	تین حیض	عدت کے معاملے میں نکاح صحیح کی طرح ہے۔
نکاح فاسد کے بعد شوہر کی وفات	تین حیض	اس نکاح کا احترام نہیں ،اس لیے صرف استبراء رحم کے

		لیے تین حیض عدت گذارے
وطی بالشبہ	تین حیض	استبراءِ رحم کے لیے تین حیض عدت گذارے
نابالغ شوہر کا انتقال ہوا ،اور بیوی حاملہ ہے	وضعِ حمل	وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
نابالغ کی بیوی اس کی وفات کے بعد حاملہ ہوگئی	چار ماہ دس دن (130 دن)	عدت وفات والی آیت منطبق ہوگی، کیونکہ بوقت وفات حاملہ نہ تھی
بالغ کی بیوی اس کی وفات کے بعد حاملہ ہوئی	وضعِ حمل	عدت کے دوران اسی شوہر سے نسب ثابت ہوگا، اگرچہ بچہ بدکاری کا ہو
شوہر نے مرض الوفات میں طلاق بائن دی، اسی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوگیا	ابعد الاجلین یعنی طلاق اور وفات کی عدت میں جو بعد میں پوری ہو	نکاح ویسے ختم ہوچکا تھا، مگر فار ہونے کی وجہ سے میراث اور عدت کے حق میں نکاح موجود تصور کیا جائے گا
طلاق رجعی کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوجائے	چار ماہ دس دن (130 دن)	کیونکہ نکاح باقی ہے
شوہر نے صحت کی حالت میں طلاق بائن دی، اسی کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا	تین حیض	اس لیے کہ شوہر فار نہیں ہے، اس لیے طلاق بائن سے مکمل نکاح ختم ہوجاتا ہے
معتدہ طلاق سے وطی بالشبہ کی گئی	دونوں عدتوں میں تداخل	اصل مقصود استبراء رحم ہے

معتدہ وفات سے وطی بالشبہ کی گئی	دونوں عدتوں میں تداخل	سوگ اور استبراء دونوں حاصل ہوجائیں گے
عدت طلاق کے دوران خود شوہر نے نکاح کیا، پھر دوبارہ طلاق قبل الدخول دے دی	شوہر پر مہر کامل اور بیوی پر مستقل نئی عدت واجب ہوگی	بیوی پہلے سے قبضے میں ہے اس لیے رخصتی موجود ہونے کی وجہ سے مہر کامل واجب ہوا
کافر کی بیوی پر عدت	عدت نہیں	کیونکہ وہ احکام کے مخاطب نہیں
حربیہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آجائے جبکہ وہ حاملہ نہ ہو	عدت نہیں	وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ
حربیہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آجائے جبکہ وہ حاملہ ہو	وضع حمل	وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
ممتدۃ الطہر کو طلاق ہوجائے	اختلاف	مذہب مالکیہ میں ایک سال۔ مذہب حنفی میں تین حیض چاہے کتنے ہی سال گذر جائے

قروء سے حیض مراد لینے کی تین وجوہات

ا۔ آیت (والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء) میں لفظ قروء حیض اور طہر کے معنوں میں مشترک ہے، اب یہاں کون سا معنی لیا جائے؟ اس کے لیے ہم نے ثلثہ پر فوکس کیا ہے۔ ثلثہ خاص لفظ ہے، ہم نے ثلاثہ کی وجہ سے قروء کے معنی حیض کے لیے ہیں کیونکہ اس سے تین قروہ پر صحیح عمل ہوتا ہے، طہر کے معنی لیں تو یا تو تین سے کم طہر

پر عدت ختم ہو جاتی ہے یا تین سے زیادہ پر۔ اس طرح تین کے خاص لفظ پر مکمل عمل نہیں ہو پاتا۔

2۔ گو قروء، لفظ مشترک ہے لیکن عدت طلاق کی اصل علت استبراء رحم ہے اور استبراء رحم حیض ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اس لیے حیض کے معنی لینا بہتر ہے۔

3- حدیث وعدتھاالأمۃ حیضتان میں باندی کی عدت صراحت سے دو حیض بتائی گئی ہے اس لیے آزاد کی عدت بھی حیض ہی سے ہو گی۔ لہذا یہ حدیث آیت کے لیے بیان اور مفسر بن جائے گی۔

باندی کی عدت

مذکورہ بالا چارٹ میں باندی کی عدت کا ذکر نہیں۔ دراصل باندی کی عدت آزاد کی عدت کا نصف ہے جہاں نصف ہو سکتی ہو، لیکن جہاں نصف نہ ہو سکتی ہو وہاں کسر ختم کرنی پڑے گی، چنانچہ 3 ماہ کا نصف کرنا ممکن ہے چار ماہ دس دن کو بھی نصف کرنا ممکن ہے لیکن تین حیض کو نصف کرنا ممکن نہیں اس لیے وہاں دو حیض اس کی عدت ہو گی۔

حاملہ بیوہ کی عدت

اس میں دو آیتیں باہم متعارض ہیں۔ سورہ طلاق کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع حمل عدت ہو گی جبکہ سورہ بقرہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ دس دن عدت ہو گی، اس تعارض کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سورہ طلاق کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اس لیے وہ ناسخ بنے گی، لہذا اس کی عدت وضع حمل ہی ہو گی، وہ اس پر مباہلہ کا چیلنج کرتے تھے۔

ابعد الاجلین

شوہر نے مرض الوفات میں طلاق بائن دی بیوی عدت طلاق تین حیض گزار رہی تھی کہ اس دوران شوہر فوت ہو گیا تو اب اس کی عدت طلاق والی ہی رہے گی یا وفات کی عدت میں بدل جائے گی؟اس پر تو اتفاق ہے کہ طلاق رجعی والی صورت ہو تو عدت وفات گزارے گی لیکن طلاق بائن کی صورت میں کیا ہو گا؟ اس میں اختلاف ہے؟

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ طلاق بائن سے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہوتا ہے اس لیے طلاق ہی کی عدت مکمل کرے، وفات کی عدت کو ساتھ جوڑنا درست نہیں۔ ہاں !صرف وراثت کے معاملے میں اجماع صحابہ کی وجہ سے نکاح کو موجود تصور کیا جائے گا تا کہ عورت کا حق میراث ضائع نہ ہو کمامر سابقا۔ اس کی ایک نظیر مرتد کی زوجہ ہے کہ اگر ارتداد کے بعد مرتد مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی صرف تفریق کی عدت گزارتی ہے وفات کی نہیں۔

طرفین کے نزدیک اس کی عدت ابعد الاجلین ہو گی یعنی طلاق اور وفات کی عدتوں میں سے جو بعد میں پوری ہو، وہ اس کی عدت ہو گی۔ دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن دینے کی وجہ سے نکاح ویسے ختم ہو چکا تھا لیکن فار ہونے کی وجہ سے جیسے میراث کے معاملے میں نکاح کو موجود مان لیا گیا، عدت کے حق میں بھی نکاح کو احتیاطاً موجود تصور کر لیا جائے گا اور یوں دونوں عدتوں کو جمع کر لیا جائے گا۔

جہاں تک مرتد والی نظیر کا سوال ہے تو اس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب انکاری ہے، یعنی ہم نہیں مانتے کہ اس صورت میں عدت حیض سے ہو گی بلکہ ہمارے نزدیک وہاں بھی ابعد الاجلین عدت ہو گی۔ دوسرا جواب تسلیمی ہے کہ جی ہم اس نظیر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں بالاتفاق حیض سے عدت ہو گی، لیکن اس پر قیاس، قیاس مع

الفارق ہے؛ وہ اس لیے کہ مرتد ارتداد کے وقت ہی سے حکما مر چکا ہوتا ہے اور اسی وقت سے اس کی میراث پر ورثا کا حق متعلق ہوجاتا ہے اور بیوی پر عدت (تین حیض، بوجہ تباین دینین)واجب ہوچکی ہوتی ہے، اس کی حقیقی موت سے نہ وراثت کا حکم متعلق ہوتا ہے نہ عدت وغیرہ کا کوئی حکم، کیونکہ کافر اور مسلمان کے درمیان کوئی وراثت جاری ہی نہیں ہوتی ، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں موت کے بعد وراثت کا حکم بالا تفاق وابستہ ہے، لہذا جب میراث وابستہ ہے تو عدت بھی منسلک کر لو۔

واضح رہے کہ ابعدالاجلین اسی صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ تداخل عدت ہر اس صورت میں ہوگا جب عدت کے دوران وطی بالشبہ کرلی جائے۔ تین طلاق کے بعد بیوی کو ساتھ رکھنا بھی بعض اوقات وطی بالشبہ بن جاتا ہے۔ عملاً وطی بالشبہ کا وقوع زیادہ ہے۔

آئسہ کی عدت

آئسہ تین ماہ عدت گزار رہی تھی کہ حیض آنا شروع ہو گیا تو کیونکہ تین ماہ خلیفہ تھا اس لیے جب اصل پر قدرت ہو گئی تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہاں !اگر دوبارہ آئسہ ہو گئی تو آئسہ والی ہی گزارے گی جبکہ مسلسل آئسہ رہے۔ جیسے فدیہ شیخ فانی کے لیے روزوں کا بدل اس وقت ہے جب عجز مسلسل رہے ورنہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو فدیہ باطل ہو کر صدقہ بن جاتا ہے اور روزے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس کے برعکس صورت ہو کہ حائضہ تھی کہ اب حیض آنا بند ہو گیا تو اس کی عدت آئسہ والی ہو گی۔

زوجۃ الصغیر کی عدت

نابالغ شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ بیوی وقت وفات حاملہ ہے ظاہر ہے کسی اور سے حاملہ ہے تو اس کی عدت کیا ہو گی ؟اس کے بارے میں اختلاف ہے :امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی، وضع حمل عدت نہ ہو گی ؟ کیونکہ وضع حمل اس وقت عدت بنتی جب یہ حمل اس شوہر کا ہوتا جبکہ اس عورت کا یہ عمل یقینی طور پر نا جائز ہے اس لیے وضع حمل اس کی عدت نہیں بن سکتی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر اسی نابالغ کی بیوی نابالغ کی وفات کے بعد حاملہ ہو تو بالاتفاق اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے کیونکہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ حمل نا جائز ہے۔ طرفین فرماتے ہیں کہ اس کی عدت وضع حمل ہو گی، چار ماہ دس دن نہیں؛ کیونکہ واُولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ قرآن کریم نے یہی بتایا ہے کہ بوقت انتقال مرنے والے کی بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جبکہ وہ حمل اسی شوہر سے ہو۔

اور جو نظیر آپ نے پیش کی ہے وہ یہاں کار گر نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلہ میں موت کے وقت عورت حمل سے تھی اس لیے عدت واجب ہی وضع حمل والی ہوئی جبکہ نظیر میں جو مسئلہ بتایا گیا ہے اس میں عدت چار ماہ دس دن واجب ہو گئی تھی اس کے بعد حمل ظاہر ہوا جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ فافترقا۔

تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جیسے صغیر کی موت کے بعد ظاہر ہونے والا حمل ثابت النسب نہیں اسی طرح صغیر کی موت کے وقت موجود حمل بھی ثابت النسب نہ ہو گا کیونکہ صغیر سے یہ حمل متصور ہی نہیں، اس لیے یہاں ثبوت نسب کی کوئی تاویل نہیں چل سکے گی۔

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر تو بالغ کی بیوی کو شوہر کے مرنے کے بعد حمل ظاہر ہو تو صغیر کی بیوی کی طرح اس صورت میں بھی عدت چار ماہ دس دن ہونی چاہیے نہ کہ وضع حمل؛ کیونکہ اس میں بھی بوقت وفات بیوی پر چار ماہ دس دن عدت واجب ہو چکی ہوتی ہے، آپ کے کہنے کے مطابق اس کی عدت وضع حمل سے تبدیل نہیں ہونی چاہیے لیکن فقہا یہی کہتے ہیں کہ اس کی عدت بدل جائے گی، اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں باتوں میں فرق ہے۔ صغیر کو انزال متصور ہی نہیں، اس لیے وہاں حقیقت کو دیکھا جائے گا جبکہ بالغ کو انزال ہوتا ہے اس لیے بالغ کی موت کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی بیوہ کو اس کی موت کے بعد جو حمل ظاہر ہوا ہے وہ بوقت موت حکماً موجود تھا۔ لان الولد للفراش وللعاھر الحجر

تداخل عدت

ابعد الاجلین کی صورت میں طلاق بائن کی عدت کے دوران عدت وفات گزارنی پڑ جاتی ہے، جبکہ تداخل عدت ہر اس صورت میں ہوتا ہے جب عدت طلاق یا عدت وفات کے دوران معتدہ سے وطی بالشبہ کرلی جائے۔ عملاً وطی بالشبہ کا وقوع زیادہ ہے۔

تداخل عدت کی صورت یہ ہے کہ طلاق کی عدت مثلاً دو حیض گزرے تھے کہ وطی بالشبہ زوج نے یا کسی اجنبی نے کرلی تو اس وطی کی الگ سے عدت ہو گی، لیکن یہ دوسری عدت پہلے سے جاری عدت میں ضم ہو جائے گی بایں طور کہ اب جو حیض گزرے گا وہ گزشتہ عدت کا تیسرا حیض ہو گا اور دوسری عدت کا پہلا حیض۔ لہذا اب اسے صرف دو حیض مزید گزارنے ہوں گے۔ اگر ایک حیض گزرنے کے بعد وطی بالشبہ ہوئی تو آئندہ دو حیض پہلی عدت کے آخری دو حیض ہوں گے اور یہی دو حیض دوسری عدت کے پہلے دو حیض ہوں گے لہذا اسے اب صرف ایک حیض مزید عدت

میں بیٹھنا ہو گا۔ اور اگر فرض کرو کہ پہلی عدت کے پہلے ہی دن وطی بالشبہ ہو گئی تو آنے والے تینوں حیض باہم متداخل ہو جائیں گے یعنی تین حیض پہلی عدت کی طرف سے بھی ہوں گے اور دوسری کی طرف سے بھی۔ وعلی ھذا عدت وفات کے دوران وطی بالشبہ یا نکاح کرلیا جائے تو اس کی عدت الگ سے واجب ہو گی، لیکن یہاں بھی تداخل کر دیا جائے گا۔ اگر تو شروع میں وطی بالشبہ یا نکاح کیا گیا تو اس کی عدت کے تین حیض انہی چار ماہ دس دن کے اندر اندر مدغم ہو جائیں گے لیکن اگر عدت وفات کے آخری دنوں میں ایسا ہوا تو دوسری عدت کے کچھ دن عدت وفات میں مدغم ہو جائیں گے اور بقیہ دن عدت وفات کی تکمیل کے بعد پورے کیے جائیں۔

تداخل عدت کا یہ تصور احناف کے ہاں پایا جاتا ہے۔ امام شافعی اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دونوں عدتوں کا سبب الگ الگ ہے لہذا گزارنی بھی الگ الگ ہوں گی؛ کیونکہ عدت عبادت ہے جس میں عورت زینت اور نکاح سے رکی رہتی ہے اور عبادت میں کبھی تداخل نہیں ہوتا، جیسے نمازوں اور روزوں میں تداخل نہیں ہوتا لہذا ان عدتوں میں بھی تداخل نہ ہو گا۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ عدت سے اصل مقصود استبراء رحم ہے اور یہ مقصود ایک عدت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لیے اگر کسی صورت میں عدت باہم متداخل ہو رہی ہوں جیسے آخری صورت میں دونوں عدتیں ساتھ ساتھ ہیں تو ایک عدت ہی کافی ہو جائے گی اور جہاں ایک دو حیض گزرنے کے بعد وطی بالشبہ ہوئی ہو تو آئندہ کے ایک دو حیض میں تداخل ہو گا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ عدت عبادت ہے تو ہم بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں لیکن عدت ایک ایسی عبادت ہے جس میں عبادت کے معنی اصالتاً نہیں بلکہ تبعاً ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی عورت کو طلاق ہو جائے یا اس

کے شوہر کی وفات ہو جائے اور اسے اس کا علم نہ ہو سکے یہاں تک کہ عدت کا وقت گزر جائے تو بھی عدت پوری ہو جاتی ہے، علم ہونے کے بعد دوبارہ نہیں گزارنی پڑتی۔ بلکہ اگر عورت جان بوجھ کر عدت میں نہ بیٹھے، عدت کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تب بھی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ اگر یہ نماز روزہ کی طرح عبادت مقصودہ ہوتی تو کبھی بھی عدت کے منافی افعال کے ہوتے ہوئے پوری نہ ہوتی۔

عدت طلاق کے دوران شوہر کا نکاح ثانی اور طلاق

عدت طلاق چل رہی تھی، شوہر سمجھا کہ بیوی سدھر گئی ہے اس نے دوران عدت اس سے نکاح کیا لیکن پتا چلا کہ ویسی کی ویسی ہی ہے، اس نے اس وقت رخصتی سے پہلے دوبارہ طلاق دیدی تو یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: ایک مہر کا کہ کتنا واجب ہو گا ؟ دوسرا عدت کا کہ سابقہ عدت پوری کرے یا نہ کرے اور نئی عدت واجب ہوئی یا نہیں؟

مہر والے مسئلے میں امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق قبل الدخول ہوئی ہے اس لیے نصف مہر واجب ہو گا۔ شیخین فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بعد الدخول ہے اس لیے مہر پورا واجب ہو گا؛ کیونکہ نکاح اول کی عدت اسی شوہر کے لیے چل رہی تھی اس لیے نکاح ثانی کے بعد بیوی پہلے سے شوہر کی رخصتی اور اس کے قبضہ میں موجود شمار ہو گی، اس کے لیے الگ سے رخصتی کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی، اس لیے رخصتی موجود ہونے کی وجہ سے مہر کامل واجب ہو گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ غاصب جس کے پاس مغصوبہ چیز موجود ہو وہ مالک سے مغصوبہ چیز خرید کر آگے کسی کو بیچ دے تو یہ بیع قبل القبض نہیں کہلائے گا؛ کیونکہ چیز پہلے سے غاصب کے قبضہ میں موجود ہے۔

دوسرا مسئلہ ہے عدت کا کہ وہ کیا ہو گی ؟ تو اس میں تین مذاہب ہیں: امام زفر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں کوئی عدت واجب نہیں۔ پہلے سے جاری عدت نکاح ثانی سے ختم ہو گئی اور دوسری عدت طلاق قبل الدخول کی وجہ سے واجب نہیں ہوئی، فلا عدۃ اصلا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوسری عدت قبل الدخول کی وجہ سے واجب نہ ہو گی البتہ پہلی عدت ساقط نہ ہو گی بلکہ اسے پورا کرنا ہو گا؛ کیونکہ پہلی عدت کا حال معلوم نہ تھا، ہم سمجھ رہے تھے کہ نکاح ثانی سے عدت ختم ہو گئی لیکن جب شوہر نے غصہ نکالا تو پتا چلا کہ وہ عدت تو چل رہی تھی اس لیے عدت پوری کی جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے باندی (ام ولدہ) سے نکاح کیا اور پھر اسے خرید لیا۔ ملک یمین اور ملک نکاح جمع نہیں ہو سکتے اس لیے بیوی نکاح سے نکل گئی اور دو حیض عدت واجب ہو گئی کیونکہ باندی کی عدت دو حیض ہوتی ہے، پھر شوہر نے اسے عدت کے دوران ہی آزاد کر دیا تو وہی عدت جو دو حیض تھی، تبدیل ہو کر تین حیض میں بدل جائے گی۔ ہم کہیں گے کہ عدت تو تین حیض ہی تھی لیکن شروع میں حال پتا نہ تھا، جب عدت کے دوران صورت حال واضح ہوئی تو آخر میں جا کر واضح ہو گیا کہ عدت تین حیض تھی۔ اسی طرح یہاں بھی نکاح ثانی کے بعد ہم سمجھے کہ عدت ختم ہو گئی لیکن طلاق دینے سے پتا چلا کہ عدت ختم نہیں ہوئی بلکہ جاری ہے۔

شیخین کا موقف یہ ہے کہ پہلی عدت نکاح ثانی سے ختم ہو گئی، اب اس عورت پر نکاح ثانی کی مستقل مکمل عدت واجب ہو گی؛ کیونکہ یہ طلاق بعد الدخول ہے، قبل الدخول نہیں۔

عدۃ الکافر

صاحبین کے نزدیک حربیہ اور ذمیہ پر عدت واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک ذمی کافر اور کافرات فروعات میں اسلامی شریعت کے پابند ہیں، اس لیے ذمیہ پر عدت واجب ہو گی اور مہاجرہ پر اس لیے واجب ہو گی کہ تباین دارین کی وجہ سے اس کا اپنے کافر شوہر سے نکاح ختم ہو گیا تو جب نکاح ختم ہو گیا تو جیسے طلاق کے بعد عدت واجب ہوتی ہے اس تفریق کے بعد بھی عدت واجب ہو گی۔

امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ مسلمان کی بیوی اہل کتاب ہو تو اس پر عدت واجب نہیں، کیونکہ وہ احکام کی مخاطب نہیں۔ اسی طرح اگر ذمی کسی ذمیہ کو طلاق دے تو ذمیہ پر بھی عدت واجب نہیں؛ کیونکہ ان کے مذہب میں عدت واجب نہیں۔ اور اسلامی احکام ان معاملات میں ان پر لاگو نہیں۔ ہاں! اگر ان کے مذہب میں عدت ہو تو عدت واجب ہو گی اسی طرح اگر کسی حربی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر دار الاسلام آجائے اور وہ حاملہ بھی نہ ہو تو اس پر بھی عدت واجب نہیں؛ کیونکہ قرآن کریم نے سورۃ الممتحنہ میں جب یہ مسئلہ ذکر فرمایا تو کہیں بھی عدت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ولا جناح علیکم ان تنکحوھن کہہ کر فوراً ان سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اور ویسے بھی اولئک کالانعام بل ھم اضل کے مطابق حربی کافر بمنزلہ جمادات و حیوانات کے ہے، اس لیے اس کا کوئی احترام نہیں۔ ہاں! اگر وہ حاملہ آئی ہو تو آیت وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن کی وجہ سے وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ اس کے پیٹ میں ایک ثابت النسب بچہ ہے۔

الحداد

اسے احداد اور حداد دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ہے سوگ منانا۔ شرعا نکاح، گھر سے باہر نکلنے ، سفر کرنے اور امور زینت جیسے خوشبو، سر پر تیل، مہندی کن کنگھی پٹی اور خوب صورت لباس ترک کرنے کوالحداد کہتے ہیں۔ ان چیزوں کو ترک کرنے کے دو پہلو ہیں :ایک تو اس سے سوگ کا اظہار ہوتا ہے دوسرا یہ چیزیں دواعی جماع ہیں اور عدت میں نکاح، جماع وغیرہ سب منع ہیں اس لیے اس کے دواعی بھی منع کر دیے گئے۔ ہاں ! سر درد کی وجہ سے تیل لگا سکتی ہے، آنکھوں کی تکلیف میں بطور علاج سرمہ لگا سکتی ہے۔ اسی طرح خارش کی وجہ سے ریشمی لباس پہن سکتی ہے۔

دوران عدت نکاح یا نکاح کا صریح پیغام دینے کی اجازت نہیں، البتہ تعریض کی اجازت ہے۔ معتدہ کی طرف نسبت کیے بغیر مطلقایوں کہنا کہ میرا نکاح کا ارادہ ہے، یہ صراحت نہیں بلکہ تعریض ہے۔ اسی طرح مجھے آپ سے رغبت ہے، یہ بھی تعریض ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اکٹھے ہو جائیں، یہ بھی تعریض ہے۔

دوران عدت بغیر کسی حاجت شرعیہ کے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی حاجت شرعیہ ہو جیسے : علاج کے لیے نکلنا، مالی یا جانی نقصان سے بچنے کے لیے نکلنا، عزت کے خطرہ کے پیش نظر نکلنا؛ تو ان سب صورتوں میں نکلنے کی اجازت ہے۔ متوفی عنہا زوجھا کے پاس روٹی روزی کا کوئی گزارہ لائق انتظام نہ ہو تو ملازمت کے لیے نکل سکتی ہے ، مطلقہ نہیں نکل سکتی؛ کیونکہ اس کی عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے ، تاہم آج کل کے حالات میں شوہر ظالم ہو عدت کا نفقہ نہ دیتا ہو تو یہ بھی حاجت شرعیہ ہے وہ بھی ملازمت کے لیے نکل سکتی ہے لیکن دونوں صورتوں میں ضروری ہے

کہ ملازمت دن کے وقت کی ہو؛ کیونکہ معتدہ کے لیے رات کا اکثر حصہ گھر میں رہنا ضروری ہے ورنہ عدت نہیں رہے گی۔ مفتی کو چاہیے کہ خواتین کے حالات اور مجبوریوں کا تحقق کرتے ہوئے فتوی جاری کرے، یکساں اصول سب جگہ جاری نہیں ہو سکتا۔

کیفیت	سوگ	دلیل
رجعی کی عدت	سوگ نہیں بلکہ سنگھار کرے	نکاح باقی رہتا ہے اس لیے شوہر کو اپنی طرف متوجہ کرے
بائنہ کی عدت	سوگ منائے، سنگھار نہ کرے	نکاح کی نعمت زائل ہوگئی، اس کا سوگ منائے گی
وفات کی عدت	سوگ منائے، سنگھار نہ کرے	لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاثۃ ایام الا علی زوجھا اربعۃ اشھر وعشرا
کافرہ کی عدت	سوگ نہیں	کافرہ احکام کی مخاطب نہیں
صغیرہ کی عدت	سوگ نہیں	نابالغ احکام کا مکلف نہیں ہوتا
نکاح فاسد کی عدت	سوگ نہیں	نکاح فاسد کا کوئی احترام نہیں ہوتا

مسئلہ نمبر دو میں امام شافعی کے نزدیک سوگ واجب نہیں؛ کیونکہ شوہر بے وفا نکلا کہ اسے طلاق دیدی، ایسے بے وفا شوہر کے لیے کیا سوگ ہو گا؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقا ہر معتدہ کو مہندی اور زینت سے اجتناب کرنے کا فرمایا ہے اس لیے بائنہ کو بھی ترک زینت کرنا ہو گا۔ دوسری وجہ وہی ہے کہ سوگ

نعمت نکاح کے زائل ہونے کا ہے، شوہر کا نہیں۔ بلکہ غور کیا جائے تو شوہر کی وفات سے زیادہ سوگ طلاق بائن کا ہونا چاہیے؛ کیونکہ شوہر کی وفات کی صورت میں نکاح کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے اسی وجہ سے بیوی مرحوم شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہے جبکہ طلاق بائن کے بعد نکاح بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے، اس لیے جب وفات کی عدت میں سوگ ہے تو بائن کی عدت میں بھی دلالۃ النص کو دیکھتے ہوئے سوگ واجب ہونا چاہیے۔

دوران سفر عدت

عورت سفر میں ہو مثلاً حج یا تبلیغ کے سفر میں ہو اور مرد اسے وہیں طلاق دے دے یا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدت کہاں گزارے؟ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس وقت وہ دیہات یا جنگل میں ہو گی یا شہری آبادی میں، پھر اس کے وطن اور منزل یعنی جہاں جانا ہے دونوں کے بیچ فاصلہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی متعدد صورتیں بن جاتی ہیں:

1۔ اپنے وطن اور موجودہ سکونت دونوں کے بیچ 48 میل سے کم فاصلہ ہو۔ اور شہر نہ ہو، اس صورت میں وطن لوٹ آئے؛ کیونکہ سفر بھی شروع ہی نہیں ہوا۔ اس لیے لوٹ آنا ضروری ہے۔

2۔ وطن اور منزل جہاں جانا ہے دونوں مسافت سفر پر ہوں، البتہ اس وقت کسی جنگل یا دیہات میں مقیم ہیں۔ اس صورت میں اسے اختیار ہے چاہے تو منزل چلی جائے لیکن اب وہیں عدت پوری کرے اور چاہے تو وطن لوٹ آئے اور اپنے گھر عدت پوری کرے اور یہی بہتر بھی ہے۔

3- منزل جہاں جانا تھا وہاں پہنچ چکے ہیں پھر طلاق یا وفات کا سانحہ رونما ہو، یا منزل نہ پہنچے ہوں لیکن کسی شہری علاقے میں پہنچ چکے ہوں، تو کیا اس صورت میں وہ اسی جگہ رکی رہے کیونکہ شہر ہے یا اپنے وطن لوٹ سکتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے:

صاحبین کے نزدیک چاہے تو وہیں سفر میں عدت پوری کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ محرم کے ساتھ سفر کر کے وطن آجائے؛ کیونکہ یہ سفر عذر کی وجہ سے ہے، عورت ذات کسی اجنبی مقام میں قیام نہیں کر سکتی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ دوران عدت سفر بالکل منع ہے اس لیے اب عدت مکمل کیے بغیر اپنے وطن نہیں جاسکتی، شہری علاقہ محفوظ ہوتا ہے، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جہاں تک صاحبین کی دلیل ہے تو اس کا جواب امام صاحب یہ دیتے ہیں کہ عام حالات میں عورت بغیر محرم 48 میل یا زیادہ کا سفر نہیں کر سکتی، 48 میل سے کم کا سفر بغیر محرم کر سکتی ہے، لیکن عدت میں یہ حکم سخت ہو جاتا ہے، دوران عدت 48 میل سے کم کا سفر بھی نہیں کر سکتی نہ محرم کے ساتھ نہ بغیر محرم۔ جب 48 میل سے کم کا سفر بھی محرم کے ساتھ نہیں کر سکتی تو 48 میل کے سفر کی اجازت کیسے دے دیں؟

باب ثبوت النسب

قاعدہ نسب ثابت کرنے میں احتیاط ہے یعنی جس قدر ممکن ہو نسب ثابت کرنا چاہیے؛ تاکہ کوئی بچہ نسب سے محروم نہ رہے۔ البتہ جب نسب ثابت کرنے کی صورت ممکن نہ ہو تو پھر مجبوراً نسب ثابت نہیں کیا جائے گا۔

اس اصول کو واضح کرنے کے لیے مصنف نے ایک دو نادر پیش مسائل ذکر کیے ہیں، جیسے ایک یہ مسئلہ کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر میری زینب سے شادی ہوئی تو اسے طلاق۔ اتفاق سے اس کی شادی زینب سے ہی ہوئی اور زینب وقت نکاح سے

پورے چھ ماہ کے اندر بچہ لے آئی، تو بظاہر تو کوئی امکان نہیں لیکن بچہ ثابت النسب مانا جائے گا یہ تاویل کر کے کہ وہ دونوں ناجائز جماع کی حالت میں تھے لیکن انزال نہیں ہوا تھا، دو گواہوں کا گزر ہوا تو سوچا کہ نکاح کر لیا جائے انہوں نے ان دو کو گواہ بناتے ہوئے ایجاب و قبول کیا اور ایجاب و قبول کے الفاظ کہتے ہی انزال ہوا اور فورا الگ ہو گئے۔ یا اسی طرح یہ مسئلہ کہ نکاح ہو گیا، رخصتی نہیں ہوئی، زوجین کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے لیکن بیوی بچہ لے کر آجاتی ہے تو بچہ شوہر ہی کا شمار ہوتا ہے اور ثابت النسب مانا جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جن اٹھا کر اسے وہاں لے گیا ہو اور وہ وطی کر کے آگیا ہو یا طی مکان کی کرامت صادر ہوئی ہو۔

قاعدہ:

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ مدت فقہ حنفی میں 24 ماہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اکثر مدت 4 سال ہے، لہذا وقت نکاح سے چھ ماہ سے کم میں بچہ کی پیدائش ہو تو بچہ کسی صورت ثابت النسب نہ ہو گا۔ اسی طرح وفات سے دو سال بعد بچہ پیدا ہو تو بچہ ثابت النسب نہ ہو گا۔ ہاں! طلاق کے بعد دو سال سے زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

مسائل کی نوعیت

نسب ثابت کرنے کی ضرورت یا تو عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے پیش آتی ہے یا طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد۔ پہلی صورت کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

منکوحہ کی اولاد کا نسب

صورت	حکم	دلیل
نکاح کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں ولادت	نسب ثابت نہ ہوگا	چھ ماہ سے کم میں بچہ ثابت النسب نہیں ہوسکتا، لازما وہ زنا کا بچہ ہوگا، شوہر زنا کا الزام لگانے میں حق بجانب ہوگا
نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا زیادہ مدت میں ولادت	نسب ثابت ہوگا۔	اگر شوہر نسب کی نفی کرے تو لعان ہوگا، اگر ولادت کا انکار کرے تو قابلہ کی گواہی سے ولادت ثابت ہوجائے گی۔

شوہر کہے کہ نکاح کو چار ماہ ہوئے ہیں، بیوی کہے چھ ماہ ہو چکے ہیں تو بیوی کی بات معتبر ہوگی۔ ظاہر ہے یہ مسئلہ اس وقت کا ہے جب آج کل کی طرح نکاح فارم اور دیگر آلات حساب وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے۔

اگر شوہر نے اپنی منکوحہ سے یہ کہہ رکھا ہو کہ ان ولدت فانت طالق اور ایک قابلہ ولادت کی گواہی دے دے تو کیا طلاق ہو جائے گی؟

صاحبین کے نزدیک ہو جائے گی؛ کیونکہ قابلہ کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جاتی ہے جب ولادت ثابت ہوئی تو شرط کا ثبوت ہوا جب شرط پائی گئی تو اس پر معلق جزا یعنی طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ قال علیہ الصلاۃ والسلام: شھادۃ النساء جائزۃ فیما لا یستطیع الرجال النظر الیہ

امام صاحب رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ایک عورت جو کہ یہاں قابلہ ہے اس کی گواہی ولادت کے معاملے میں معتبر ہونا الگ چیز ہے اور ایک عورت کی گواہی سے حنث کا ثبوت الگ چیز۔ ولادت کے معاملہ میں ایک عورت کی گواہی اس حدیث کی وجہ سے

معتبر ہے جو آپ نے پیش کی، کیونکہ مرد ولادت کی جگہ موجود نہیں ہوتے، لیکن اس گواہی سے ضمنا اور تبعا حنث جیسی بڑی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی۔ عورت مرد کی ملکیت نکاح سے نکل چکی ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جو ایک عورت کی بات سے اور وہ بھی ضمنی طور پر ثابت ہو جائے، لہذا النصاب شہادت ضروری ہے۔

ہاں !اگر شوہر خود ہی اقرار کر چکا ہو کہ میری بیوی حاملہ ہے یا اس کے حاملہ ہونے کا علم سب کو ہو تو پھر بے شک ولادت سے ہی طلاق ثابت ہو جائے بلکہ قابلہ کے کہے بغیر ہی ولادت سے طلاق ہو جائے گی۔

مطلقہ کی اولاد کا نسب

عورت کو طلاق ہوئی اب اس کی چار صورتیں ہیں :رجعیہ بالغہ ہوگی۔ بائنہ بالغہ ہوگی، رجعیہ صغیرہ ہوگی یا بائنہ صغیرہ ہوگی۔ اور ان سب صورتوں میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا۔

مطلقہ کبیرہ کی صورتیں

صورت	ثبوت نسب	دلیل
بالغۃ کو طلاق رجعی کے بعد دو سال کے اندر ولادت ہوئی	نسب ثابت ہوگا	یہ بائنہ ہوگئی، رجوع شمار نہ ہوگا ،کیونکہ دو سال اکثر مدت ہے اور بچہ دو سال میں ہی پیدا ہوا ہے۔
بالغۃ کو طلاق رجعی کے دو سال یا اس کے بعد ولادت ہوئی	نسب ثابت ہوگا	دو سال بعد بچہ پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ شوہر نے عدت کے دوران کسی وقت جماع کیا ہے اس لیے رجوع شمار ہوگا
بالغۃ کو طلاق بائن کے بعد دو سال	نسب ثابت	کیونکہ دو سال اکثر مدت ہے اور بچہ دو سال

کے اندر ولادت ہوئی	ہوگا۔	میں حق پیدا ہوا ہے۔
بالغہ کو طلاق بائن کے دو سال یا اس کے بعد ولادت ہوئی	نسب ثابت ہوگا	دو سال بعد بچہ پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ کسی نے عدت کے دوران کسی وقت جماع کیا ہے، یہ بچہ اس کا ہے۔
عدت گذرنے کا اقرار کرنے کے بعد چھ ماہ سے کم میں ولادت ہوئی	نسب ثابت ہوگا بالاتفاق	یوں کہیں گے کہ عورت حاملہ ہی تھی، اس نے عدت گذرنے کا اقرار جھوٹا کیا تھا

اس آخری صورت میں اگر شوہر خود یہ دعوی کردے کہ بچہ میرا ہے تو دو سال کے بعد بچہ آنے کے باوجود بچہ اسی کا کہلائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ عدت کے اندر شوہر سے وطی بالشبہ ہو گئی تھی، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب تین طلاق کے بعد شوہر بیوی کے قریب چلا جائے اور بچہ کا دعوی کرے اور کوئی شبہ پیش کر کے کہے کہ میں یہ سمجھا تھا کہ بیوی میرے لیے حلال ہے اس لیے میں قریب چلا گیا تھا۔

مطلقہ صغیرہ کی صورتیں

ذیل کی صورتوں میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ صغیرہ قابل جماع یعنی مراہقہ ہے، البتہ اس نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا اور اسے حمل بھی نہیں ہے؛ کیونکہ اگر صغیرہ دوران عدت حمل کا اقرار کرلے تو بالاتفاق اس کا حکم کبیرہ کی طرح ہوگا۔

صورت	ثبوت نسب	دلیل
نابالغہ کو طلاق رجعی کے بعد 9 ماہ سے پہلے ولادت ہوئی	بالاتفاق نسب ثابت ہوگا	نابالغہ کی عدت تین ماہ مقرر ہے، لیکن جب 9 ماہ سے کم میں بچہ ہو گیا تو مطلب یہ ہوا کہ عدت کے آخر میں شوہر نے وطی کرلی تھی
نابالغہ کو طلاق رجعی کے مکمل	عند الطرفین	نابالغہ کی عدت تین ماہ مقرر ہے، جب نو ماہ

9 ماہ یا اس کے بعد ولادت ہوئی	ثابت النسب نہیں	یا زیادہ میں بچہ لائی تو مطلب یہ ہوا کہ تین ماہ بعد کسی نے وطی کرلی
نابالغہ کو طلاق بائن کے بعد 9 ماہ سے پہلے ولادت ہوئی	بالاتفاق نسب ثابت ہوگا	نابالغہ کی عدت تین ماہ مقرر ہے، لیکن جب 9 ماہ سے کم میں بچہ ہوگیا تو مطلب یہ ہوا کہ عدت کے آخر میں شوہر نے وطی کرلی تھی
نابالغہ کو طلاق بائن کے مکمل 9 ماہ یا زیادہ مدت بعد ولادت ہوئی	عند الطرفین ثابت النسب نہیں	نابالغہ کی عدت تین ماہ مقرر ہے، جب نو ماہ یا زیادہ میں بچہ لائی تو مطلب یہ ہوا کہ تین ماہ بعد کسی نے وطی کرلی
نابالغہ کو طلاق بائن کے دو سال بعد ولادت ہوئی	بالاتفاق نسب ثابت نہیں ہوگا	نابالغہ کی عدت تین ماہ مقرر ہے، جب دو سال بعد بچہ لائی تو مطلب یہ ہوا کہ تین ماہ بعد کسی نے وطی کرلی
عدت گذرنے کا اقرار کرنے کے بعد 6 ماہ سے کم میں ولادت ہوئی	بالاتفاق نسب ثابت ہوگا	یوں کہیں گے کہ عورت حاملہ ہی تھی، اس نے عدت گزرنے کا اقرار جھوٹا کیا تھا

لام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب یہ لڑکی مراہقہ ہے تو اس کا حکم بھی کبیرہ کی طرح ہونا چاہیے؛ کیونکہ جب یہ قابل جماع ہے تو ممکن ہے کہ اس کو حمل ٹھیر گیا ہو لہذا اگر یہ نوماہ میں یاد دو سال کے اندر اندر بچہ لے آتی ہے تو کبیرہ کی طرح نسب ثابت ہوگا بالخصوص جبکہ ابھی تک عدت گزرنے کا اعتراف بھی نہیں کیا۔ یہ دلیل تو مبتوتہ کی ہے اور اگر صغیرہ مراہقہ کو طلاق رجعی دی گئی تو لام ابو یوسف کے نزدیک 27 ماہ تک بھی نسب ثابت ہو سکتا ہے؛ وہ اس طرح کہ اس کی عدت تین ماہ تھی لیکن شوہر کے لیے جماع جائز تھا اس لیے وہ تیسرے مہینے کے آخر میں قریب چلا گیا اور پھر 24 ماہ یعنی دو سال جو کہ اکثر مدت ہے اس کے اندر بچہ پیدا ہو گیا اس طرح طلاق رجعی کے بعد 27

ماہ کے اندر اگر یہ بچہ لے آئے تو نسب ثابت ہو گا۔ طرفین کا موقف یہ ہے کہ صغیرہ کی عدت منصوص ہے اور نص کے مقابلے میں کسی تاویل اور اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی اس لیے اس کی عدت تین ماہ ہی ہو گی۔ اور اسی صورت میں اس کا بچہ ثابت النسب ہو گا جب نو ماہ سے کم میں لے کر آئے۔

اور امام ابویوسف کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صغیرہ کا صغر یقینی ہے اور بلوغت میں شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا، اس لیے اسے بالغہ نہیں بلکہ صغیرہ سمجھ کر ہی مسئلہ حل کیا جائے گا۔

متوفی عنہا زوجہا کی اولاد کا نسب

شوہر کی وفات ہوئی تو عورت بالغہ ہو گی یا صغیرہ اور عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا ہو گا۔ صغیرہ کا مسئلہ ہدایہ ثانی میں مذکور نہیں، کبیرہ کا ذکر ہے۔

صورت	حکم	دلیل
وقت وفات سے دو سال کے اندر اندر ولادت ہوئی	نسب ثابت ہو گا، امام زفر کے نزدیک نہیں ہو گا	ممکن ہے کہ وفات سے پہلے وطی ہو گئی ہو اور اسی سے یہ حمل اکثر مدت میں پیدا ہوا
دو سال کے بعد ولادت ہوئی	بالاتفاق نسب ثابت نہیں ہو گا	حمل کی اکثر مدت دو سال ہے
عدت گذرنے کا اقرار کرنے کے بعد ۶ ماہ سے کم میں ولادت ہو	بالاتفاق نسب ثابت ہو گا	یوں کہیں گے کہ عورت حاملہ ہی تھی، اس نے عدت گزرنے کا اقرار جھوٹا کیا تھا

پہلے مسئلہ میں امام زفر رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ جس طرح ہم نے صغیرہ کے بارے میں کہا کہ اس کی عدت اللہ تعالیٰ نے تین ماہ مقرر کر دی ہے اس لیے اب کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی وہ فرماتے ہیں کہ عدت وفات کی مدت بھی اللہ تعالیٰ نے چار ماہ دس دن مقرر کر دی ہے اس لیے چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت پر بچہ لا رہی ہے تو لازماً وہ زنا کا ہو گا۔ طرفین فرماتے ہیں کہ صغیرہ کے اندر حمل کا امکان نہیں تھا اس لیے اس کی عدت کی ایک ہی جہت مقرر کر دی گئی جبکہ کبیرہ کے اندر بلوغت کی وجہ سے شہور اور وضع حمل دونوں عدتوں کا بیک وقت احتمال موجود ہوتا ہے اس لیے اس کی ایک جہت مقرر نہیں کی جاسکتی۔

ولادت کا انکار

بیوی کو طلاق ہو گئی، چاہے رجعی ہوئی ہو یا بائن، پھر عدت کے دوران اسے بچہ پیدا ہو گیا جبکہ شوہر منکر ہے وہ کہتا ہے کہ بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اس بچے کے نسب کے ثبوت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین باتوں میں سے کوئی بھی ایک بات موجود ہو تو نسب ثابت ہو گا:

1- امام صاحب کے نزدیک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ولادت کی گواہی دیں اور صاحبین کے نزدیک صرف ایک عورت بھی گواہی دیدے تو کافی ہے۔

2- حمل کی علامات ظاہر ہوں، سب کو معلوم ہو کہ عورت حاملہ تھی تو بغیر گواہی کے بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔

3- شوہر پہلے اعتراف کر چکا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے تو بغیر گواہی کے بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔

پہلی صورت میں امام صاحب اور صاحبین کے دلائل کی تفصیل یہ ہے کہ صاحبین اسے منکوحہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے منکوحہ کا بچہ پیدا ہو اور شوہر ولادت کا انکار کردے تو صرف ایک قابلہ کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح عدت کے دوران بھی شوہر کا فراش قوی قائم ہوتا ہے اس لیے صرف ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ امام صاحب باریک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ عدت میں فراش قوی قائم ہوتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ ولادت سے عدت ہی ختم ہو گئی کیونکہ وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے اس لیے وضع حمل کے بعد فراش قوی قائم نہیں رہا بلکہ وہ فراش، فراش منقضی یعنی ختم ہو جانے والا فراش بن گیا، اس لیے اب نسب کو ثابت کرنے کے لیے فراش کی جگہ کوئی ٹھوس گواہی چاہیے جو کہ نصاب شہادت ہی ہو سکتی ہے۔

اگر شوہر کا انتقال ہو چکا ہو اور انتقال کے بعد شوہر کے ورثا میں بچہ کی ولادت کے بارے میں اختلاف ہو جائے، کچھ ورثا تسلیم کریں کہ مرحوم کا وارث پیدا ہوا ہے لہذا ہما را میراث میں کوئی حق نہیں اور کچھ انکار کریں تو کیونکہ کچھ ورثاء جو کہ عاقل بالغ اور شہادت کے اہل ہیں انہوں نے ولادت کی تصدیق کردی ہے اس لیے ان کی تصدیق کافی ہو گی اور اس بچہ کی وجہ سے ان کی میراث پر بھی اثر پڑے گا اور اس بچہ کا نسب بھی مرحوم اور بقیہ تمام خاندان سے جڑ جائے گا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ تصدیق کنندگان لفظ شہادت استعمال کریں گے یا محض تصدیق کافی ہے، راجح یہ ہے کہ لفظ شہادت کہنا ضروری نہیں؛ کیونکہ انہوں نے تصدیق اپنی ذات کے حق میں کی ہے اس کی وجہ سے منکرین پر بھی زد پڑ رہی ہے لیکن وہ نتیجہ ہے کہ اس کی وجہ سے تبعا ان کا

حق میراث وغیرہ ساقط ہو رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ تبعاً ثابت ہونے والی چیز میں ہر ہر چیز کی رعایت ضروری نہیں ہوتی۔ یغتفر فی التبع ما لا یغتفر فی الاصل

صورت	امام ابوحنیفہ	صاحبین
حمل ظاہر نہ ہو، نہ شوہر نے پہلے اعتراف کیا ہو	نصاب شہادت لازم ہے	ایک عورت کی گواہی کافی
حمل ظاہر ہو، گو شوہر نے پہلے اعتراف نہ کیا	گواہوں کے بغیر ثابت	ایک عورت کی گواہی ضروری
حمل ظاہر نہ ہو، شوہر نے پہلے حمل کا اعتراف کیا ہو	گواہوں کے بغیر ثابت	ایک عورت کی گواہی ضروری
وفات کی صورت میں تمام یا کچھ ورثاء تصدیق کردیں	گواہوں کے بغیر ثابت	گواہوں کے بغیر ثابت

باب الحضانة

حضانت یعنی معصوم بچے کی پرورش کا حق بالترتیب اس کے ان رشتہ دار خواتین کو ملتا ہے:

حق دار	حق کب ساقط ہوگا	مدت پرورش	فریق ثانی کا حق
ماں	بچے کے نامحرم سے شادی، ماں کا فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف	بچہ سات سال، بچی بلوغت تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس کی شادی تک باپ پر واجب ہے
نانی	بچے کے نامحرم سے شادی، نانی کا فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف	بچہ سات سال، بچی بلوغت تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس کی شادی تک باپ پر واجب ہے
دادی	بچے کے نامحرم سے شادی، دادی کا	بچہ سات سال، بچی بلوغت تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس

	فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف		کی شادی تک باپ پر واجب ہے
بہن	بچے کے نامحرم سے شادی، بہن کا فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف	دونوں سات سال تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس کی شادی تک باپ پر واجب ہے
خالہ	بچے کے نامحرم سے شادی، خالہ کا فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف	دونوں سات سال تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس کی شادی تک باپ پر واجب ہے
پھوپھی	بچے کے نامحرم سے شادی، پھوپھی کا فسق اور بچے کے ضیاع کا خوف	دونوں سات سال تک	باپ کو روز ملاقات کا حق ہے، بچے کا نفقہ اس کی بلوغت تک اور بچی کا اس کی شادی تک باپ پر واجب ہے

اگر مذکورہ 6 قسم کی خواتین میں سے کوئی نہ ہو یا ہو لیکن پرورش نہ کرنا چاہیں تو بالترتیب ان مردوں کو حق پرورش ملے گا:

حق دار	پرورش کی مدت	فریق ثانی کا حق
باپ/دادا	بچوں کی بلوغت تک	ماں کو روز ملاقات کا حق ہے
بھائی	بچوں کی بلوغت تک	ماں کو روز ملاقات کا حق ہے
چچا	بچوں کی بلوغت تک	ماں کو روز ملاقات کا حق ہے

سب سے زیادہ حق ماں کا اس لیے ہے کہ سب سے زیادہ شفیق وہی ہوتی ہے لما روی أن امرأة قالت یارسول الله إن ابنی هذا کان بطنی له وعاء وحجری له حواء وثدیی له سقاء وزعم أبوه أنه ینزعه منی فقال علیه الصلاة والسلام: "أنت أحق به ما لم تتزوجی" وإلیه أشار الصدیق رضی الله عنه بقوله ریقها خیر له من شهد وعسل عندك یا عمر قاله حین وقعت الفرقة بینه وبین امرأته. ماں پرورش نہ کرے یا

ماں نہ ہو تو پھر حضانت ماں کے خاندان میں جاتی ہے،لأن هذه الولاية تستفاد من قبل الأمهات ، تاہم بہنوں کے مقابلے میں دادی مقدم ہو گی؛ کیونکہ دادی ماں ہے۔ دادی بھی نہ ہو تب بہنوں کو ملے گی اور بہنوں میں حقیقی مقدم ہو گی ، پھر اخیافی اور آخر میں علاتی کا نمبر آئے گا بلکہ ایک روایت میں خالہ کو علاتی بہن پر ترجیح دی گئی ہے کیونکہ خالہ بمنزلہ ماں ہے۔ ورفع ابویہ علی العرش کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ تھی والدہ نہ تھی کیونکہ والدہ انتقال کر چکی تھیں۔

ان میں سے امہات اور جدات کو تو یہ حق حاصل ہے کہ ان سے کام کاج بھی کروائیں لیکن ان کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں کہ خدمت لیں یا کام کاج کے لیے کہیں لگوائیں۔ اس لیے لڑکی ویسے بلوغت تک ماں کے پاس رہتی ہے لیکن بہنوں وغیرہ کی پرورش میں ہو تو باپ سات سال کے بعد بھی لے سکتا ہے۔ دراصل لڑکی ماں کے پاس کتنا عرصہ ٹھہرے گی اس میں دو قول ہیں :نو سال کا بھی ہے اور بلوغت کا بھی۔ دونوں مفتی بہ ہیں لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بلوغت والے قول کو ترجیح دی ہے اس لیے ہم نے بھی طبع ثانی میں اس کو لیا ہے۔ اسی طرح امہات و جدات کے علاوہ کے پاس لڑکی سات سال تک رہے گی یہ بات اس عبارت سے مستنبط ہے جس میں یہ کہا گیا ہے۔ومن سوى الأم والجدة أحق بالجارية حتى تبلغ حد الشتهى وفي الجامع الصغير حتى تستغني "لأنها لا تقدر على استخدامها ولهذا لا تؤاجرها للخدمة فلا يحصل المقصود بخلاف الأم والجدة لقدرتهما عليه شرعا کیونکہ جب لڑکے کے اندر استغناء سات سال میں آتا ہے تو اسی پر قیاس کر کے لڑکی میں بھی استغناء کی یہی مدت لے لی گئی۔ ایک اور ضروری چیز یہاں یہ ہے کہ لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے گا، وہ جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتا ہے لیکن لڑکی کو بلوغت کے فورا بعد یہ اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ سمجھ داری

آجائے اور اپنی عزت کی حفاظت وغیرہ معاملات میں احتیاط اور سنجیدگی آجائے تب اختیار دیا جائے گا۔

کیا ماں بچوں کو دوسرے شہر لے جاسکتی ہے؟

ماں جس شہر میں بچوں کو لے کر جارہی ہے اگر وہ خاوند کے شہر سے الگ دوسرا شہر ہو، لیکن دونوں اتنے قریب ہوں کہ باپ اپنے بچے سے ملاقات کر کے رات بآسانی اپنے گھر گزار سکتا ہے تو عورت بچوں کو وہاں لے جاسکتی ہے۔ لیکن جب دونوں اتنے قریب نہ ہوں تو مسئلے میں یہ تفصیل ہے:

صورت	حکم	دلیل
شوہر کے شہر میں لے جائے جہاں اس نے ان سے شادی کی تھی	لے جانا درست ہے	لأنه التزم المقام فيه عرفا وشرعا. قال عليه الصلاة والسلام: من تأهل ببلد فهو منهم
خاوند کے شہر میں نہ جائے، البتہ جہاں اس نے شادی کی تھی وہاں لے جائے	راجح یہ ہے کہ درست نہیں	کیونکہ کسی اجنبی شہر میں شادی ہرگز اس کی دلیل نہیں کہ وہ وہاں رہے گا بھی۔ وهذا اصح
شہر کی بستی سے شہر میں لے جائے	درست ہے	کیونکہ اس میں بچے کا فائدہ ہے کہ شہری آداب سیکھ لے گا
شہر سے بستی میں لے جائے	درست نہیں	بچے کا نقصان ہے، اس کے اندر دیہاتی عادات پیدا ہو جائیں گی

باب النفقة

لغت میں نفقہ اس خرچہ کو کہتے ہیں جو انسان اپنے عیال پر کرتا ہے۔ شرعاً طعام، کسوہ اور سکنی ان تین چیزوں کو نفقہ کہتے ہیں اور عرفاً نفقہ طعام کو کہتے ہیں۔

اسبابِ نفقہ:

کسی مرد پر تین وجوہات سے کسی کا نفقہ واجب ہوتا ہے: زوجیت، قرابت اور ملکیت۔ زوجیت سے مراد بیوی چاہے ایک ہو یا زیادہ، سب کا نان نفقہ واجب ہے۔ قرابت سے مراد اصول (ماں، باپ) فروع (اولاد) اور بقیہ ذی رحم محرم رشتہ دار۔ اور ملکیت سے مراد غلام، باندی، پرندے، جانور۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

حکم نفقہ:

طعام، سکنی اور کسوہ نفقہ کی یہ تینوں قسمیں بیوی بچوں کو مہیا کرنا شرعاً شوہر اور باپ پر واجب ہے: والأصل في ذلك قوله تعالى: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ﴾ [الطلاق: من الآية 7] وقوله تعالى: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: 233] وقوله عليه الصلاة والسلام في حديث حجة الوداع: ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف۔ اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو شخص کسی کے حق مقصود کے لیے وقت نکالے اس پر اس کا نفقہ واجب ہے، اسی وجہ سے افواج، قضاۃ اور عاملین کا نفقہ بیت المال پر واجب ہے۔ اسی قاعدے کی وجہ سے بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، چاہے بیوی مسلمان ہو یا کافر۔

اجرۃ الارضاع

بچوں کو دودھ پلانا ماں پر قضاء واجب نہیں، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب مرضعہ بآسانی دستیاب ہو لہذا اس صورت میں باپ پر دائی کا خرچہ بھی واجب ہو گا۔ اگر مرضعہ دستیاب نہ ہو تو ماں پر قضاء اور دیانتا بہر صورت دودھ پلانا واجب ہے۔ اگر ماں یہ پیشکش کرے کہ مجھے دائی کا خرچہ دے دیا جائے تو میں دودھ پلا دوں گی تو دیکھا جائے گا کہ ماں ابھی تک شوہر کے نکاح یا اس کی عدت میں ہے یا نہیں؟ اگر نکاح یا عدت میں نہ ہو بلکہ شوہر سے اجنبیہ بن چکی ہو تو پھر ماں کو ہی اجرت مثل پر بچہ دیدیا جائے، لیکن اگر ماں شوہر کے نکاح میں یا اس کی طلاق کی عدت میں ہو تو خرچہ نہیں لے سکتی جب تک اجنبیہ نہ بن جائے۔ اگر اجنبیہ بننے کے بعد ماں زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو باپ پر اجرت مثل لازم ہے اضافی اجرت لازم نہیں، اگر وہ اجرت مثل پر دودھ پلادے تو مہربانی ورنہ کسی دائی کو رکھ سکتا ہے۔

مقدار نفقہ

شوہر پر اپنی بیوی کا کھانا پینا، سکنی اور کسوہ اس کی اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب ہے۔ یہ قول امام کرخی کا ہے اور ظاہر قرآن لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بہت سے علمانے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ دوسرا قول امام خصاف کا ہے اور وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا؛ تاکہ قرآن وسنت کی تمام نصوص میں تطبیق ہو جائے کیونکہ ایک طرف وہ نصوص ہیں جن میں مرد کی حیثیت کا لحاظ کرنے کا فرمایا گیا ہے اور دوسری طرف وہ احادیث ہیں جن میں عورت سے کہا گیا کہ تمہیں اور تمہارے بچوں کی کفایت کا خرچہ تمہارا حق ہے" خذي من مال زوجك ما يكفيك وولدك بالمعروف"۔ دونوں میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ دونوں کا لحاظ کیا جائے لہذا اگر

دونوں مال دار ہوں تو مال داروں والا نفقہ واجب ہو گا۔ دونوں غریب ہوں تو غریبوں والا نفقہ واجب ہو گا اور اگر ایک مال دار دوسرا غریب ہو تو اوسط نفقہ واجب ہو گا جو مال داروں سے نیچے اور غریبوں سے اوپر والا ہو گا۔ رہا یہ سوال کہ غریب اوسط نفقہ کیسے برداشت کرے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ غریبوں والا دیدے اور بقیہ نفقہ اس پر قرض ہو گا جو وہ بعد میں دے گا۔ وضع حمل کا خرچہ بھی باپ پر واجب ہے۔ لِأَنَّ نَفْعَ القَابِلَةِ مُعْظَمُهُ يَعُودُ إِلَى الْوَلَدِ فَيَكُونُ عَلَى أَبِيهِ تَأَمَّلْ

امام شافعی نے غریب اور امیر شوہر کے ذمہ کھانے کی ایک مقدار مقرر کر دی ہے۔ غریب شوہر کے ذمہ یومیہ ایک مد یعنی 68.796 گرام گندم، مال دار کے ذمہ یومیہ دو مد یعنی 36.1593 گرام گندم، اور متوسط پر ڈیڑھ مد یعنی 02 . 1195 گرام گندم۔

صاحب ہدایہ اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں کی طبائع مختلف ہیں، اوقات اور احوال کے لحاظ سے بھی نفقہ پر فرق پڑتا ہے اس لیے نفقہ کی ایک مقدار طے کر لینا درست نہیں۔ ویسے بھی قرآن نے وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف کہہ کر اسے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے۔

نفقہ خادم

اگر شوہر مال دار ہو تو طرفین کے نزدیک بیوی کے نفقہ کے ساتھ ساتھ خادم کا نفقہ بھی واجب ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دو خادموں کا نفقہ واجب ہو گا: ایک گھر کے کاموں کے لیے دوسرا باہر کے کاموں کے لیے۔ طرفین فرماتے ہیں کہ اگر بیوی گھر کے کام کاج کر لے اور شوہر باہر کے تو خادم کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اس لیے دو کیا، بس ایک ہی کافی ہے بلکہ میاں بیوی خود ہی کام دیکھ لیا کریں تو کفایت شعاری کی بات

ہے۔ خادم اگر رکھتے ہیں تو بس اس کی تنخواہ اتنی ہو جتنی غریب بیوی کا نفقہ ہوتا ہے۔
اگر شوہر غریب ہو تو خادم رکھنا واجب نہیں۔

سکنی

سکنی سے مراد ایسا مکان یا کمرہ جس کا تالا الگ ہو جس میں شوہر اور بیوی کے علاوہ کسی کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ نہ بیوی کے بچوں اور والدین کا نہ شوہر کے بچوں اور والدین کا؛ کیونکہ کسی اور کا کثرت سے آنا جانا ہو گا تو استمتاع پر فرق پڑے گا اور گھر کا ساز و سامان بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ ایک ساتھ کھانا پکانا لازم نہیں ، اگر بیوی الگ کچن کا مطالبہ کرے تو اس کو الگ کچن دینا لازم ہے ،البتہ الگ گھر دینا لازم نہیں۔

کسوہ

بعض فقہانے اس میں بھی نفقہ کی طرح دونوں کی حیثیت اور عرف کا اعتبار کیا ہے اور بعض فقہانے فرمایا ہے کہ گرمی کا ایک سوٹ اور سردی کا ایک سوٹ کافی ہے۔ فقہانے یہ بھی لکھا ہے کہ ہر چھ ماہ میں نیا سوٹ واجب ہو گا جب تک پھٹ نہ جائے، ہاں! اگر چھ ماہ سے پہلے ہی پھٹ جائے تو دوسرا سوٹ واجب ہو گا۔ سردی گرمی سے بچنے کے لیے لحاف اور جیکٹ، موزے وغیرہ بھی کسوۃ کا حصہ ہیں، اسی طرح عُرف کی وجہ سے برقع بھی شوہر ہی کے ذمہ ہو گا۔ (شامیہ)

وجوب نفقہ کی علت:

نکاح کے وقت زوجین میں ایک خاموش معاہدہ ہوتا ہے کہ عورت اپنا آپ مرد کو حوالہ کر دے گی اور اسے اپنی ذات سے استمتاع کا پورا موقع دے گی اس کے بدلے میں مرد اس کا نفقہ اٹھائے گا۔ اس لیے جب عورت رخصتی دیدے تو مرد پر اس کا نفقہ

واجب ہو جائے گا۔ البتہ عورت کسی حق شرعی کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھانے دے جیسے مہر نقد مقرر ہوا تھا اور شوہر نے دیا نہیں ہے، اس لیے مہر نہ ملنے کی وجہ سے منع کر دے یا فرض نماز یا فرض روزے کی وجہ سے منع کر دے تو اس کو نفقہ ملے گا۔ البتہ ناحق انکار کرے تو نفقہ نہیں ملے گا۔ ناحق انکار کی دس صورتیں ہیں، ذیل میں پہلے چارٹ میں وہ صورتیں دی گئی ہیں جن میں بیوی کو نفقہ ملے گا اور دوسرے چارٹ میں وہ وجوہات لکھ دی گئی ہیں جن میں نفقہ نہیں ملے گا:

جن صورتوں میں نفقہ واجب ہے	دلیل
بیوی مسلم ہو یا کتابیہ نفقہ سکنی واجب ہے	جب رخصتی دیدی اور فائدہ اٹھانے دے رہی ہے تو نفقہ ملے گا گو کافرہ ہو!
بیوی رخصتی دے دے تو نفقہ واجب ہے	وجہ ظاہر ہے کہ وہ فرماں بردار ہے اور کوئی قصور بھی نہیں۔
رخصتی ہو جائے لیکن وطی نہ کرنے دے	احتباس ہے اور استمتاع کے لیے شوہر زبردستی کر سکتا ہے
مہر معجل کے حصول کے لیے رخصتی نہ دے	اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ اپنے حق شرعی کی وجہ سے منع کر سکتی ہے
شوہر کے ساتھ حج پر جائے	شوہر ساتھ ہے اس لیے احتباس اور استمتاع کا موقع موجود ہے
مطلقہ رجعیہ کو عدت کا نفقہ ملے گا	جبکہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزار رہی ہو کیونکہ استمتاع کر سکتا ہے
مطلقہ بائنہ کو عدت کا نفقہ ملے گا	جبکہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزار رہی

	ہو کیونکہ عدت شوہر ہی کا حق ہے
بیوی بیمار ہو	بیوی گھر پر ہو تو احتباس قائم ہے اور کم از کم وہ اس کے مال وعیال کی محافظ تو ہے
بیوی حائضہ ہو	حائضہ ہونا شرعی عذر ہے اس میں بہر صورت نفقہ ملے گا۔
شوہر نابالغ ہو بیوی بالغ	بیوی اگر رخصتی دے چکی ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں اس لیے اسے نفقہ ملے گا

امام شافعی کے نزدیک مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کا نفقہ واجب نہیں۔ ان کی دلیل وہی بات ہے کہ نفقہ ملکیت کا بدل ہے اب ملکیت نہیں رہی تو عوض بھی واجب نہیں۔ نیز حضرت فاطمہ بنت قیس والی حدیث بھی ان کی دلیل ہے جس میں وہ فرماتی ہیں: طلقنی زوجی ثلاثا فلم یفرض لی رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سکنی ولا نفقۃ۔ صرف حاملہ کا اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ۔

احناف کے نزدیک مطلقہ رجعیہ اور بائنہ دونوں کا نفقہ واجب ہے۔ رجعیہ کا اس لیے کہ نکاح، احتباس اور استمتاع تمام باتیں موجود ہیں اور بائنہ کو اس لیے ملے گا کہ بائنہ اسی کے حق اور رحم کے استبراء کے لیے عدت میں محبوس ہوئی ہے اس لیے اس کا نفقہ واجب ہو گا۔

جہاں تک فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا تعلق ہے تو کبار صحابہ ان کی حدیث کو رد کر چکے ہیں۔ وحدیث فاطمۃ بنت قیس ردہ عمر رضی اللہ عنہ فإنہ قال لا ندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا بقول امرأۃ لا ندری صدقت أم کذبت حفظت أم نسیت سمعت رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام یقول:

"للمطلقة الثلاث النفقة والسكنى مادامت في العدة" وردهٰ أيضا زيد بن ثابت رضي الله عنه وأسامة بن زيد وجابر وعائشة رضي الله عنهم.

نمبر 8 میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نفقہ نہ ملے کیونکہ مرض ایسا ہے کہ جماع نہیں کر سکتا لیکن استحساناً نفقہ واجب ہے، کیونکہ بیوی گھر پر ہو تو احتباس قائم ہے اور استمتاع کے قابل نہ ہونا عارضی ہے، ٹھیک ہو جائے گی تو استمتاع کرتا رہے گا جیسے ساری زندگی کرتا رہا ہے۔ نیز بیماری میں بھی کم از کم وہ اس کے مال و عیال کی محافظ تو ہے ہی۔ اس لیے نفقہ ملے گا۔

جن صورتوں میں نفقہ واجب نہیں

صورتیں	دلیل
بیوی ناشزہ ہو جائے یعنی شوہر کے گھر نہ رہتی ہو	نہ احتباس رہا نہ استمتاع اس لیے نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا
اتنی صغیرہ ہو کہ وطی کے قابل نہ ہو	اگرچہ احتباس ہے لیکن جب جماع کے قابل نہیں تو مقصود فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ نہیں ملے گا اور زبردستی کر نہیں سکتا، کیونکہ قابل جماع نہیں۔
بیوی کو قرضہ کی وجہ سے گرفتار کر لیا جائے	احتباس اور استمتاع کا مانع عورت کی طرف سے ہے اس لیے نہیں ملے گا
بیوی کو کوئی اغوا کر لے	احتباس اور استمتاع کا مانع اگرچہ عورت کی طرف سے نہیں ہے لیکن مرد کی طرف سے بھی کوئی قصور نہیں، اس لیے نفقہ نہیں ملے گا

شوہر کے بجائے محرم کے ساتھ حج پر جائے	احتباس اور استمتاع کا مانع اگرچہ عورت کی طرف سے نہیں ہے لیکن مرد کی طرف سے بھی کوئی قصور نہیں، اس لیے نفقہ نہیں ملے گا
معتدہ وفات	مرنے کے بعد دنیوی احکام کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے
مرتد ہو جائے	احتباس اور استمتاع کا مانع عورت کی طرف سے ہے اس لیے نہیں ملے گا
سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق قائم کر لیا	احتباس اور استمتاع کا مانع عورت کی طرف سے ہے اس لیے نہیں ملے گا
مرض کی حالت میں رخصتی ہوئی	سپردگی ہی درست نہیں ہوئی اس لیے نفقہ نہیں ملے گا
نکاح فاسد ہوا ہو یا نکاح فاسد کی عدت میں ہو	کیونکہ نکاح فاسد میں تسلیم، احتباس اور استمتاع کچھ بھی درست نہیں
باندی بیوی رات شوہر کے پاس نہیں گزارتی	احتباس اور استمتاع کا مانع عورت کی طرف سے ہے اس لیے نہیں ملے گا

امام شافعی کے نزدیک صغیرہ کو نفقہ ملے گا؛ کیونکہ اس نے رخصتی دے دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح باندی کو ہر حال میں نفقہ ملتا ہے چاہے وہ صغیرہ ہو تب بھی ملتا ہے تو بیوی کو بھی ملے گا؛ کیونکہ نفقہ ملکیت کا بدل ہے، شوہر اپنی بیوی کا مالک ہے اس لیے مالک پر اپنی مملوکہ کا نفقہ آئے گا۔ احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ شوہر نے مہر کی صورت میں ملکیت کا عوض ادا کر دیا ہے اس لیے اب ملکیت کا دوسرا کوئی عوض واجب نہ ہو گا؛ کیونکہ ایک معوض کے دو عوض نہیں ہو سکتے۔

زوجہ معسر:

شوہر کے پاس نان و نفقہ کا انتظام نہیں، بلکہ وہ مفلس ہو تو ایسی صورت میں دیگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو قاضی کے ذریعہ اس سے علیحدگی اختیار کر لے، لیکن اصل مذہب حنفیہ یہی ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں ملے گا، بلکہ عورت کورٹ کی اجازت سے کہیں سے قرضہ لے کر گزارا کرے گی، جس کو بعد میں شوہر ادا کرے گا۔ اگر قاضی کی اجازت کے بغیر قرضہ لے گی تو شوہر اس کا ذمہ دار نہ ہو گا بلکہ وہ خود ہو گی۔ کورٹ کی اجازت ان الفاظ میں ہونی چاہیے کہ اس شوہر کی بیوی اپنے شوہر کے نام پر قرضہ لے سکتی ہے جس کو شوہر نے چکانا ہو گا۔ احناف اس چیز کو دیکھتے ہیں کہ مال آنی جانی اور تابع چیز ہے، اس لیے اس کو نہیں دیکھنا چاہیے، شوہر کے حق مقصود کو دیکھنا چاہیے۔

لیکن آج کل کے حالات میں شافعی اور مالکی مذہب پر عمل کرتے ہوئے عورت کو تنسیخ نکاح کی گنجائش دی جاتی ہے، کیونکہ حضرات مالکیہ رحمہم اللہ کے فتاوی میں معسر یعنی تنگدست کی بیوی کو مطلقاً (خواہ بیوی نفقہ پر قادر ہو یا غیر قادر) تنسیخ کا حق دیا گیا ہے؛ کیونکہ جماع کے بغیر عورت گزارا کر سکتی ہے لیکن پیسے کے بغیر کسی کا بھی گزارا نہیں ہو سکتا۔

زوجہ غائب

شوہر غائب یالا پتا ہے، البتہ اس کا مال ایک شخص کے پاس بطور امانت یا بطور قرض یا بطور مضاربت رکھا ہوا ہے اور وہ مال روپے پیسے کی صورت میں ہے سامان یا زمین کی صورت میں نہیں ہے اور جس شخص کے پاس رکھا ہوا ہے وہ زوجیت اور مال کا معترف

بھی ہے تو کل تین شرطیں ہوئیں: ایک، کسی کے پاس اس کا مال ہو۔ دوسرا، جس کے پاس مال ہے وہ زوجیت اور مال کا معترف بھی ہو اور تیسرا وہ مال روپے پیسے کی صورت میں ہو۔ مثلاً آج کل بینک کے پاس رکھا ہوا ہے، بینک اقرار کرتا ہے کہ غائب کا ہمارے بینک میں اکاؤنٹ ہے اس میں رقم موجود ہے اور اس نے اپنی بیوی بنام زینب کو نومینیٹ کیا ہوا ہے۔

تو اس صورت حال میں عدالت بینک کو آرڈر جاری کر دے گی کہ وہ غائب کی بیوی، نابالغ بچوں اور غریب والدین کا نفقہ، سکنی اور کسوہ دیا کرے، اسی طرح اگر مودع خود اقرار نہ کرے لیکن قاضی کے علم میں ہو تو بھی وہ تینوں قسم کے نفقات لاگو کر دے گا وَلَا يُنَافِيْ هٰذَا قَوْلُهُمْ إِنَّ الْقَاضِيَ لَا يَقْضِيْ بِعِلْمِهِ لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّ هٰذَا لَيْسَ قَضَاءً بَلْ إِعَانَةٌ وَفَتْوَى، البتہ قاضی اس عورت اور والدین سے کفیل لے گا بلکہ قسم بھی لے گا؛ تا کہ اگر کل کچھ اور بات سامنے آئے مثلاً یہ کہ وہ نفقہ دے کر گیا تھا یا طلاق دے چکا تھا وغیرہ تو عورت سے وہ مال نکلوایا جا سکے۔

دراصل بیوی اپنا حق ثابت کرنے کے لیے یا تو بعینہ پیش ہو سکتی ہے کہ میں غائب کی بیوی ہوں اور اس کے یہ گواہ ہیں یا مودع خود اقرار کر لے یا قاضی کو علم ہو۔ ان میں سے پہلی صورت کا کوئی فائدہ نہیں؛ کیونکہ مودع اگر زوجیت کا انکار کر دے تو وہ بیوی کی طرف سے قائم کردہ دعوی زوجیت کا مدعا علیہ نہیں بن سکتا، کیونکہ زوج اس کا غائب ہے نہ کہ مودع، اور زوج مدعا علیہ بن سکتا ہے لیکن وہ ابھی موجود نہیں۔ اور اگر موذع مال کا انکار کر دے تب بھی مال کو ثابت کرنے کرنے کے لیے زوج مدعی بن سکتا ہے اس کی بیوی نہیں۔ اس لیے دو ہی صورتیں رہ گئیں کہ یا تو مودع دیانت دار ہو

اور وہ زوجیت اور مال دونوں کا اقرار کر لے تو المودع یو خذ بالقرارہ کے تحت اسے کہا جائے گا کہ وہ نفقہ دیا کرے یا پھر قاضی کو علم ہو تو وہ اس پر یہ فیصلہ لاگو کر دے۔

اگر مال سامان یا زمین کی صورت میں ہو تو زمین کی صورت میں تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا البتہ سامان کی صورت میں صرف والد کو بطور سر پرست یہ حق حاصل ہے کہ سامان کو بیچ کر حاصل شدہ پیسوں سے اپنا نفقہ اور بیوی بچوں کا نفقہ وصول کرے۔

اگر مودع اقرار نہ کرے اور قاضی کو بھی کوئی معلومات نہ ہوں تو اصل مذہب کے مطابق عدالت قضاء علی الغائب نہیں کرے گی، لیکن امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قضاء علی الغائب کر سکتے ہیں اور متاخرین کا فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ حاجات الناس کی وجہ سے قضاء علی الغائب جائز ہے۔

نفقہ قرض ہے یا تحفہ ؟

امام شافعی نفقہ کو عورت کی ملکیت کا عوض قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک قضا یا رضا ہو یا نہ ہو، ہر حال میں شوہر کے ذمہ نفقہ قرض ہے۔ صاحب ہدایہ نے تین ایسی جزئیات پیش کی ہیں جس سے اس بحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ نفقہ قرض ہے یا تبرع اور صلہ ؟

1۔ کئی ماہ گزر گئے ، ابھی تک بیوی کو نفقہ نہیں دیا گیا تو ان تمام مہینوں کا نفقہ شوہر پر قرض نہیں بنے گا۔ قرض اس صورت میں بنے گا جب عدالت کے فیصلہ سے بیوی نے شوہر کے نام پر قرضہ لیا ہو۔ عدالت کا فیصلہ ان الفاظ میں ہونا چاہیے کہ اس شخص کی بیوی اپنے شوہر کے نام پر قرضہ لے سکتی ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ہے؛ کیونکہ اگر عورت نے خود سے قرضہ لیا یا عدالت نے شوہر کے نام پر قرضہ لینے کی صراحت نہ کی تو ان دونوں صورتوں میں شوہر اس قرض کا ذمہ دار نہ ہو گا۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ نفقہ صلہ ہے، قرض نہیں۔ قرض صرف کورٹ کے امر بالاستدانتہ علی الزوج سے بنتا ہے۔ گویا نفقہ ہبہ کی طرح ہے کہ جب تک قبضہ میں نہ آئے ملکیت اور حق نہیں بنتا۔

2۔ عدالت نے بیوی کو فیصلہ سنادیا کہ آپ قرضہ لے سکتی ہیں، لیکن عدالت شوہر کے ذمہ اس قرض کی ادائیگی کے الفاظ کہنا بھول گئی، کئی ماہ گزر گئے اور شوہر کا انتقال ہو گیا تو انتقال سے یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اس جزئیہ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نفقہ صلہ ہے، قرض نہیں۔ قرض صرف کورٹ کے امر بالاستدانتہ علی الزوج سے بنتا ہے۔

3۔ کسی نے اپنی زوجات کو ایک سال کا نفقہ ایڈوانس میں دے دیا اور قضائے الٰہی سے شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا تو شیخین کے نزدیک یہ رقم واپس نہیں لی جاسکتی کیونکہ اس کا حکم ہبہ کی طرح ہے کہ دے کر واپس نہیں لیا جاسکتا اسی طرح نفقہ دیدیا سو دیدیا اب واپس نہیں ہو سکتا۔ جیسے اگر وہ ایک سال کا نفقہ ایک ماہ میں خرچ کر ڈالے تو شوہر واپس نہیں لے سکتا اسی طرح اگر نفقہ باقی ہو تب بھی واپس نہیں لیا جاسکتا۔

امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک باقی نفقہ واپس لیا جا سکتا ہے۔ وعلی ھذا الخلاف الکسوۃ لأنھا استعجلت عوضاً عما تستحقہ علیہ بالاحتباس وقد بطل الاستحقاق بالموت فیبطل العوض بقدرہ کرزق القاضی وعطاء المقاتلۃ

بیوی اپنے میکے جاسکتی ہے؟

اس بارے میں متعدد اقوال ہیں:

1۔ ایک قول یہ ہے کہ بیوی کے والدین اور رشتہ دار شوہر کے گھر کے دروازے پر آکر اس سے جو چاہیں بات کر لیں، لیکن وہ گھر کے اندر نہیں آسکتے؛ اس لیے کہ گھر اس

کا ہے وہ اپنی ملکیت میں کسی کو بھی آنے سے روک سکتا ہے لیکن بات کرنے سے اس لیے نہیں روک سکتا کہ محارم سے قطع تعلقی جائز نہیں۔

2۔ نہ بات چیت سے روک سکتا ہے نہ گھر میں داخل ہونے سے، البتہ زیادہ دیر رکنے سے انہیں منع کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ لمبی بات چیت اور طویل قیام سے بات بگڑنا شروع ہوتی ہے۔

3۔ مفتی بہ قول یہ ہے کہ میکہ قریب ہو تو ہفتہ میں ایک دن میکہ جاسکتی ہے اور بقیہ محارم کے ہاں جانے میں دو قول ہیں: مہینے میں ایک بار دوسرا سال میں ایک بار۔ دوسرا قول صحیح ہے۔

نفقات کے بیچ فرق

ان سب کے نان نفقے میں متعدد فرق ہیں جو یہ ہیں:

1- زوجات کا نفقہ ہر حال میں واجب ہے، چاہے زوجات مال دار ہوں یا غریب، اس کی علت پہلے گزر چکی۔ جبکہ اولاد اور بقیہ رشتہ داروں کے لیے نان نفقہ اس وقت واجب ہے جب وہ ضرورت مند ہوں، مال دار ہونے کی صورت میں اقارب کا نفقہ واجب نہیں۔ اولاد نابالغ ہو لیکن مال دار ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر واجب نہیں۔

2۔ آدمی غریب ہو تب بھی اس پر اس کی زوجات اور غریب نابالغ بچوں کا نفقہ واجب ہے، جبکہ بقیہ رشتہ داروں کا نفقہ اسی صورت واجب ہے جب یہ شخص خود بھی مال دار ہو، خود غریب ہو تو رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں، چاہے وہ رشتہ دار کتنے ہی غریب ہوں۔ غریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ مستحق زکوۃ بنتا ہو، گو روزانہ کے خرچہ کا انتظام ہو۔

3۔ زوجات اور اصول و فروع مسلم ہوں یا غیر مسلم (سوائے حربی) نفقہ واجب ہے، بقیہ رشتہ داروں کا نفقہ اس وقت واجب ہے جب وہ مسلمان بھی ہوں، غیر مسلم ہوں تو واجب نہیں؛ کیونکہ محارم کا نفقہ بقدر میراث واجب ہوتا ہے جب غیر مسلم سے میراث کا کوئی لین دین ہے ہی نہیں تو نفقہ کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

4۔ زوجات والدین اور اولاد میں بقدر میراث نفقہ واجب ہونے کی قید نہیں بلکہ ان کی ضرورت کا مکمل نفقہ واجب ہے جبکہ بقیہ رشتہ داروں کا نفقہ بقدر میراث واجب ہے اس سے زائد نہیں۔ بقدر میراث کا مطلب ہے جیسے پوتے کا انتقال ہو اور وارثوں میں ماں اور دادا ہوں تو ماں کو ثلث اور دادا عصبہ بنتا ہے، بس یہی فارمولا پوتے کے نفقہ کا ہو گا، ماں پر ثلث نفقہ واجب ہو گا اور دادا پر ثلثان۔

5۔ جو شخص غائب یا لاپتا ہو جائے اس کا مال کسی کے پاس نقدی کی صورت میں موجود ہو تو اس میں سے صرف زوجات، اولاد اور والدین کا نفقہ نکالا جا سکتا ہے، دیگر رشتہ داروں کا نفقہ قضائے قاضی کے بغیر نہیں نکالا جا سکتا۔

6۔ باپ کے لیے جائز ہے کہ غائب بیٹے کا منقولی سامان بیچ کر اپنے نفقہ کے لیے وصول کرے، غیر منقولی مال باپ بھی نہیں بیچ سکتا، جبکہ باپ کے علاوہ کسی اور کے لیے حتیٰ کہ ماں، زوجات اور اولاد کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اس کا مال بیچ کر اپنا نفقہ لے سکیں۔ صاحبین کے نزدیک باپ بھی نہیں لے سکتا۔ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔

7۔ کوئی شخص غائب یا لاپتا ہو جائے چاہے جان بوجھ کر غائب ہو، اس کا مال کسی کے پاس موجود ہو اور معاملہ عدالت تک پہنچ جائے اور عدالت اس کے مال میں اولاد یا والدین کے لیے نفقہ کا فیصلہ صادر کر دے تو قضائے قاضی کے باوجود سابقہ مہینوں کا نفقہ ساقط ہو جائے گا ہاں اگر قاضی نے استدانت یعنی قرضہ لینے کا حکم بھی دیا ہو تب

واجب ہو جائے گا۔ جبکہ زوجہ کا نفقہ قضائے قاضی سے ہی دین بن جائے گا، یعنی استدانت علی الزوج کا فیصلہ دیے بغیر ہی یہ نفقہ زوج پر دین بن جائے گا۔) تاہم نفقہ قرض ہے یا تحفہ؟ اس بحث میں اس کے بر خلاف بات گزری ہے۔ فتامل

کتاب الایمان

ارکان و شرائط

قسم اور منت دونوں کا رکن منہ سے جہراً قسم یا منت کی ادائیگی کرنا ہے، صرف دل کے عزم یا سراً ادائیگی سے نہ قسم منعقد ہوگی نہ منت۔ جبکہ شرائط متعدد ہیں جن میں سے اکثر وہی ہیں جو تعلیق طلاق کی شرائط میں ہم پڑھ آئے کیونکہ تعلیق طلاق بھی مجازاً یمین ہے اس لیے جو شرائط اس کی ہیں وہ یہاں بھی لاگو ہیں۔ ایک شرط یہ بھی ہے کہ قسم حالت اسلام میں کھائی ہو کیونکہ حالت کفر میں قسم منعقد نہیں ہوتی۔ ایک شرط یہ ہے کہ ان شاء اللہ متصلاً نہ کہا ہو ورنہ قسم لغو ہو جائے گی۔

قسم کی اقسام

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ [المائدۃ 89]

یمین لغو	یمین غموس	یمین منعقدہ
ماضی یا حال کا زمانہ ہوتا ہے	ماضی یا حال کا زمانہ ہوتا ہے	مستقبل کا زمانہ ہوتا ہے
غلط فہمی کی بنیاد پر قسم کھاتا ہے	جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھاتا ہے	کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم ہوتا ہے

گناہ کی قسم گناہ ہے ورنہ درست ہے	من حلف کاذبا أدخله الله النار	گناہ نہیں ہے
کفارہ ہے۔	کفارہ نہیں	کفارہ نہیں

یمین منعقدہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے اور یمین غموس کے حکم میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کے نزدیک یمین لغو کا مطلب ہے ماضی یا مستقبل کے کسی کام پر بلا قصد تکیہ کلام کے طور پر قسم کے الفاظ نکل جائیں ہمارے نزدیک اس صورت میں گناہ تو نہ ہوگا لیکن اگر مستقبل کے لیے بلا قصد قسم کھائی گو تکیہ کلام کے طور پر ہی ہو تو بھی حدیث ثلث جدھن جدھن وھزلھن جد کی وجہ سے قسم ہو جائے گی۔

اسی طرح امام شافعی کے نزدیک یمین غموس کی صورت میں کفارہ واجب ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک کفارہ کا مدار اللہ تعالیٰ کے نام کی ہتک اور بے احترامی ہے اور یہ علت جیسے یمین منعقدہ میں ہے یمین غموس میں بدرجہ اولیٰ ہے۔

احناف یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے جو علت بیان کی وہ حکمت ہے علت نہیں، علت تو حانث ہونا ہے۔ دوسرا یہ کہ یمین غموس کبیرہ گناہ ہے جبکہ کفارہ ایک عبادت ہے اسی وجہ سے اس میں نیت اور روزہ سب چیزیں عبادت والی ہی ہیں اور عبادت کو کسی گناہ پر معلق نہیں کرنا چاہیے اس لیے کفارہ کو غموس جیسے گناہ پر معلق نہیں کیا جاسکتا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یمین منعقدہ میں بھی تو گناہ پایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کیونکہ معصیت کی قسم توڑنا کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے دوسرا اس کے اندر جو حنث پایا جاتا ہے وہ بعد میں پایا جاتا ہے جب وہ قسم توڑتا ہے جبکہ جھوٹی قسم میں گناہ شروع سے ہی ساتھ لگا ہوتا ہے۔

قسم چاہے عمداً کھائی جائے یا سہواً، اسی طرح جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ جان بوجھ کر کرے یا کوئی زبردستی قسم تڑوادے، ہوش میں قسم توڑے یا بے ہوشی میں ٹوٹ جائے بہر صورت حانث ہو جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک سہواً یا بلا قصد قسم کھائی جائے تو قسم منعقد نہ ہوگی کما مر۔ اور اکراہ اور بے ہوشی کی حالت حانث اس لیے ہوگا کہ کفارہ کی علت حنث پائی گئی۔ باقی یہ الگ بات ہے کہ ان حالتوں میں حانث ہونے کی صورت میں گناہ نہ ہوگا۔

پانچ طرح کے الفاظ قسم

اسمائے الٰہیہ	صفات متعارفہ	تعلیق علی الکفر	علی نذر	تحریم حلال
اللہ کی قسم رحمٰن کی قسم اقسم باللہ، احلف باللہ اشہد باللہ	1۔ اللہ کی عزت کی قسم 2۔ جلال خداوندی کی قسم 3۔ اللہ کی کبریائی کی قسم 4۔ قرآن کی قسم	اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں گا۔	نذر مبہم یمین ہوتی ہے	1۔ ہر چیز مجھ پر حرام 2۔ فلاں چیز مجھ پر حرام

مدعا کے دلائل

اللہ تعالیٰ کے اسمائے ذاتیہ، تعلیق علی الکفر، نذر مبہم اور تحریم حلال؛ ان سب سے بہر صورت قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اسمائے صفات میں ذرا تفصیل ہے۔

امام شافعی تحریم حلال کو ظاہری قیاس کی نظر سے دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تحریم حلال جائز ہی نہیں تو اس سے قسم کیسے منعقد ہو سکتی ہے؟

ہم جواباً یہی کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ تحریم حلال جائز ہے، بلکہ ایسے جملے کو ہم مجازاً قسم بنا کر ممنوع لغیرہ بنا سکتے ہیں، اس لیے اس کو قسم بنا دیں گے، خود قرآن کریم میں سورۂ تحریم

کے اندر لم تحرم ما احل اللہ لك کہنے کے بعد قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم فرمایا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تحریم حلال قسم ہے۔

اسی طرح تعلیق علی الکفر بھی منع ہے لیکن اس کے جملے کو ہدر ہونے سے بچانے کے واسطے کم از کم اس کو تحریم حلال پر محمول کر سکتے ہیں، اس لیے مجازاً یہ لفظ بھی قسم کا شمار ہو گا۔ نذر مبہم کے بارے میں صریح حدیث ہے کہ اس کو قسم سمجھ کر کفارہ ادا کرنا ہو گا۔

اسمائے صفات سے قسم کے قواعد

اسمائے ذاتیہ میں اللہ، رحمن، رحیم، کریم، علیم یہ سب داخل ہیں؛ کیونکہ جب قسم کھائی جائے گی تو عرفاً یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (5/3)

أَمَّا الِاسْمُ صَرِيحًا فَهُوَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمًا مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى أَيَّ اسْمٍ كَانَ سَوَاءٌ كَانَ اسْمًا خَاصًّا لَا يُطْلَقُ إِلَّا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى نَحْوُ اللَّهِ وَالرَّحْمَنِ أَوْ كَانَ يُطْلَقُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَعَلَى غَيْرِهِ كَالْعَلِيمِ وَالْحَكِيمِ وَالْكَرِيمِ وَالْحَلِيمِ وَنَحْوِ ذَلِكَ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَسْمَاءَ وَإِنْ كَانَتْ تُطْلَقُ عَلَى الْخَلْقِ وَلَكِنْ تَعَيَّنَ الْخَالِقُ مُرَادًا بِدَلَالَةِ الْقَسَمِ إِذْ الْقَسَمُ بِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَجُوزُ فَكَانَ الظَّاهِرُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى حَمْلًا لِكَلَامِهِ عَلَى الصِّحَّةِ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ بِهِ غَيْرَ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَكُونُ يَمِينًا

اب رہ گئے اسمائے صفات تو اس سے مراد عزۃ اللہ عظمۃ اللہ رحمۃ اللہ جلال الٰہی وغیرہ سے قسم کھانا ہے، تو اس کے اندر تھوڑی تفصیل ہے اور اختلاف کی گنجائش بھی رہتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر صفاتی نام سے قسم نہیں ہوتی بلکہ صرف ان صفاتی نام سے قسم ہو سکتی ہے جس سے قسم کھانا متعارف ہو جیسے عزۃ اللہ عظمۃ اللہ رحمۃ اللہ، جلال الٰہی۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (6/3)

وَبَيَانُ هٰذِهِ الْجُمْلَةِ إِذَا قَالَ وَعِزَّةِ اللّٰهِ وَعَظَمَةِ اللّٰهِ وَجَلَالِهِ وَكِبْرِيَائِهِ يَكُونُ حَالِفًا لِأَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ إِذَا ذُكِرَتْ فِي الْعُرْفِ وَالْعَادَةِ لَا يُرَادُ بِهَا إِلَّا نَفْسُهَا فَكَانَ مُرَادُ الْحَالِفِ بِهَا الْحَلِفَ بِاللّٰهِ تَعَالَى وَكَذَا النَّاسُ يَتَعَارَفُونَ الْحَلِفَ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ وَلَمْ يَرِدِ الشَّرْعُ بِالنَّهْيِ عَنِ الْحَلِفِ بِهَا.

یا جو غیر اللہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہوں، لیکن قسم کے معنی اغلب ہوں تو اس سے بھی قسم ہو جائے گی۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (6/3)

وَكَذَا لَوْ قَالَ وَقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالَى وَقُوَّتِهِ وَإِرَادَتِهِ وَمَشِيئَتِهِ وَرِضَاهُ وَمَحَبَّتِهِ وَكَلَامِهِ يَكُونُ حَالِفًا لِأَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ وَإِنْ كَانَتْ تُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِ الصِّفَةِ كَمَا تُسْتَعْمَلُ فِي الصِّفَةِ لٰكِنَّ الصِّفَةَ تَعَيَّنَتْ مُرَادَةً بِدَلَالَةِ الْقَسَمِ إِذْ لَا يَجُوزُ الْقَسَمُ بِغَيْرِ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ فَالظَّاهِرُ إِرَادَةُ الصِّفَةِ بِقَرِينَةِ الْقَسَمِ وَكَذَا النَّاسُ يُقْسِمُونَ بِهَا فِي الْمُتَعَارَفِ فَكَانَ الْحَلِفُ بِهَا يَمِينًا

اگر غیر اللہ کے معنی میں زیادہ استعمال ہو تو اس سے قسم نہ ہو گی، جیسے علم اللہ، غضب اللہ، سخط اللہ، حق اللہ، یہ سب ایسی صفات ہیں کہ ایک تو عرف میں ان سے قسم نہیں کھائی جاتی دوسرا ہر ایک سے مجازی طور پر غیر اللہ کے معنی میں غالب ہیں، علم اللہ بول کر معلومات الٰہیہ مراد لی جاتی ہیں۔ غضب اللہ یا سخط اللہ بول کر اللہ کا عذاب مراد لیا جاتا ہے، رحمۃ اللہ بول کر بارش یا جنت مراد لی جاتی ہے، حق اللہ بول کر عبادات مراد لی جاتی ہیں۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (6/3)

وَلَوْ قَالَ وَرَحْمَةِ اللّٰہِ أَوْ غَضَبِہٖ أَوْ سَخَطِہٖ لَا یَکُوْنُ ھٰذَا یَمِیْنًا لِأَنَّہٗ یُرَادُ بِھٰذِہِ الصِّفَاتِ آثَارُھَا عَادَۃً لَا نَفْسُھَا فَالرَّحْمَۃُ یُرَادُ بِھَا الْجَنَّۃُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ﴾ [آل عمران: 107] وَالْغَضَبُ وَالسَّخَطُ یُرَادُ بِہٖ أَثَرُ الْغَضَبِ وَالسَّخَطِ عَادَۃً وَھُوَ الْعَذَابُ وَالْعُقُوْبَۃُ لَا نَفْسُ الصِّفَۃِ فَلَا یَصِیْرُ بِہٖ حَالِفًا إِلَّا إِذَا نَوٰی بِہِ الصِّفَۃَ.

الحق کے بارے میں اختلاف ہے۔ تاہم راجح یہ ہے کہ الحق معرفہ بول کر قسم کھائی تو قسم ہو جائے گی؛ کیونکہ اس میں کوئی اور معنی نہیں نکلتے، نکرہ استعمال کرے گا تو قسم نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ قرآن کی قسم سے قسم نہیں ہوتی لیکن موجودہ عرف کے مطابق قرآن کی یا کلمہ کی قسم سے بھی قسم ہو جاتی ہے۔ ان الایمان مبنیۃ علی العرف اسی طرح عہداللہ میثاق اللہ عمر اللہ ایم اللہ ان الفاظ سے بھی قسم ہو جائے گی۔

غیر اللہ کی قسم

تاہم کعبہ کی قسم جائز نہیں۔ نبی کی قسم جائز نہیں ماں بہن کی قسم جائز نہیں؛ کیونکہ یہ سب غیر اللہ ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں کام کیا تو میں چور کہلاؤں یا زانی کہلاؤں اس سے بھی قسم نہیں ہوگی۔

کیا تعلیق علی الکفر کفر ہے؟

تعلیق علی الکفر سے کفر لازم آئے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

1۔ مستقبل کے الفاظ کہے جیسے اگر میں آئندہ شراب پیوں تو یہودی ہوں گا یا ماضی کے الفاظ مثلاً میں نے اگر شراب پی ہو تو میں یہودی۔ دونوں ہی صورتوں میں کافر نہ ہوگا۔ تاہم

ماضی میں یہ کام کر چکا ہو اور اب جھوٹ بول کر ایسے الفاظ کہہ رہا ہے تو یمین غموس کا گناہ ہو گا اور اگر سچ سمجھ کر بول رہا ہو حالانکہ وہ کام پیش آیا ہو تو یمین لغو بنے گی۔

2۔ محمد بن مقاتل فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔ اگر ماضی میں وہ کام کر چکا ہو اور اب جھوٹ بول رہا ہے تو فوری طور پر کافر ہو جائے گا اور اگر آئندہ کے لیے کہا ہو تو یمین معلق ہو جائے گی، جب شرط پائی جائے گی تب منجز ہو کر کافر ہو گا؛ کیونکہ رضا علی الکفر کفر ہے۔

3۔ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر اس نے ان الفاظ کو محض قسم کے طور پر استعمال کیا ہو تو محض قسم ہی بنے گی لیکن اگر یہ سمجھ کر کہے ہوں کہ میں واقعی کافر ہو جاؤں گا یا کافر ہوں تو پھر کافر ہو جائے گا۔ ماضی کی صورت میں فوری طور پر کافر ہو جائے گا اور مستقبل کی صورت میں جب شرط پائی جائے گی تب کافر ہو گا۔ کیونکہ رضا علی الکفر کفر ہے۔

کفارۂ قسم اور اس کے احکام

ایک غلام آزاد کرے، یا دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلائے، یا ان کو اتنا کپڑا دے جس وہ اپنا بدن ڈھک سکیں۔ اگر ان میں سے کوئی کام کرنے کی طاقت نہ ہو یعنی اتنے پیسے نہ ہوں تو تین دن لگاتار روزے رکھے۔ کپڑوں کے حوالے سے امام محمد کا یہ قول کہ صرف ستر چھپ سکے کافی ہے، جیسے شلوار وغیرہ تو یہ راجح نہیں۔ راجح یہی ہے کہ اکثر بدن چھپنا چاہیے۔

امام شافعی کے نزدیک لگاتار تین دن روزے رکھنا ضروری نہیں، بلکہ علیحدہ علیحدہ بھی رکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں متتابعات کا کہیں ذکر نہیں۔ احناف کے نزدیک عبد اللہ بن مسعود کی قراءت کی وجہ سے پے در پے رکھنا ضروری ہے۔ یہ قراءت مشہورہ ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

حانث ہونے سے پہلے کفارہ

امام شافعی کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین ہے لہذا قسم کھانے کے بعد حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ دینا جائز ہے۔

احناف کے نزدیک کفارے کا سبب قسم توڑنا ہے لہذا جب تک قسم نہ ٹوٹے، کفارہ کیسے واجب ہو سکتا ہے؟ قسم کفارے کا سبب نہیں ہوتی بلکہ قسم پورا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی نے پہلے کفارہ دیدیا تو وہ صدقہ ہو جائے گا، کفارہ ادا نہیں ہو گا، اگر فقیر کو دیدیا ہے تو اس سے واپس بھی نہیں لے سکتا؛ کیونکہ ہبہ اور صدقے سے رجوع جائز نہیں۔

اعتراض کا جواب

اگر کوئی جارح کسی کو گہرا زخم پہنچائے جس سے وہ مرنے کے قریب ہو جائے اور پھر جارح اس کی موت سے پہلے ہی کفارہ یا دیت دیدے تو بھی جائز ہے، تو جب جنایات میں آپ کفارہ پہلے دینے کے قائل ہیں تو قسم میں کیوں قائل نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں اس لیے قائل ہیں کہ زخم ہی موت کا باعث ہوتا ہے جبکہ قسم کفارے کا باعث نہیں ہوتا بلکہ اس سے مانع ہوتا ہے۔

معصیت کی قسم

نیکی کی قسم پوری کرنی چاہیے۔ مباحات کی قسم بھی پوری کرنی چاہیے، لیکن معصیت کی قسم توڑنا بہتر ہے؛ کیونکہ معصیت گناہ ہے جس کی تلافی ممکن نہیں، جبکہ قسم توڑنے کی تلافی ہے اس لیے انسان کو ایسا کام کرنا چاہیے جس کی تلافی ہو سکے۔

الهداية في شرح بداية المبتدي (320/2)

لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام من حلف علی یمین ورأی

غیرھا خیرا منھا فلیأت بالذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ

ہر حلال مجھ پر حرام

قیاس کی نظر سے دیکھا جائے تو اس طرح قسم کھانے والا قسم کھانے کے ساتھ ہی حانث ہو جانا چاہیے؛ کیونکہ حلال میں سانس لینا اور مزید حرکات وسکنات بھی داخل ہیں، امام زفر رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، تاہم ائمہ ثلاثہ استحساناً فرماتے ہیں کہ کوئی بھی حالف قسم "قسم پوری کرنے کے لیے" کھاتا ہے توڑنے کے لیے نہیں، (بِرّ کے معنی قسم پوری کرنا) اس لیے اسے قسم پوری کرنے کا موقع دینا چاہیے، اس کے لفظوں کے اطلاقات میں ان باتوں کو شامل نہیں کرنا چاہیے جو انسان کے لیے ناممکن ہو۔ اس لیے تنفس اور دیگر حرکات وسکنات کو الفاظ کے عموم میں شامل کرنا بظاہر زیادتی ہے، اس لیے اس کے عرفی معنی مراد ہوں گے جو صرف کھانے پینے کی اشیا کو محیط ہے۔ تاہم آج کے دور میں بیوی بھی شامل ہوگی لغلبۃ الاستعمال وعلیہ الفتوی

نذر معلق کی بحث

قدیم قول یہ ہے کہ نذر ہی کو پورا کرے چاہے تعلیق کی کوئی بھی صورت ہو۔ بعد میں امام صاحب نے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ تعلیق دو طرح کی ہوتی ہے:

1۔ اگر شرط ایسی ہو جس کا وجود چاہتا ہو یعنی یہ چاہتا ہو کہ شرط واقع ہو جائے تب تو نذر ہی کو پورا کرنا ہوگا جیسے یوں نذر مانی کہ اللہ تعالی نے میرے بیمار کو شفا دیدی تو میں روزانہ 100 نفل پڑھوں گا تو یہاں وہ یہی چاہتا ہے کہ بیمار ٹھیک ہو جائے لہذا اگر بیمار ٹھیک ہو گیا تو نذر پوری کرنی ہوگی، روزانہ 100 نفل پڑھنے ہوں گے۔

2۔ لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے بچنا چاہتا ہو جیسے یوں منت مانے کہ آج کے بعد میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا تو مجھ پر 1000 روپے لازم ہوں گے، یا میں بوتل پی تو مجھ پر حج لازم۔ تو یہاں وہ ان شرائط سے بچنا چاہتا ہے اس کو نذر لجاج بھی کہتے ہیں اس صورت میں صورتاً یہ نذر ہے لیکن تحریم حلال کی وجہ سے معنًا یہ قسم ہے اس لیے ایسی صورتوں میں کفارہ اور وفائے نذر دونوں میں اسے اختیار ہو گا۔ وعلیہ الفتوی

دخول و سکنی کی جزئیات

نیچے دیے گئے نقشوں میں پہلے قسم کے الفاظ دیے گئے ہیں، دوسرے خانے میں اس قسم کے بعد پیش آنے والی صورت بیان کی گئی ہے جس پر غور کیا جائے گا کہ آیا قسم ٹوٹی یا نہیں؟ تیسرے خانے میں حکم بیان کیا گیا ہے۔ چوتھے میں دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

لا یدخل بیتا کی صورتیں

قسم کے الفاظ	پیش آمدہ صورت	حکم	دلیل
لا یدخل بیتا	کعبہ، مسجد یا کسی عبادت خانے میں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	عرف میں ان کو بیت نہیں کہتے
لا یدخل بیتا	بیت کی دہلیز پر یا چھجے کے نیچے گیا	قسم نہیں ٹوٹی	عرف میں ان کو بیت نہیں کہتے
لا یدخل بیتا	چاردیواری والے چبوترے میں گیا	قسم ٹوٹ گئی	اس میں رات گزاری جا سکتی ہے

دار اور بیت کے بیچ فرق

لایدخل دارا۔ لایدخل ھذہ الدار۔ لایدخل ھذا البیت۔ عربی زبان میں دار اور بیت میں فرق ہے۔ عرب ہوں یا عجم، خالی زمین جس کے اندر کوئی عمارت نہ ہو، اس کو بھی دار کہتے ہیں۔ آباد زمین کو دار عامرۃ کہا جاتا ہے اور ویران یا کھنڈر بن جائے تو دار غامرۃ کہا جاتا ہے۔ تعمیر ایک اضافی وصف ہے جو مشار الیہ یعنی ھذہ الدار اور جیسی مثالوں میں لغو ہوگا؛ کیونکہ اشارے کی وجہ سے وہ زمین ہی متعین ہو جائے گی ہاں! غائب (دارا اور اس جیسی مثالوں) میں یہ وصف با قاعدہ ملحوظ ومعتبر ہوگا۔ اس لیے ھذہ الدار والی مثالوں میں تعمیرات ختم ہو جائیں، میدان یا کھنڈر بن جائے تو بھی زمین کے تعیین کی وجہ سے حانث ہو جائے گا، جبکہ دارا نکرہ والی مثالوں میں جب تک عمارت بنی ہوئی ہے تب تک حانث ہوگا اس کے بعد نہیں۔

ھذہ الدار والی مثالوں میں یہ بھی یاد رکھیں کہ میدان بن جانے کے بعد یا میدان بنے بغیر ہی اگر وہ جگہ مسجد، مدرسہ، اسکول، حمام یا بیت وغیرہ بن جائے تو عرفاً دار کا نام ہٹ جانے کی وجہ اب حانث نہ ہوگا، بلکہ اس کے بعد دوبارہ اس جگہ پر دار بن جائے تو بھی حانث نہ ہوگا؛ کیونکہ اب لوگ اس کو سابقہ حمام، یا سابقہ اسکول وغیرہ کے نام سے کریں گے، سابقہ دار نہیں کہیں گے۔ اگر چھت پر گیا تو عرف میں اس کو گھر میں جانا سمجھا جائے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں۔ اگر دہلیز یا چوکھٹ پر کھڑا ہو گیا تو اگر دروازہ بند کرنے سے وہ اندر آجاتا ہو تو دخول سمجھا جائے، دروازہ بند کرنے سے باہر رہے تو باہر ہی سمجھا جائے گا۔

بیت ایک کمرے کو کہتے ہیں اور جب تک کمرہ ہو اسی وقت تک بیت کہتے ہیں، بیت کی جگہ ویرانہ ہو جائے تو اسے بیت نہیں کہتے۔ اس لیے لایدخل ھذا البیت کی صورت میں اگر بیت منہدم ہو جائے یا اس کی جگہ کوئی اور بیت بن جائے تو حانث نہ ہوگا۔

اب نقشہ ملاحظہ کیجیے:

مسائل کا چارٹ

قسم کے الفاظ	پیش آمدہ صورت	حکم	دلیل
لایدخل دارا (نکرہ)	حویلی کے کھنڈر میں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	تعمیر کا وصف غائب میں معتبر ہے
لایدخل هذه الدار (معرفہ)	حویلی کی جگہ کھنڈر رہا میدان بن گیا وہاں گیا	قسم ٹوٹ گئی	تعمیر کا وصف حاضر میں لغو ہے
لایدخل هذه الدار	اس حویلی کو گرا کر مسجد بنا دیا گیا وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	اب اس کا نام ہی تبدیل ہو گیا
لایدخل هذه الدار	اس حویلی کو گرا کر باغ بنا دیا گیا وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	اب اس کا نام ہی تبدیل ہو گیا
لایدخل هذه الدار	اس حویلی کو گرا کر حمام بنا دیا گیا وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	اب اس کا نام ہی تبدیل ہو گیا
لایدخل هذه الدار	اس حویلی کو گرا کر بیت بنا دیا گیا وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	اب اس کا نام ہی تبدیل ہو گیا
لایدخل هذه الدار	حویلی کی جگہ حمام وغیرہ بن گیا وہ بھی گرا دیا گیا پھر وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	اس کا نام تبدیل ہو چکا ہے
لایدخل هذه الدار	حویلی کی چھت پر گیا	قسم ٹوٹ گئی	عرفاً چھت حویلی ہی کا حصہ ہے
لایدخل هذا	بیت کھنڈر / صحرا میں تبدیل	قسم نہیں ٹوٹی	اب اس کو کوئی بیت

البیت	ہو گیا پھر وہاں گیا		نہیں کہتا
لا یدخل ھذا البیت	اس بیت کی جگہ دوسرا بیت تعمیر ہو گیا پھر وہاں گیا	قسم نہیں ٹوٹی	قسم پہلے بیت کی کھائی تھی

ممتد یا غیر ممتد افعال سے حلف اٹھانے کی تحقیق

وہ فعل ممتد ہے جس کے تحقق کے لیے لمبا عرصہ درکار ہو، جیسے سکونت ایک ایسا فعل ہے جو مستقل رہائش کو چاہتا ہے، دوسری مثال لبس ہے کہ مستقل پہنے رہنے سے ہی متحقق ہوتا ہے۔ رکوب بھی مستقل اور طویل فعل ہے۔ ان کے مقابلے میں دخول غیر ممتد فعل ہے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی دخول متحقق ہو جاتا ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ افعال ممتدہ مثلاً: لا یلبس ھذا الثوب لا یرکب ھذہ الدابۃ. لا یسکن ھذہ الدار کے حوالے سے یہ موقف رکھتے ہیں کہ اگلے ہی لمحے حانث ہو جائے گا، لباس اتارنے وغیرہ کا موقع تھوڑی دیر کے لیے بھی نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ جب قسم کھائی تو وہ کام کیے ہوئے تھا، اس پر ایک سیکنڈ گزرتے ہی حانث ہو جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قسم، قسم کو پورا کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، توڑنے کے لیے نہیں، اس لیے قسم پورا کرنے (بِرّ) کا موقع دینا لازمی ہے، اس کے بغیر تو ناممکن کی قسم لازم آئے گی، اس لیے تھوڑی دیر کا استثنا ملنا چاہیے۔

چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ افعال ممتدہ کے حوالے سے قسم کھائی جائے، مثلاً: لا یلبس ھذا الثوب لا یرکب ھذہ الدابۃ لا یسکن ھذہ الدار، تو اگر فوراً کپڑے اتار دے، فوراً سواری سے اتر جائے، فوراً گھر سے سامان نکالنا شروع کر دے تو حانث نہ ہو گا، تھوڑی دیر گزر گئی تو حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ فعل ممتد کا تسلسل اور دوام از سر نو فعل کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے جب وہ

فعل زمان بر کے بعد بھی مسلسل جاری رکھاتویوں سمجھاجائے گا کہ نئے سرے سے کیا،اس لیے حانث ہو جائے گا۔جبکہ لایدخل ھذہ الدار کہاہوتویہ فعل غیر ممتد ہے اس لیے نکل کرجب دوبارہ اندر داخل ہو گا تبھی حانث ہو گا۔

تاہم افعال ممتدہ میں حالف اپنی نیت یہ ظاہر کرے کہ میری مراد اس بار کے بعد آئندہ بار نہ کرناتھاتواس کی تصدیق کی جائے گی؛کیونکہ الفاظ میں اس کا احتمال موجود ہے۔

الفاظ	پیش آمدہ صورت	حکم	دلیل
لایدخل ھذہ الدار	حالانکہ وہ یہ قسم کھاتے وقت اسی حویلی میں بیٹھاہو	قسم نہیں ٹوٹی	غیر ممتد فعل میں تسلسل ودوام کو نیافعل نہیں کہاجاسکتااس لیے نکل کر داخل ہوتب قسم ٹوٹے گی
لایلبس ھذا الثوب	حالانکہ وہ ابھی اسے پہنے ہوئے ہو	قسم ٹوٹ گئی	فعل ممتد ہے،فورااتاردے توقسم نہیں ٹوٹے گی،ورنہ ٹوٹ جائے گی
لایرکب ھذہ الدابۃ	حالانکہ وہ ابھی اس پر بیٹھا ہواہو	قسم ٹوٹ گئی	فعل ممتد ہے،فورااترجائے تب قسم نہیں ٹوٹے گی
لایسکن ھذہ الدار	حالانکہ وہ ابھی اسی میں رہ رہاہے	قسم ٹوٹ گئی	فعل ممتد ہے فورانکل جائے تب قسم نہیں ٹوٹے گی
لایسکن ھذہ الدار	وہ خود فورانکل گیالیکن عیال موجودہیں	قسم ٹوٹ گئی	عیال کے رہنے سے بندہ رہائش پذیر شمار ہوتا ہے

لایسکن ھذاالبیت اور لایسکن ھذہ المحلۃ کا حکم تمام مسائل میں لایسکن ھذہ الدار کی طرح ہے،جبکہ لایسکن ھذہ المصر اور لایسکن ھذہ القریۃ کا حکم ان سے الگ ہے اور وہ یہ کہ لایسکن ھذہ

المصر اورلایسکن هذہ القریۃ ان دو مسئلوں میں اگر وہ خود چلا جائے، اس کے اہل و عیال اور سامان شہر یا بستی ہی میں ہوں تو قسم نہیں ٹوٹے گی؛ کیونکہ ان دو صورتوں میں عرف یہی ہے کہ بندہ خود چلا جائے تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ اس شہر میں نہیں رہتا، جبکہ پہلی تین صورتوں لایسکن ھذا البیت لایسکن ھذہ المحلۃ لایسکن ھذا الدار میں بندہ خود چلا جائے اور اس کے اہل و عیال وہیں موجود ہوں تو اس کو وہیں کا رہائشی سمجھا جاتا ہے۔

پھر یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ سامان کس قدر منتقل کرنے سے گھر سے منتقل ہونا شمار کیا جائے گا؟ امام صاحب کے نزدیک مکمل سامان نکالنا ضروری ہے، ایک کیل بھی باقی رہی تو قسم ٹوٹ جائے گی؛ کیونکہ یہ اس گھر کا ساکن تمام سامان سے بنا تھا، اب گھر سے مکمل طور پر بے دخل کل سامان نکلنے سے ہی ہو گا۔ امام ابو یوسف اکثر سامان نکالنے کو کافی کہتے ہیں۔ امام محمد صرف ضروریات زندگی کا سامان نکالنے کو کافی قرار دیتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے امام محمد کے قول کی تحسین کی ہے جبکہ فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

پھر یہاں ایک تیسرا مسئلہ اور ہے کہ "اس جگہ نہیں رہوں گا" کہنے کے بعد سامان اور اہل و عیال نکال کر گلی میں رکھ دیا، لیکن نئے گھر میں منتقل نہیں ہوا تو قسم ٹوٹے گی یا نہیں؟ بظاہر وہ اس گھر میں تو نہیں رہا اس لیے قسم نہیں ٹوٹنی چاہیے لیکن زیادات کے ایک جزئیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جب تک دوسری جگہ منتقل نہ ہو جائے تب تک اس کی نسبت سابقہ جگہ کی طرف ہی رہتی ہے، اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ دوسرے گھر میں منتقل نہ ہوا تو حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ لوگ ابھی تک اس کو پہلے والے گھر کا باسی سمجھیں گے۔

خروج (نکلنے) اور اتیان (آنے) کی جزئیات

جو حکم لایخرج من المسجد کا ہے ظاہر وہ کسی اور جگہ سے نکلنے کا بھی ہے۔ مسجد کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔

دلیل	حکم	پیش آمدہ صورت	الفاظ
امر کی وجہ سے مامور کا فعل امر کی طرف منسوب ہو گا	قسم ٹوٹ گئی	کسی سے کہا کہ وہ اسے باہر لے جائے	لایخرج من المسجد
اس نے حکم نہیں دیا اس لیے اس کی طرف منسوب نہ ہو گا	قسم نہیں ٹوٹی	کسی نے زبردستی نکالا	لایخرج من المسجد
اس نے حکم نہیں دیا اس لیے اس کی طرف منسوب نہ ہو گا	قسم نہیں ٹوٹی	کسی نے اس کے کہے بغیر نکالا لیکن وہ خود بھی دل سے اس پر راضی تھا	لایخرج من المسجد

لایخرج الی مکۃ، لایاتی مکۃ، لایذھب الی مکۃ

اگر یہ قسم کھائی کہ لایخرج الی مکۃ تو کیونکہ خروج صرف گھر سے باہر قدم رکھنے کو کہتے ہیں، اس لیے مکہ کے ارادے سے جیسے ہی نکلے گا قسم ٹوٹ جائے گی، اگرچہ راستے سے واپس آگیا ہو۔ لایاتی مکۃ یہ قسم کھائی تو کیونکہ اتیان پہنچنے کو کہتے ہیں اس لیے جب تک مکہ پہنچے گا نہیں، اس وقت تک حانث نہیں ہو گا، اگر لایذھب الی مکہ کہا تھا تو ایک قول کے مطابق یہ لایاتی کے حکم میں ہے، لیکن اصح قول یہ ہے کہ لایخرج کے حکم میں ہے لہذا نکلتے ہی حانث ہو جائے گا۔

لایخرج الا الی جنازۃ

قسم کھا کر کہا کہ جنازے کے علاوہ کسی غرض سے باہر نہیں نکلوں گا۔ پھر جنازے کے لیے نکلا اور ساتھ میں دو چار اور کام بھی نمٹا لیے تو حانث نہ ہو گا؛ کیونکہ جنازے کے لیے نکلنے

کا استثنا کیا تھا اور اس وقت یہ جنازے ہی کے لیے نکلا ہے۔ بقیہ کام اس نے تبعاً کر لیے ہیں، ان کی غرض سے نہیں نکلا۔

افعال مستقبلہ کی قسم

اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں تجارت کروں گا یا بیوی کو طلاق دوں گا، آپ کے پاس آؤں گا وغیرہ، تو یہ وقت کے ساتھ مقید نہ کیے ہوں بلکہ مطلق چھوڑ دیے ہوں جیسے کہ ان مثالوں میں مطلق ہیں تو کیونکہ قسم پوری کرنے کا امکان ہر وقت موجود ہے اس لیے جب تک قسم پوری کرنے کا امکان موجود ہے تب تک حانث نہیں ہو گا جیسے ہی لگے گا کہ اب یہ کام اس سے نہیں ہو سکے گا یعنی مرنے لگے تو آخری سانس کے وقت حانث ہو گا، اس سے پہلے ہر لمحہ امکان برہے اس لیے حانث نہ ہو گا۔ وَلَا فَرْقَ فِي ذٰلِكَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَمَوْتِهَا فِي الصَّحِيحِ وَتَقَدَّمَتْ هٰذِهٖ فِي الطَّلَاقِ

اگر انہی الفاظ کو حالف نے کسی وقت کے ساتھ موقت کر دیا تو اس وقت کے آخری لمحات میں وہ حانث ہو گا، اس سے پہلے امکان برہے اس لیے حانث نہ ہو گا۔

استطاعت کی قید

اگر یہی افعال مستقبلہ کی قسم ہو اور تعلیق استطاعت پر کی ہو مثلاً یوں کہا کہ اگر میں کل آپ کے پاس اپنی استطاعت کے باوجود نہ آیا تو میری بیوی کو طلاق، تو اس استطاعت سے کیا مراد لیں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ کوئی خاص نیت نہ ہو تو معنی عرفی مراد لیں گے اور معنی عرفی یہی ہے کہ وہ صحت و سلامتی سے زندہ رہا، کوئی مرض، کوئی مجبوری وغیرہ نہ ہوئی تو ضرور آئے گا ورنہ اس کی بیوی کو طلاق۔ اگر وہ معنی عرفی کے بجائے معنی حقیقی مراد لے یعنی توفیق الٰہی مراد لے تو دیانتاً تصدیق کی جائے گی، قضاءً نہیں؛ قضاءً اس لیے نہیں کہ یہ معنی خلاف ظاہر ہیں۔

فتح القدير للكمال ابن الهمام (111/5)

وَإِذَا صَحَّتْ إِرَادَتُهَا فَهَلْ يُصَدَّقُ دِيَانَةً وَقَضَاءً أَوْ دِيَانَةً فَقَطْ؟

قِيلَ يُصَدَّقُ دِيَانَةً فَقَطْ لِأَنَّهُ نَوَى خِلَافَ الظَّاهِرِ، وَهُوَ قَوْلُ الرَّازِيِّ

وَقِيلَ دِيَانَةً وَقَضَاءً لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ إِذَا كَانَ اسْمُ الِاسْتِطَاعَةِ

يُطْلَقُ بِالِاشْتِرَاكِ عَلَى كُلٍّ مِنَ الْمَعْنَيَيْنِ، وَالْأَوَّلُ أَوْجَهُ لِأَنَّهُ وَإِنْ

كَانَ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا لَكِنْ تُعُورِفَ اسْتِعْمَالُهُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ عَنِ

الْقَرِينَةِ لِأَحَدِ الْمَعْنَيَيْنِ بِخُصُوصِهِ وَهُوَ سَلَامَةُ آلَاتِ الْفِعْلِ وَصِحَّةُ

أَسْبَابِهِ فَصَارَ ظَاهِرًا فِيهِ بِخُصُوصِهِ فَلَا يُصَدِّقُهُ الْقَاضِي فِي خِلَافِ

الظَّاهِرِ.

میری اجازت کے بغیر نکلی تو طلاق، حیلہ

ایک شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ بیٹھے: لاتخرج الا باذنی، تو اس کی تقدیری عبارت یوں ہے تَلاتَخرُجِی خُرُوجًا اِلَّا خُرُوجًا بِاِذنِی، نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اس لیے بیوی کو ہر بار اجازت لینا ضروری ہو گا۔ اردو میں اس کے لیے یہ جملہ استعمال ہوتا ہے: آئندہ میری اجازت کے بغیر نکلی تو تمہیں طلاق۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ شوہر یوں کہہ دے کہ میں نے تمہیں ہر بار نکلنے کی اجازت دے دی۔

فتح القدیر للکمال ابن الهمام (111/5)

وَطَرِيقُ إِسْقَاطِ هَذَا الْإِذْنِ أَنْ يَقُولَ كُلَّمَا أَرَدْتِ الْخُرُوجَ فَقَدْ

أَذِنْتُ لَكِ فَإِنْ قَالَ ذَلِكَ ثُمَّ نَهَاهَا لَمْ يَعْمَلْ نَهْيُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

اگر اس کی جگہ یوں کہے: لاتخرج الا ان آذن لک یعنی جب تک نہ کہوں تب تک نہیں نکلو گی تو یہ ہر بار کے بجائے غایت کے لیے ہے اس لیے ایک بار اجازت لینا کافی ہو گا۔

یمین فور

اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق۔ یہ جملہ اگر اسی وقت نکلنے کے حوالے سے کہا ہو، یعنی بیوی جانے کے لیے تیار ہو کر بیٹھی ہو، جانا چاہ رہی ہو، اور شوہر منع کر رہا ہو اور زیادہ اصرار یا تکرار پر شوہر نے یہ جملہ کہہ دیا ہو اور اس کی نیت یہ ہو کہ ابھی نہ نکلنا ورنہ طلاق، تو "ابھی" کا لفظ اسی طرح شوہر کی نیت سے یہی جملہ یمین فور کا بن جائے گا۔ چنانچہ بیوی اسی وقت نکلی تو طلاق ہو گی، تھوڑی دیر بعد نکلی تو طلاق نہیں ہو گی۔

یہی حکم ہر اسی طرح کی سچویشن کا ہے جس میں یمین فور بننے کے لفظی یا معنوی قرائن موجود ہوں۔ مثلاً: سڑک پر ایک شخص کسی کو پیٹنا چاہتا ہے، حالف دل کا مریض ہے، اس سے مار پٹائی برداشت نہیں ہوتی، وہ اسے روکنے کے لیے حلف اٹھا لیتا ہے کہ اگر آپ نے اسے مارا تو میری بیوی کو طلاق۔ تو قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ صرف ابھی کے لیے ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں۔

زید کی واصف سے نہیں بنتی۔ زید نے واصف کو ناشتے کی دعوت دی۔ واصف نے غصے سے کہا: اگر میں نے ناشتہ کیا تو میری بیوی کو طلاق۔ تو قرینہ بتا رہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ناشتے کا انکار کر رہا ہے لہٰذا گھر آ کر یا کہیں اور جا کر، یا کسی اور کے ساتھ ناشتہ کرے تو طلاق نہ ہو گی۔ البتہ اگر اس نے زید کے الفاظ کے مقابلے کچھ الفاظ بڑھا لیے مثلاً یوں کہہ دیا: آج میں نے ناشتہ کیا تو میری بیوی کو طلاق تو یہ یمین فور نہیں بنے گی، یمین مؤقت بن جائے گی۔

یمین فور کے الفاظ بظاہر یمین مؤبد کی طرح ہوتے ہیں، لیکن قرائن سے اس کو آپ حال کے لیے مختص کرنا ہو گا۔ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے اس کو امت کے سامنے پیش کیا تھا اور تمام مجتہدین نے آپ کی تصویب فرمائی تھی۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (113/5)

وَهٰذِهٖ تُسَمّٰى يَمِينُ الْفَوْرِ. اِنْفَرَدَ أَبُو حَنِيفَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- بِإِظْهَارِهَا وَكَانَتِ الْيَمِينُ فِي عُرْفِهِمْ قِسْمَيْنِ: مُؤَبَّدَةٌ وَهِيَ أَنْ يَحْلِفَ مُطْلَقًا وَمُؤَقَّتَةٌ وَهِيَ أَنْ يَحْلِفَ أَنْ لَا يَفْعَلَ كَذَا الْيَوْمَ أَوْ هٰذَا الشَّهْرَ.

فَأَخْرَجَ أَبُو حَنِيفَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- يَمِينَ الْفَوْرِ وَهِيَ يَمِينٌ مُؤَبَّدَةٌ لَفْظًا مُؤَقَّتَةٌ مَعْنًى تَتَقَيَّدُ بِالْحَالِ وَهِيَ مَا يَكُونُ جَوَابًا لِكَلَامٍ يَتَعَلَّقُ بِالْحَالِ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ لِآخَرَ تَعَالَ تَغَدَّ عِنْدِي فَيَقُولُ إِنْ تَغَدَّيْتُ فَعَبْدِي حُرٌّ فَيَتَقَيَّدُ بِالْحَالِ، فَإِذَا تَغَدَّى فِي يَوْمِهِ فِي مَنْزِلِهِ لَا يَحْنَثُ لِأَنَّهُ حِينَ وَقَعَ جَوَابًا تَضَمَّنَ إِعَادَةَ مَا فِي السُّؤَالِ وَالْمَسْئُولِ الْحَالِيِّ فَيَنْصَرِفُ الْحَلِفُ إِلَى الْغَدَاءِ الْحَالِيِّ لِتَقَعَ الْمُطَابَقَةُ فَلَزِمَ الْحَالُ بِدَلَالَةِ الْحَالِ

اکل وشرب کی قسم

قسم کا سب سے بڑا قاعدہ

قسم کا مدار لفظ کے عرفی معنی پر ہے۔ الایمان مبنیة علی العرف جیسے قرآن سے قسم متعارف ہوگئی تو فتوی تبدیل کر کے کہا گیا کہ قسم ہو جاتی ہے۔ کلمہ سے قسم اب متعارف ہے اس لیے اس سے بھی قسم ہو جاتی ہے۔

گوشت نہ کھانے کی قسم

قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا تو گوشت کھانے کی قسم میں مچھلی کا گوشت شامل نہیں ہوگا؛ کیونکہ عرف میں گوشت بول کر ان کا گوشت مراد نہیں لیا جاتا۔ اسی طرح کلیجی اور تلی کھانے سے بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف میں ان کو گوشت نہیں کہا جاتا ہے۔ الا ان بنوی

اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھانے والے نے انسان یا خنزیر کا گوشت کھالیا تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ ان کے گوشت کو گوشت ہی کہا جاتا ہے اور ممکن ہے حالف کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ ایسے حرام گوشت سے بچنا چاہتا ہو۔ تاہم ابن الہمام نے علامہ عتابی کے حوالے سے اس کے خلاف نقل کیا ہے:

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (122/5)

ثُمَّ نَقَلَ الْعَتَّابِيُّ خِلَافَهُ فَقَالَ: قِيلَ الْحَالِفُ إِذَا كَانَ مُسْلِمًا يَنْبَغِي أَنْ لَا يَحْنَثَ لِأَنَّ أَكْلَهُ لَيْسَ بِمُتَعَارَفٍ، وَمَبْنَى الْأَيْمَانِ عَلَى الْعُرْفِ قَالَ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَفِي الْكَافِي عَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَمَا قِيلَ الْعُرْفُ الْعَمَلِيُّ لَا يُقَيِّدُ اللَّفْظَ غَيْرُ صَحِيحٍ

چربی نہ کھانے کی قسم

چربی نہ کھانے کی قسم کھائی تو عرف میں جس کو چربی کہا جاتا ہو گا وہی کھانے سے حانث ہو گا۔ چربی کا اطلاق چکتی پر نہیں ہوتا، ہڈی یا دماغ کے ساتھ لگی چربی پر چربی کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لیے ان کے کھانے سے حانث نہ ہو گا۔ الا ان یہ کہ کسی جگہ کمر یا گوشت کے ساتھ لگی ہوئی چربی کو بھی چربی کہا جاتا ہو تو اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (123/5)

فَصَارَتِ الشُّحُومُ أَرْبَعَةً: شَحْمُ الظَّهْرِ، وَشَحْمٌ مُخْتَلِطٌ بِالْعَظْمِ، وَشَحْمٌ عَلَى ظَاهِرِ الْأَمْعَاءِ، وَشَحْمُ الْبَطْنِ، فَفِي شَحْمِ الْبَطْنِ يَحْنَثُ بِالِاتِّفَاقِ وَالثَّلَاثَةُ عَلَى الِاخْتِلَافِ لَا يَخْلُو مِنْ نَظَرٍ، بَلْ لَا يَنْبَغِي خِلَافٌ فِي عَدَمِ الْحِنْثِ بِمَا فِي الْعَظْمِ. قَالَ الْإِمَامُ السَّرْخَسِيُّ: إِنَّ

أَحَدًا لَمْ يَقُلْ بِأَنَّ مُخَّ الْعَظْمِ شَحْمٌ اهـ وَكَذَا لَا يَنْبَغِي خِلَافٌ فِي الْجِنْسِ بِمَا عَلَى الْأَمْعَاءِ لِأَنَّهُ لَا يُخْتَلَفُ فِي تَسْمِيَتِهِ شَحْمًا

روٹی نہ کھانے کی قسم

روٹی نہ کھانے کی قسم کھائی تو عرف میں جو روٹی رائج ہو وہی مراد ہو گی۔ جہاں چاول کی روٹی کھانے کا عرف ہو تو چاول کی روٹی بھی قسم میں شامل ہو گی ورنہ نہیں پہلے زمانے میں جو کی روٹی کا عرف تھا اب نہیں ہے۔ الاان ینوی

پکی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم

پکی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم کھائی تو عرف میں اس سے گوشت مراد ہو گا نیز اس کا شوربا بھی داخل ہو گا کیونکہ شوربے میں گوشت کے اجزا پائے جاتے ہیں۔ کوئی اور پکی ہوئی چیز مراد نہ ہو گی؛ کیونکہ ورنہ بہت عموم اور شدت پیدا ہو جائے گی۔ الاان ینوی

سری نہ کھانے کی قسم

سری نہ کھانے کی قسم کھائی تو عرف میں جو سری کھائی جاتی ہے اسی سے حانث ہو گا کسی اور سری سے نہیں الاان ینوی۔

الهداية في شرح بداية المبتدي (326/2)

وفي الجامع الصغير لو حلف لا يأكل رأس فهو على رؤوس البقر والغنم عند أبي حنيفة رحمه الله وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله على الغنم خاصة" وهذا اختلاف عصر وزمان كان العرف في زمنه فيهما وفي زمنهما في الغنم خاصة وفي زماننا يفتى على حسب العادة كما هو المذكور في المختصر.

بھنی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم

قسم کھائی کہ بھنی ہوئی چیز نہیں کھاؤں گا تو اس کا اطلاق صرف گوشت پر ہوگا، سبزی پر نہیں الاان ینوی۔

فروٹ نہ کھانے کی قسم

قسم کھائی کہ فروٹ نہیں کھاؤں گا تو کھیرا ککڑی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی؛ کیونکہ وہ سبزی یا سلاد ہے، فروٹ نہیں۔ فروٹ کی قسم میں ڈرائی فروٹ شامل ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا مدار بھی عرف ہی ہونا چاہیے گو صاحب ہدایہ اس کو فروٹ کہہ رہے ہیں۔

سیب، آم وغیرہ فروٹ میں شامل ہیں۔ کھجور، انگور اور انار کو صاحبین فروٹ میں داخل کرتے ہیں، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں کو بطور دوائی، بطور مسالا یا بطور سالن بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لیے یہ چیزیں فروٹ تو ہیں لیکن کامل طور پر فروٹ نہیں، اس لیے حانث نہ ہوگا۔ الاان ینوی۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

الهداية في شرح بداية المبتدي (326/2)

والأصل أن الفاكهة اسم لما يتفكه به قبل الطعام وبعده أي يتنعم به زيادة على المعتاد والرطب واليابس فيه سواء بعد أن يكون التفكه به معتادا حتى لا يحنث بيابس البطيخ

فتح القدير للكمال ابن الهمام (129/5)

وَالْمَشَايِخُ قَالُوا: هَذَا اخْتِلَافُ زَمَانٍ فَفِي زَمَانِهِ لَا يَعُدُّونَهَا مِنَ الْفَوَاكِهِ فَأَفْتَى عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ وَفِي زَمَانِهِمَا عُدَّتْ مِنْهَا فَأَفْتَيَا بِهِ

سالن نہ کھانے کی قسم

قسم کھائی کہ ادام یعنی سالن نہیں کھاؤں گا تو امام محمد رحمہ اللہ کی بات دل کو لگتی ہے کہ عرف میں جس چیز کو سالن کے طور پر روٹی کے ساتھ استعمال کیا جائے بس وہی سالن ہے، مزید تدقیقات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ أَخَذَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ

جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سالن ہر اس ڈش کو کہتے ہیں جو روٹی کے ساتھ بالکل لت پت کی جاسکے نیز وہ تنہا روٹی کے بغیر نہ کھایا جائے۔ چنانچہ کھجور، انگور، فرو‌ٹ، ڈرائی فروٹ، مرغ مسلم، تلا ہوا یا بھونا ہوا گوشت سالن نہیں۔ کیونکہ ہر وہ ڈش جس کو روٹی کے ساتھ لت پت نہیں کیا جاسکتا یا روٹی کے بغیر بھی کھایا جاسکتا ہے وہ سالن نہیں ہے، جبکہ سرکہ سالن ہے، کیونکہ سرکہ روٹی کے بغیر نہیں کھایا جاتا اور روٹی اس میں ڈبونے سے روٹی لت پت بھی ہو جاتی ہے۔ نمک بھی سالن ہو گا؛ کیونکہ ایک تو وہ تابع ہوتا ہے اور دوسرا تنہا نہیں کھایا جاتا۔

ناشتہ یا ڈنر نہ کرنے کی قسم

اگر ناشتہ نہ کرنے کی قسم کھائی، یا رات کا کھانا نہ کھانے کی قسم کھائی تو اگر پچاس فی صد سے زیادہ ناشتہ کیا یا ڈنر کیا تب ناشتہ یا ڈنر کہلائے گا اس سے کم پر ناشتے یا ڈنر کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اور ناشتے کا وقت صبح صادق سے زوال تک ہو گا اور رات کے کھانے کا اطلاق پہلے زمانے کے عرف میں ظہر سے نصف اللیل تک ہوتا تھا، اب ہمارے ہاں ہمارے عرف کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (132/5)

وَقَالَ الْإِسْبِيجَابِيُّ فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ: وَقْتُ الْغَدَاءِ مِنْ طُلُوعِ الشَّمْسِ إلَى وَقْتِ الزَّوَالِ، وَوَقْتُ الْعَشَاءِ مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ إلَى أَنْ يَمْضِيَ أَكْثَرُ اللَّيْلِ، وَوَقْتُ السُّحُورِ مِنْ مُضِيِّ أَكْثَرِ اللَّيْلِ إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ،

ثُمَّ قَالَ: هٰذَا فِي عُرْفِهِمْ وَأَمَّا فِي عُرْفِنَا: وَقْتُ الْعَشَاءِ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعَصْرِ انْتَهَى.

جب لفظ کے حقیقی معنی متروک ہو جائیں

لفظ کے حقیقی معنی متروک ہو چکے ہوں تو مجازی معنی ہی لیے جائیں گے۔ جیسے: قسم کھائی: لا اکل من ھذہ النخلۃ تو نخلہ کوئی بھی نہیں کھاتا اس لیے مجازی معنی یعنی اس کا پھل کھانے سے ہی حانث ہو گا، درخت کے پتے یا چھال یا لکڑی کھانے سے حانث نہ ہو گا، کھجور کے شیک، کھجور کا سرکہ یا کوئی اور آئٹم جو کھجور سے بنایا گیا ہو اس سے بھی حانث نہ ہو گا کیونکہ نام تبدیل ہو گیا۔ قسم کھائی کہ یہ آٹا نہیں کھاؤں گا تو آٹا کوئی بھی نہیں کھاتا اس لیے حانث نہیں ہو گا، اس کی روٹی کھانے سے ہی حانث ہو گا۔

المھجور شرعا کالمھجور عادۃ

جو چیز شرعا درست نہ ہو اسے متروک عرفی کی طرح شمار کیا جائے گا۔ المھجور شرعا کالمھجور عادۃ۔ چنانچہ کسی نے بغیر کسی خاص نیت کے قسم کھائی کہ لا یتکلم ھذا الصبی یا لا یتکلم ھذا الشاب تو مقصد اس کا یہی قرار دیا جائے گا کہ اس کی شرارتوں سے تنگ آکر قسم کھا رہا ہے اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ جب وہ بچہ بوڑھا ہو جائے تو اس وقت اس اسے بات کرنے سے حانث نہ ہو، عرف کا تقاضا بھی یہی ہے، لیکن کیونکہ ایسی قسم جس سے قطع تعلقی لازم آئے گی جو شرعا درست نہیں، اس لیے یہ سمجھا جائے کہ اس کلام کے حقیقی معنی مہجور و متروک ہو چکے ہیں اس لیے مجازی معنی مراد لیے جائیں گے اور ذات مراد ہو کر حانث ہو جائے گا، لیکن یہ حکم اس وقت ہو گا جب اس کی کوئی نیت نہ ہو اگر خاص اسی نیت سے ہی قسم کھائی ہو تو ذات مراد نہ ہو گی۔ کملسیاتی۔

نیچے ابن الہمام کا ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے، شائقین کے لیے اس میں قیمتی جواہر موجود ہیں۔

فتح القدیر للکمال ابن الہمام (154/5)

أَمَّا اللُّغَةُ قَالُوا الصَّبِيُّ يُسَمَّى غُلَامًا إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ وَمِنْ تِسْعَ عَشْرَةَ شَابٌّ إِلَى أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ وَمِنْ أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ كَهْلًا إِلَى إِحْدَى وَخَمْسِينَ وَمِنْ إِحْدَى وَخَمْسِينَ شَيْخٌ إِلَى آخِرِ عُمُرِهِ وَأَمَّا الشَّرْعُ فَالْغُلَامُ لِمَنْ لَمْ يَبْلُغْ حَتَّى الْبُلُوغِ مَعْلُومٌ. فَإِذَا بَلَغَ صَارَ شَابًّا وَفَتًى وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ مِنْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ الْكُهُولَةَ فَإِذَا بَلَغَ خَمْسِينَ فَهُوَ شَيْخٌ

قَالَ الْقُدُورِيُّ: قَالَ أَبُو يُوسُفَ: الشَّابُّ مِنْ خَمْسَ عَشْرَةَ إِلَى خَمْسِينَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَغْلِبَ عَلَيْهِ الشَّمَطُ قَبْلَ ذَلِكَ، وَالْكَهْلُ مِنْ ثَلَاثِينَ إِلَى آخِرِ عُمُرِهِ وَالشَّيْخُ فِيمَا زَادَ عَلَى الْخَمْسِينَ. وَكَانَ يَقُولُ قَبْلَ هَذَا: الْكَهْلُ مِنْ ثَلَاثِينَ إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ وَأَكْثَرَ، وَالشَّيْخُ مِنْ أَرْبَعِينَ إِلَى مِائَةٍ وَهُنَا رِوَايَاتٌ أُخْرَى وَانْتِشَارٌ، وَالْمُعَوَّلُ عَلَيْهِ مَا بِهِ الْإِفْتَاءُ.

حقیقی معنی کسی درجے میں مستعمل ہوں

امام صاحب کے نزدیک لفظ کے حقیقی معنی متروک نہ ہوئے ہوں بلکہ استعمال میں ہوں تو لفظ کو اس کے حقیقی معنی ہی پر محمول کیا جائے گا، مجازی معنی مراد لینا درست نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک عموم مجاز لیا جائے گا جس کے اندر حقیقی اور مجازی دونوں معنی اس کا جزو بنیں گے۔ جیسے اگر یہ قسم کھائی کہ گندم نہیں کھاؤں گا تو امام صاحب کے نزدیک روٹی کھانے سے حانث نہ

ہو گا، بھون کر، ابال کر کھانے سے ہی حانث ہو گا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں باتوں سے حانث ہو جائے گا۔ قسم کھائی: لااشرب من دجلۃ تو منہ لگا کر پینے سے حانث ہو گا۔ برتن میں پینے سے حانث نہ ہو گا، صاحبین کے نزدیک دونوں سے حانث ہو جائے گا۔

جب قسم کسی وصف پر مبنی ہو

قسم کسی چیز کے وصف پر مبنی ہو تو قسم اس وصف پر منحصر ہو گی، وصف نہیں پایا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ جیسے: قسم کھائی کہ بسر نہیں کھاؤں گا تو بسر کھانے سے ہی قسم ٹوٹے گی، بسر کے بجائے کھجور یا چھوارا کھایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ دودھ نہیں پیوں گا پھر اسی کا دہی کھالیا یا مکھن کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی تھی کہ کھجور نہیں کھاؤں گا پھر چھورا کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم وصف پر مبنی نہ ہو سکتی ہو تو ذات مراد ہو گی وصف نہیں، جیسے: قسم کھائی کہ میں اس بھیڑ کے بچے کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو دیکھا جائے تو بچہ کا گوشت تو مزید لذیذ ہوتا ہے جب وہ اس زک رہا ہے تو بھیڑ سے بدرجہ اولی بچتا ہو گا اس لیے ذات مراد ہو گی اور بچہ ہو یا بھیڑ، دونوں سے حانث ہو جائے گا۔

تاہم ابن الہمام کو اس جزیئے سے اتفاق نہیں؛ وہ فرماتے ہیں کہ بچے کا گوشت بہت سے لوگوں کو طبعاً پسند نہیں ہوتا اس لیے ایسے افراد کے حق میں اس وصف کا اعتبار کرنا چاہیے، بالخصوص جب انہوں نے اسی ذہنیت سے یہ حلف اٹھایا ہو۔ لیکن جن کی کوئی ایسی نازک طبیعت نہ ہو تو قاعدے کے مطابق ذات ہی مراد ہو گی۔

یہی حکم لااکلم ھذا الصبی کا ہے کہ اگر واقعی کوئی کسی بچے کی بدتمیزی یا شرارت کی وجہ سے ہی ایسی قسم کھائے اور اس کی نیت یہی ہو کہ جب تک اس کے اندر ایسی شرارت ہے تب تک

اپنی عزت کی خاطر اس سے بات نہیں کروں گا تو یہ نیت درست ہے باقی عام مسائل میں جب ایسی کوئی نیت نہ ہو تو ذات مراد ہوگی۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (119/5)

وَفِي هَذَا نَظَرٌ لِأَنَّ الْحَمَلَ لَيْسَ مَحْمُودًا فِي الضَّأْنِ لِكَثْرَةِ رُطُوبَاتِهِ زِيَادَةً حَتَّى قِيلَ فِيهِ النَّحِسُ بَيْنَ الْجَيِّدَيْنِ بِخِلَافِهِ كَبْشًا فَإِنَّ لَحْمَهُ حِينَئِذٍ أَكْثَرُ قُوَّةً وَتَقْوِيَةً لِلْبَدَنِ لِقِلَّةِ رُطُوبَاتِهِ فَصَارَ كَالْحَلِفِ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الرُّطَبِ فَأَكَلَهُ تَمْرًا لَا يَحْنَثُ

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (120/5)

فَإِنَّا نَقُولُ: لَوْ أَرَادَ حَالِفٌ تَقْيِيدَهُ بِالْحَمَلِيَّةِ وَالصِّبَا لَمْ تَمْنَعْهُ وَصَرَفْنَا يَمِينَهُ حَيْثُ صَرَفَهَا، وَإِنَّمَا الْكَلَامُ إِذَا لَمْ يَنْوِ شَيْئًا فَإِنَّمَا يُسْلَكُ بِهِ مَا عَلَيْهِ الْعُمُومُ أَخْطَئُوا فِيهِ أَوْ أَصَابُوا فَلْيَكُنْ هَذَا مِنْكَ بِبَالٍ فَإِنَّكَ تَدْفَعُ بِهِ كَثِيرًا مِنْ أَمْثَالِ هَذَا الْغَلَطِ الْمُورَدِ عَلَى الْأَئِمَّةِ

اگر یہ قسم کھائی ہو کہ بسر نہیں کھاؤں گا پھر رطب مذنب یعنی ایسی کھجور کھائی جس کی دم کچی ہو تو امام صاحب کے نزدیک حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ بسر کھائی تو ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ رطب اکثر ہے اس لیے اسے رطب کھانا کہیں گے، بسر کھانا نہیں کہیں گے، لیکن امام صاحب کی بات میں وزن ہے کہ بسر کے ذائقہ کو اس نے انجوائے تو کیا ہے اس لیے حانث ہونا چاہیے۔

یہی اختلاف اس صورت میں ہے جب یہ قسم کھائی ہو کہ میں رطب نہیں کھاؤں گا، پھر بسر مذنب یعنی ایسی کھجی کھائی جس کی دم رطب ہو تو امام صاحب کے نزدیک حانث

ہو جائے گا؛ کیونکہ رطب کو انجوائے کر لیا جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بسر اکثر ہے اس لیے اسے بسر کھانا کہیں گے، رطب کھانا نہیں کہیں گے۔

اگر یہ قسم کھائی ہو کہ میں نہ رطب کھاؤں گا نہ بسر، تو رطب کھانے سے بھی حانث ہو گا، بسر کھانے سے بھی حانث ہو گا اور رطب مذنب یا بسر مذنب کھانے سے بھی حانث ہو گا۔

فائدہ

صاحب ہدایہ نے بسر مذنب اور رطب مذنب والے مسئلے میں اختلاف امام صاحب اور صاحبین کے درمیان قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اختلاف طرفین اور امام ابو یوسف کے درمیان ہے۔

عرف کے مطابق امام ابو یوسف کے قول میں وزن ہے اور لفظ کے حقیقی اطلاق کو دیکھتے ہوئے طرفین کے قول میں وزن ہے۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (121/5)

وَقَدْ يُقَالُ أَوَّلًا التَّعْلِيلُ لِلْمَذْكُورِ يَقْتَصِرُ عَلَى مَا فَصَلَهُ فَأَكَلَهُ وَحْدَهُ أَمَّا لَوْ أَكَلَ ذَلِكَ الْمَحَلَّ مَخْلُوطًا بِبَعْضِ الْبُسْرِ تَحَقَّقَتْ التَّبَعِيَّةُ فِي الْأَكْلِ وَثَانِيًا هُوَ بِنَاءٌ عَلَى انْعِقَادِ الْيَمِينِ عَلَى الْحَقِيقَةِ لَا الْعُرْفِ وَإِلَّا فَالرُّطَبُ الَّذِي فِيهِ بُقْعَةُ بُسْرٍ لَا يُقَالُ لِآكِلِهِ آكِلُ بُسْرٍ فِي الْعُرْفِ فَكَانَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَقْعَدَ بِالْمَبْنَى وَاَللَّهُ أَعْلَمُ.

اگر قسم خریداری کے عمل پر ہو مثلاً یوں کہا ہو کہ میں بسر نہیں خریدوں گا پھر رطب مذنب خرید لی یا قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر بسر مذنب خرید لی تو تو بالاتفاق اکثر پر حکم لگے گا اور حانث نہ ہو گا۔ اس صورت میں امام صاحب بھی صاحبین کے ساتھ ہیں، لیکن ظاہر ہے یہاں امام صاحب اس لیے ان کے ساتھ ہیں کہ خریداری کا حکم اکثریت اور غلبہ پر لگتا ہے، اس

میں قلیل ہمیشہ کثیر کے تابع ہی ہوتا ہے اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ تابع پر اصل کا حکم نہیں لگتا، چنانچہ قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر اس نے بسر کا خوشہ خریدا جس میں دو چار رطب بھی تھیں تو حانث نہ ہوگا؛ کیونکہ اصل میں اس نے بسر ہی خریدی ہیں رطب تبعاً آگئی ہیں۔

امکانِ بر کا قاعدہ

قسم کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اسے پورا کرنا حقیقتاً بھی ممکن ہو اور عادتاً بھی۔ لہٰذا اگر قسم پوری کرنا حقیقتاً اور عادتاً دونوں طرح ممکن نہ ہو تو قسم منعقد نہ ہوگی، جیسے پیالے میں پانی نہ ہو اور کوئی یہ کہے کہ میں اس پیالے کا یہ پانی پیوں گا تو جب پیالے میں پانی ہی نہیں ہے تو قسم کیسے پوری کر سکتا ہے؟ اس لیے قسم ہی نہ ہوگی۔

اگر اسی قسم میں الیوم کا اضافہ کر دیا جائے کہ میں آج اس پیالے کا پانی پیوں گا تو اگر پانی شروع سے نہ ہو تو پہلی صورت کی طرح اس صورت میں بھی شروع سے قسم نہ ہوگی اور اگر قسم کھاتے وقت پانی ہو پھر رات سے پہلے پہلے کوئی گرا دے تو قسم تو منعقد ہوگئی، لیکن کیونکہ آخری وقت میں اس پر عمل ممکن نہ رہا اس لیے حانث اس صورت میں بھی نہ ہوگا۔

اسی شرط کو بعض علما نے دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا ہے کہ قسم اور اسی طرح تعلیق اس وقت درست ہوتی ہے جب شرط لگاتے وقت اس کا حقیقتاً اور عادتاً وجود ممکن ہو اور آئندہ کے لیے تعلیق اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس شرط کو پورا کرنے کا امکان موجود رہے۔ چنانچہ اگر شرط لگاتے وقت ہی وہ ممکن الوجود نہیں تو قسم ہی نہ ہوگی، البتہ اگر شرط لگاتے وقت وجود ممکن ہو لیکن بعد میں وجود ممکن نہیں رہا تو شروع میں قسم درست ہوگئی لیکن بعد میں ممکن الوجود نہ رہنے کی وجہ سے قسم باقی نہیں رہے گی اور لغو ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے آسمان پر چڑھنے کی قسم کھائی یا پتھر کو سونا بنانے کی قسم کھائی تو حقیقت میں ایسا ہوا ہے، جنات اور فرشتے بھی آسمان میں جاتے ہیں، اولیائے کرام بھی آسمانوں پر اڑتے

ہیں، اس لیے اس قسم کو پورا کرنا حقیقتاً ممکن ہے گو عادۃً ایسا ہوتا نہیں اس لیے حقیقت میں امکان ہونے کی وجہ سے قسم منعقد ہو جائے گی البتہ عادتاً ممکن نہ ہونے کی وجہ سے فوراً حانث ہو جائے گا، تاہم آج کل آسمان اور فضا میں اڑنا عادتاً ممکن ہے اس لیے آج کل فوراً حانث نہیں ہونا چاہیے۔ اس مسئلے کی تفصیل تعلیق الطلاق کے تحت گزر چکی ہے۔

یہ تمام تر تفصیل طرفین اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قاعدہ نہیں ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کا مطلب ہی کفارہ دینا ہوتا ہے، اس لیے قسم ہو جائے گی اور کفارہ واجب ہو گا، تاہم الیوم والی صورت میں کفارہ فوری طور پر واجب نہ ہو گا بلکہ جب امکان ختم ہو تب کفارہ واجب ہو گا اور بقیہ صورتوں میں فوراً کفارہ واجب ہو گا۔

البتہ ایک صورت ایسی ہے کہ بالاتفاق حانث ہو جائے گا اور وہ یہ کہ پیالے میں پانی ہو اور کوئی یہ کہے کہ میں اس پیالے کا یہ پانی پیوں گا، الیوم کا لفظ نہ ہو یعنی یمین مطلقہ ہو اور پھر وہ پانی کوئی گرادے تو حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ وہی صورت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے میں اگر میں تمہیں طلاق نہ دوں تو تمہیں طلاق، تو اس کو مرنے سے ایک لحظہ پہلے طلاق ہوتی ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے پہلے تک قسم پر عمل کرنا ممکن تھا اسی طرح یہاں بھی پانی گرانے سے پہلے پہلے تک عمل ممکن تھا۔ اس صورت میں اگر پانی موجود ہوتے ہوئے حالف مرنے لگے تو مرنے سے پہلے حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ عمل ممکن تھا۔

قسم کھائی کہ جب تک زید اجازت نہ دے میں تم سے بات نہیں کروں گا، تو زید کی اجازت کے بغیر بات کی تو حانث ہو جائے گا، اجازت سے بات کی تو حانث نہیں ہو گا۔ اگر زید ہی مر گیا تو امکان بر نہ رہنے کی وجہ سے حانث نہ ہو گا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قسم مؤبد ہو جائے گی، جب بھی بات کرے گا حانث ہو جائے گا۔ کما مر

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (149/5)

(وَإِنْ مَاتَ فُلَانٌ سَقَطَتِ الْيَمِينُ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْمَمْنُوعَ عَنْهُ كَلَامٌ يَنْتَهِي بِالْإِذْنِ وَالْقُدُومِ وَلَمْ يَبْقَ بَعْدَ الْمَوْتِ مُتَصَوَّرَ الْوُجُودِ فَسَقَطَتِ الْيَمِينُ وَعِنْدَهُ التَّصَوُّرُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَعِنْدَ سُقُوطِ الْغَايَةِ تَتَأَبَّدُ الْيَمِينُ

بات نہ کرنے کی قسم

قسم کھائی کہ میں اکرام سے بات نہیں کروں گا۔ پھر جب وہ سو رہا تھا تب اس سے بات کی تو ایک قول یہ ہے کہ حانث ہو جائے گا، کیونکہ اس کے کانوں تک آواز پہنچ سکتا ہے، لیکن اس کی غفلت اور نیند کی وجہ سے وہ سن نہیں سکا، لیکن عرف کو دیکھا جائے تو حانث نہ ہونا متعین ہے؛ کیونکہ عرفاً اسے اس وقت حانث سمجھا جاتا ہے جب اسے بیدار کر کے بات کرے۔

قسم کھائی کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے بات نہیں کروں گا تو حانث نہ ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: ایک، اکرام زبان سے اجازت دے، اس کی دلی رضا کافی نہیں۔ دوسری، اجازت کا علم حالف کو بھی ہو جائے، لہذا اگر اسے علم نہ ہو وہ یہی سمجھے کہ مجھے اجازت نہیں دی پھر بھی اس نے بات کر لی تو حانث ہو جائے گا۔ اگر یہ قسم کھائی تھی کہ اس کی رضا کے بغیر بات نہیں کروں گا تو صرف دلی رضا کافی ہے پھر یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (145/5)

(وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَحْنَثُ) وَهَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْهُ كَمَا ذَكَرَهُ الْأَقْطَعُ فِي شَرْحِهِ حَيْثُ قَالَ ظَاهِرُ قَوْلِهِمْ يَحْنَثُ

قسم کھائی کہ اس سے ایک ماہ تک بات نہیں کروں گا تو قسم کے فوراً بعد سے اس کا اطلاق ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر یوں کہے کہ میں ایک ماہ روزے رکھوں گا تو فوری طور پر

روزے رکھنا ضروری نہیں، یہ فرق اس لیے ہے کہ اگر مہینے کا لفظ ہٹا کر ان جملوں کو سمجھیں تو بات کی قسم میں ہمیشہ کے لیے بات کرنا ممنوع ہو جاتا ہے جبکہ روزے کی صورت میں صرف ایک روزہ فرض ہوتا ہے، ہمیشہ کے لیے روزے فرض نہیں ہوتے۔ اسی طرح روزہ صرف دن کا ہوتا ہے رات بیچ میں ضرور حائل ہوتی ہے جبکہ بات نہ کرنے کی قسم دن رات مسلسل ہر وقت کو شامل ہوتی ہے اس لیے لا اکلمہ شہرا کہنے کے متصلاً بعد ایک ماہ کے لیے بات کرنا ممنوع ہو گا، اس کے بعد بات کر سکتا ہے واللہ لا صومن شہرا کی صورت میں اتصال اور تسلسل ضروری نہیں۔

قسم کھائی کہ کوئی بات نہیں کروں گا۔ پھر قرآن کریم کی تلاوت کرلی، یا ذکر و تسبیح کی تو ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً حانث ہو جائے؛ کیونکہ یہ بھی کلام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں حانث نہ ہو گا، غیر نماز میں حانث ہو جائے گا۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - إِنَّ صَلَاتَنَا هٰذِهٖ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ. صحیح یہ ہے کہ مطلقاً حانث نہ ہو گا؛ کیونکہ عرف میں اسے کلام نہیں سمجھا جاتا۔

قسم کھائی کہ جس دن میں زید سے بات کروں تو بیوی کو طلاق۔ تو رات بھی شامل ہو گی، یہی عرف ہے۔ تاہم کسی نے صرف دن کے اجالے کی نیت کی تو نہ دیانتاً حانث ہو گا نہ قضاءً۔ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُدِينُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ خِلَافُ الْمُتَعَارَفِ قسم کھائی کہ جس رات میں زید سے بات کروں تو بیوی کو طلاق۔ تو رات ہی مراد ہو گی، دن نہیں۔ یہی عرف ہے۔

ملتے جلتے تین طرح کے مسائل

وَمَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ وَلَمْ يَنْوِ عَبْدًا بِعَيْنِهٖ أَوِ امْرَأَةَ فُلَانٍ أَوْ صَدِيقَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهٗ أَوْ بَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهٗ أَوْ عَادَى صَدِيقَهٗ فَكَلَّمَهُمْ

1۔ قسم کھائی کہ میں زید کے کسی غلام سے بات نہیں کروں گا۔یا قسم کھائی کہ میں زید کی کسی بیوی سے بات نہیں کروں گا۔ قسم کھائی کہ میں زید کے کسی دوست سے بات نہیں کروں گا۔ پہلی مثال اضافت ملک کی ہے اور مضاف معین نہیں بلکہ نکرہ ہے،دوسری دو مثالوں میں اضافت نسبت ہے اور مضاف ان میں بھی غیر معین ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر زید سے ان کی نسبت ختم ہو جائے پھر حالف بات کرے تو حانث ہو گا یا نہیں؟

2۔ قسم کھائی کہ میں زید کے اس غلام سے بات نہیں کروں گا۔یا قسم کھائی کہ میں زید کی اس بیوی سے بات نہیں کروں گا۔ قسم کھائی کہ میں زید کے اس دوست سے بات نہیں کروں گا۔ان تینوں مثالوں میں ھذا اسم اشارہ سے مشارالیہ متعین کر دیا گیا ہے۔پھر زید سے ان کی نسبت ختم ہونے کے بعد حالف بات کرے تو حانث ہو گا یا نہیں؟

3۔ قسم کھائی کہ میں زید کے اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔یا قسم کھائی کہ میں زید کے ان کپڑوں کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔وغیرہ۔اضافت ملک ہے اور ھذا اسم اشارہ سے مشارالیہ متعین کر دیا گیا ہے۔ پھر زید سے ان کی نسبت ختم ہونے کے بعد حالف وہ کام کر گزرے تو حانث ہو گا یا نہیں؟

بحث کا دارومدار اس پر ہے کہ حالف نے قسم کس غرض سے کھائی ہو گی؟اور قاعدہ کیا مقرر کیا جائے؟

پہلی قسم کی پہلی مثال جس میں اضافت ملک ہے اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے کہ زید کی ملکیت سے نکلنے کے بعد بات کرے گا تو حانث نہ ہو گا؛کیونکہ غلام کی کیا حیثیت ہے کہ اس سے ناراض ہو کر کوئی اللہ کی قسم کھائے گا اس لیے قسم سے مقصود غلام کی ذات نہیں،بلکہ مضاف الیہ مقصود ہو گا۔اسی طرح قسم ثانی میں معین دوست اور معین بیوی کے بارے میں

اتفاق ہے کہ قسم سے مشارالیہ کی ذات مراد ہے، زید مقصود نہیں، اس لیے زید سے ان کی نسبت باقی رہے یا نہ رہے اگر حالف نے ان سے بات کی تو وہ حانث ہو جائے گا۔

بقیہ امثلہ میں اختلاف ہے: پہلی قسم میں زید کی بیوی اور دوست کے بارے میں امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی بیوی اور دوست ہی قسم سے مقصود ہیں، اس لیے نسبت زید سے رہے نہ رہے بات کرنے سے حانث ہو جائے گا۔

شیخین کا موقف یہ ہے کہ قسم اول کی ان دو مثالوں (یعنی اضافت نسبت والی امثلہ) کے اندر جیسے یہ احتمال ہے کہ بیوی اور دوست قسم سے مقصود ہیں وہیں یہ بھی احتمال ہے کہ مضاف الیہ یعنی زید سے کسی دشمنی کی وجہ سے یہ قسم کھائی جارہی ہے، اس لیے جب دونوں احتمال آگئے تو کثرت احتمالات کی وجہ سے قسم ٹوٹنا مشکوک ہو گیا اور شک سے قسم نہیں ٹوٹتی ،اس لیے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

قسم ثانی اور ثالث کے بارے میں امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ کا موقف یہ ہے کہ اسم اشارہ سے تعین پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے آخری دونوں قسموں میں مشارالیہ کی ذات سے قسم وابستہ ہو گی ،اگر زید سے ان کی نسبت ختم ہو جائے تب بھی قسم کی خلاف ورزی جائز نہیں، اگر کی تو حانث ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر زید کا وہ معین غلام اس کی ملکیت سے نکل گیا، زید کی وہ معین بیوی اس کی زوجیت سے نکل گئی، معین دوست دشمن بن گیا پھر بات ہوئی تو امام محمد کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر زید نے مشارالیہ گھر بیچ دیا پھر حالف وہاں داخل ہوا تو بھی وہ حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ مشارالیہ کی ذات ہی قسم سے مقصود تھی۔

قسم ثانی کے اندر بیوی اور دوست کے بارے میں شیخین کا وہی موقف ہے جو امام محمد نے تفصیل سے بیان کیا۔ قسم ثانی کی پہلی صورت اور قسم ثالث کے بارے میں شیخین کا موقف یہ ہے کہ غلام کی کیا حیثیت ہے کہ اس سے ناراض ہو کر کوئی اللہ کی قسم کھائے گا؟ اسی طرح

گھر اور کپڑے کی کیا اوقات ہے کہ ان سے ناراض ہو کر کوئی اللہ کی قسم کھائے گا، اس لیے ان جیسی بے وقعت اشیا کے اندر مضاف الیہ مقصود ہوگا، مشار الیہ نہیں۔ اس لیے جب تک زید سے منسوب ہیں تب تک قسم باقی رہے گی، اس کے بعد حانث نہیں ہوگا۔

فتح القدیر للکمال ابن الہمام (152/5)

وَقَدْ رَجَّحَ ابْنُ الْعِزِّ قَوْلَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ بِأَنَّ الْعَبْدَ وَإِنْ كَانَ سَاقِطَ الْمَنْزِلَةِ قَدْ يُقْصَدُ بِالْهِجْرَانِ وَالْحَالِفُ لَوْ أَرَادَ هِجْرَانَهُ لِأَجْلِ سَيِّدِهِ لَمْ يَحْتَجْ إِلَى الْإِشَارَةِ فَلَمَّا أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ هٰذَا عُلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ قَصْدُهُ بِالْهِجْرَانِ وَقَالَ وَكَذٰلِكَ الدَّارُ وَلٰكِنَّ الْعَبْدَ أَظْهَرُ لِظُهُورِ صِحَّةِ قَصْدِهِ بِالْهِجْرَانِ كَمَا فِي الْمَرْأَةِ وَالصَّدِيقِ انْتَهٰى

حین، زمان اور دھر

عربی زبان میں قسم کھائی کہ لا اکلمہ حینا لا اکلمہ الحین لا اکلمہ زمانا لا اکلمہ الزمان لا اکلمہ دھرا لا اکلمہ الدھر۔ تو حین اور زمان کے بارے میں ائمہ ثلاثہ متفق ہیں کہ چھ ماہ مراد ہوں گے چاہے نکرہ کے طور پر ذکر کریں یا معرفہ کے طور پر؛ کیونکہ ان کے ایک معنی آتے ہیں معمولی زمانہ، ظاہر ہے قسم اس کے لیے کیوں کھائی جائے گی؟ کبھی ہمیشہ کے لیے بات نہ کرنا مراد ہوتا ہے تو یہ بھی بظاہر مراد نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں صرف لا اکلمہ کہنا کافی تھا، کبھی چالیس سال کا زمانہ مراد ہوتا ہے جیسے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر آیت کے اندر حین سے مراد 40 سال کا زمانہ مراد ہے۔ لازما کوئی مقررہ وقت تک کے لیے یہ قسم کھائی گئی ہے اس لیے ہم چھ ماہ کا وقت مراد لے لیں جو ایک متوسط اور مناسب وقت ہے؛ خود قرآن کریم کی آیت توتی اکلھا کل حین میں مراد لیا گیا ہے؛ کیونکہ کھجور کا درخت ہر چھ ماہ کے اندر فصل لے آتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر

متوسط وقت جو کہ چھ ماہ کا وقت ہے وہ مراد ہوگا۔ زمان کا لفظ بھی اسی معنی میں آتا ہے اس لیے جو حکم حین کا بتایا گیا وہی اس کا بھی ہوگا۔

جہاں تک بات ہے لفظ دھر آیا الدھر کی تو الدھر کے بارے میں اتفاق ہے کہ زمانہ بھر یعنی ہمیشہ کے معنی مراد ہوں گے دھر اگر نکرہ ہو تو اس کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب ازراہ دیانت وتقوی فرماتے ہیں کہ قرآن وسنت اور عرف عام میں دھر اکے کوئی معین معنی طے نہیں، اس لیے ہم کوئی ایک معنی مراد نہیں لے سکتے بلکہ سکوت اختیار کریں گے۔ جیسے: دہریہ منکر خدا کے معنی میں مستعمل ہے تو دوسری طرف مایھلکنا الا الدھر کے اندر زمانہ مراد ہے تو تیسری طرف لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ اس حدیث میں اللہ تعالی کو دھر کا کہا گیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک دھر احین کی طرح ہے، چھ ماہ مراد ہوں گے۔

ایام، الایام، شھور، جمع، سنین

عربی زبان میں قسم کھائی کہ لا اکلمہ ایاما لا اکلمہ الایام لا اکلمہ شھورا لا اکلمہ الشھور لا اکلمہ جمعا لا اکلمہ سنین۔ تو ایام نکرہ کہے تو تین دن مراد ہوں گے۔ معرفہ بولے تو امام صاحب کے نزدیک جمع قلت کے قاعدے سے دس دن مراد ہوں گے۔ صاحبین کے نزدیک ایک ہفتہ مراد ہوگا کیونکہ ایک ہفتے کے بعد دن مکرر آئیں گے۔ اسی طرح شھورا اور الشھور کو امام صاحب جمع قلت کے قاعدے کے مطابق دس پر محمول کرتے ہیں۔ صاحبین 12 مہینوں پر محمول کرتے ہیں کہ اسی کے بعد تکرار کی حد شروع ہوتی ہے۔

جمع جمعہ کی جمع ہے۔ سنین سنۃ کی جمع ہے۔ ان الفاظ سے قسم کھائی تو امام صاحب جمع قلت کے قاعدے کے مطابق دس پر محمول کرتے ہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک اس سے ساری زندگی مراد ہوگی۔

طلاق وعتق کی قسم

اس طرح کے مسائل کتاب الطلاق میں گزر چکے ہیں۔ اگر شوہر یہ کہہ دے کہ تو نے بچہ پیدا کیا تو تجھے طلاق، پھر مردہ بچہ پیدا ہوا تو بھی طلاق ہو جائے گی۔ بقیہ مسائل غلام باندی کے ہیں، اس لیے نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔

ایک شوہر کی تین بیویاں تھیں، اس نے کہا کہ میری اس بیوی یا اس بیوی کو طلاق اور اس کو طلاق۔ تو تیسری کو فوراً طلاق ہو جائے گی اور پہلی دو میں سے کس کو طلاق ہو گی؟ اس کے بارے میں خود شوہر سے پوچھا جائے گا کہ کون سی والی مراد ہے۔

بیع وشرا اور تزوج کی قسم

دو اصول، چار طرح کے مسائل

1۔ قسم کھائی: لَایَبِیعُ یالَایَشْتَرِی یالَایُؤَجِّر یالَایَسْتَأْجِر یالَایُصَالِحُ عَنْ مَالٍ یالَایُقَاسِمُ پھر خود یہ کام نہیں کیے بلکہ کسی سے کروائے۔

2۔ قسم کھائی: لَایَتَزَوَّجُ یالَایُطَلِّقُ یالَایُعْتِقُ یالَایَهَبُ یالَایَتَصَدَّقُ یالَایُوصِی یالَایَسْتَقْرِضُ یالَا یُصَالِحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ یالَایُودِعُ یا لَایَقْبَلُ الْوَدِیعَةَ یا لَایُعِیرُ یا لَایَسْتَعِیرُ پھر خود یہ کام نہیں کیے بلکہ کسی سے کروائے۔

3۔ قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کی پٹائی نہیں کروں گا۔ اپنی بکری ذبح نہیں کروں گا۔ پھر خود یہ کام نہیں کیے بلکہ کسی سے کروائے۔

4۔ قسم کھائی کہ میں اپنے بچے کی پٹائی نہیں کروں گا۔ پھر خود پٹائی نہیں کی بلکہ کسی سے کروائی۔

اس باب کا پہلا اصول یہ ہے کہ وہ تمام عقود جن میں شرعاً عقد کا ذمہ دار وکیل یا نائب سمجھا جاتا ہے یا دوسرے لفظوں میں عقد کرتے وقت عقد کی نسبت مباشر کی طرف کی جاتی ہے

، مؤکل یا آمر کی طرف نسبت نہیں کی جاتی، ایسے عقود کو سرانجام دیا جائے تو ان کی نسبت وکیل، نائب اور مباشر ہی کی طرف کی جائے گی، مؤکل یا آمر کی طرف نہیں۔ چنانچہ قسم اول کے تمام عقود میں اگر آپ غور کریں تو اندازہ ہو گا کہ ان کی ذمہ داریاں مباشر اور وکیل پر عائد ہوتی ہیں، ان کی نسبت مباشر اور وکیل کی طرف کی جاتی ہے مؤکل یا آمر کی طرف نہیں، اس لیے مؤکل اور آمر حانث نہ ہو گا۔ الا یہ کہ اس نے نیت کی ہو یا پھر وہ شخص ہی ایسا ہو کہ اس کے کام اس کے وکیل، اس کے سیکریٹری اور نائب ہی انجام دیتے ہوں تو حانث ہو جائے گا۔

اس کے برعکس قسم ثانی کے عقود میں وکیل کی حیثیت محض سفیر اور معبر کی ہے، وہ عقد کے احکام کا ذمہ دار نہیں سمجھا جاتا اس لیے خود کرے یا کسی سے کروائے دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ اگر وہ نیت بتائے کہ میری نیت یہ تھی کہ میں خود نہیں کروں گا تو دیانتاً تصدیق کی جائے گی، قضاءً نہیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ فعل کا فائدہ اس کے محل کو ہی پہنچے تو اس صورت میں حانث ہو گا جب خود وہ فعل انجام دے، کسی نائب سے کروائے گا تو حانث نہ ہو گا، اس کے برعکس اگر فعل کا فائدہ محل فعل کو نہیں، بلکہ حالف کو پہنچے تو خود کرے یا کسی سے کروائے دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ چنانچہ قسم ثالث میں فعل کا فائدہ محل فعل (بکری یا غلام) کو نہیں، بلکہ حالف کو پہنچتا ہے اس لیے خود کرے یا کسی نائب سے کروائے وہ حانث ہو جائے گا، ویسے بھی یہ کوئی شرعی عقود نہیں، محض ایک فعل ہی ہے، (تاہم اگر حالف کہے کہ میری نیت یہ تھی کہ میں خود اپنے ہاتھوں نہیں کروں گا تو دیانتاً اور قضاءً دونوں صورتوں میں بات مانی جائے گی) جبکہ قسم رابع میں فعل کا فائدہ خود محل فعل یعنی اولاد کو پہنچتا ہے کہ وہ مہذب اور باادب بنتا ہے اس لیے خود کرے تب حانث ہو گا کسی نائب سے کروائے تو حانث نہ ہو گا۔

قسم ثالث میں نیت صرف دیانتاً معتبر ہے، قسم ثالث میں قضاءً بھی معتبر ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق کی نیابت محض سفارت ہوتی ہے، اس لیے لا یطلق کہہ کر قسم کھانے کا اصل مقصد قسم سے یہ ہوتا ہے کہ میں ایسا کام نہیں کروں گا جس سے ہمارے درمیان جدائی ہو۔ اب یہ عام ہے چاہے خود جدا کرے یا نائب کے ذریعے طلاق دلوائے دونوں صورتوں میں مقصود کے خلاف کر لیا اس لیے حانث ہو جائے گا، اب اگر وہ یہ نیت ظاہر کرے کہ میری مراد یہ تھی کہ میں خود طلاق نہیں دوں گا تو یہ خلاف ظاہر کی نیت ہے جو قاعدے کی رو سے صرف دیانتاً معتبر ہے۔ جبکہ قسم ثالث میں مقصود یہ تھا کہ ضرب کا فعل میں نہیں کروں گا، اس میں خود کرنا ہی حقیقی معنی ہیں، اس لیے اگر وہ حقیقی معنی کی نیت کر رہا ہے تو یہ خلاف ظاہر نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ طلاق وغیرہ زبانی کلامی چیز ہے جبکہ ضرب فعل حسی ہے۔

إنْ بِعتَ لَكَ هٰذَا الثَّوْب، ان بعت ثوبالك

قسم کھائی: میں تمہاری خاطر تمہارے کپڑے فروخت نہیں کروں گا یا تمہاری خاطر کپڑے نہیں رنگوں گا یا تمہارے لیے کپڑے نہیں سیوں گا یا میں تمہارے لیے زیور تیار نہیں کروں گا، میں تمہارے لیے عمارت نہیں بناؤں گا یا وہ تمام افعال جن میں نیابت جاری ہو سکتی ہیں، ان میں فعل کو خاص کیا کہ تمہارے لیے یہ کام نہیں کروں گا تو اس وقت حانث ہو گا جب اپنے اختیار اور علم سے وہ کام کرے، اگر محلوف علیہ یا کسی اور نے وہ کام انجانے میں اس سے کروا دیا تو حانث نہ ہو گا۔ ہاں! اگر فعل کو خاص نہیں کیا، بلکہ چیز کو خاص کیا کہ میں تمہارے کپڑے نہیں بیچوں گا، یا تمہارے کپڑے نہیں سیوں گا یا تمہارے زیور تیار نہیں کروں گا، وغیرہ۔ تو اس صورت میں علم ہو یا نہ ہو کسی بھی طرح وہ فعل اس سے سرزد ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ پیچھے گزر چکی ہے کہ وہ تمام عقود جن میں عقد کرتے وقت عقد کی نسبت مباشر کی طرف کی جاتی ہے، مؤکل یا آمر کی طرف نسبت نہیں کی جاتی، ایسے عقود کو خود اپنے اختیار اور علم سے انجام دیا جائے تبھی اس فعل کی نسبت بندے کی طرف کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔ اس لیے بیع، خیاطت، صیاغت وغیرہ افعال جب اپنے علم واختیار سے نہیں کیے تو نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

جبکہ چیز خاص کرنے کی صورت میں بس اتنا کافی ہے کہ چیز حالف کی مملوکہ ہو، علم واختیار شرط نہیں۔ اسی طرح وہ تمام افعال جن میں نیابت جاری نہیں ہوتی، جیسے کھانا، پینا، آنا، جانا، مثلاً: میں تمہارے لیے کھانا نہیں کھاؤں گا، یہ کہے یا تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا، یہ کہے دونوں صورتیں یکساں ہیں، چاہے فعل کو خاص کیا ہو یا چیز کو، دونوں صورتوں میں وہ کام ہونے پر حانث ہو جائے گا چاہے علم ہو یا انجانے میں ہو، بشرطیکہ وہ چیز اس کی مملوکہ ہو۔ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ فَلَا يَفْتَرِقُ الْحُكْمُ فِيهِ فِي الْوَجْهَيْنِ.

دوسری کو فوراً طلاق دو!

بیوی نے شوہر سے غصے سے کہا: تم نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اسے فوراً طلاق دو۔ اس پر شوہر اگر یہ کہہ دیتا کہ ہاں! میں نے اسے طلاق دی، یا آپ کے علاوہ میری کوئی بیوی ہو تو اسے طلاق، وغیرہ یعنی بیوی نے جیسا سوال کیا تھا ویسا جواب شوہر نے دیا ہو تو دوسری بیوی کو (اگر وہ ہو تو) طلاق ہوتی، اس پہلی بیوی کو طلاق نہ ہوتی، لیکن شوہر نے ایسا جواب نہیں دیا بلکہ الفاظ چینج کر دیے۔ کیا کہا؟ یہ کہا: میری ہر بیوی کو طلاق۔ اگر وہ اپنی نیت یہی بتائے کہ دوسری بیوی مراد تھی تو دیانتاً بات مانی جائے گی، قضاءً نہیں۔ لیکن اگر کوئی نیت نہ ہو تو کیا پہلی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہیں؟ تو امام ابویوسف رحمہ اللہ شوہر کے مقصد کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ طلاق نہ ہوگی:

کیونکہ شوہر کا مقصد یہی ہے کہ پہلی بیوی کو خوش کردے، اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب دوسری کو طلاق ہو، اسے نہیں۔

فتح القدیر للکمال ابن الھمام (180/5)

وَاخْتَارَهُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ وَكَثِيرٌ مِنَ الْمَشَايِخِ لِأَنَّ الْكَلَامَ خَرَجَ جَوَابًا فَيَنْطَبِقُ عَلَى السُّؤَالِ فَكَأَنَّهُ قَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ لِي غَيْرَكِ طَالِقٌ دَلَالَةً

البنایۃ شرح الھدایۃ (228/6)

وعن أبي يوسف رحمه الله أنها) أي أن التي حلفته عليه: (لا تطلق) وما ل أكثرهم إلى هذا القول

جبکہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ پہلی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ اس جملے کا اگر ایک مقصد وہ ہے جو امام ابویوسف رحمہ اللہ نے بتایا تو دوسرا احتمال یہ بھی نکل سکتا ہے کہ تم کون ہوتی ہو مجھے دوسری شادی سے روکنے والی جاؤ تمہیں ہی طلاق۔ اس لیے جب دونوں ہی احتمال نکل رہے ہیں تو محض شک کی وجہ سے ایک عام جملے کو ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں کر سکتے ، بلکہ الفاظ کو دیکھتے ہوئے اسے عام ہی رکھا جائے گا اور ہر بیوی چاہے پہلی ہو یا دوسری سبھی کو طلاق ہو جائے گی۔

اکثر مشائخ نے امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ قسم کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے، اس قاعدے کی رو سے بھی امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ الْيَمِيْنِ فِي الْحَجِّ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ

منت کا ضابطہ

واضح رہے کہ نذر ایسی چیز کی صحیح ہوتی ہے جو عبادت مقصودہ ہو اور اس عمل کی جنس سے کوئی واجب ہو۔

علی المشی الی بیت اللہ تعالی

اس اصول کے مطابق مکہ یا بیت اللہ پیدل چل کر جانا کوئی عبادت نہیں، اس لیے اس کی منت بھی درست نہیں ہونی چاہیے، لیکن قدیم عربوں کے ہاں عرف تھا کہ علی المشی الی بیت اللہ تعالی یا علی المشی الی الکعبة کہنے سے ان کی مراد حج یا عمرہ کی عبادت ہوتی تھی، اس لیے اس زمانے میں یہی فتوی دیا گیا کہ پیدل حج یا عمرہ واجب ہو گا۔ اگر پیدل کے بجائے سوار ہو کر کیا تو دم واجب تھا، تاہم چونکہ عرف انہی الفاظ کا تھا اس لیے ان کی جگہ کوئی اور الفاظ استعمال کرے، جیسے: عَلَيَّ الْخُرُوْجُ إِلَى بَيْتِ اللهِ تَعَالَى عَلَيَّ الذَّهَابُ إِلَى بَيْتِ اللهِ تَعَالَى عَلَيَّ الْمَشْيُ إِلَى الْحَرَمِ، عَلَيَّ الْمَشْيُ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تو اس سے حج یا عمرہ واجب نہیں، بلکہ قیاس کے مطابق صرف ان مقامات کی طرف پیدل چل کر جانے، یا نکلنے کی منت ہے جو شرعاً لغو ہے۔

یہ تفصیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ صاحبین کے نزدیک عَلَيَّ الْمَشْيُ إِلَى الْحَرَمِ اور عَلَيَّ الْمَشْيُ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے نذر منعقد ہو جائے گی؛ کیونکہ حرم اور مسجد حرام دونوں ہی بیت اللہ سے متصل ہیں، اس لیے بیت اللہ کہنے کے ہی معنی میں ہے۔

اگر اس سال حج نہ کیا تو بیوی کو طلاق

کسی نے قسم کھائی کہ اگر میں نے اس سال حج نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر عدالت میں دو گواہوں نے گواہی دی کہ ہم نے اس شخص کو بکرا عید کے موقع پر کراچی میں قربانی کرتے

ہوئے دیکھا ہے تو کیا ایام حج میں اس کا کراچی میں قیام اور قربانی اس کی دلیل بن سکتی ہے کہ اس نے حج نہیں کیا اور کیا اس بنا پر اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے اور ظاہر ہے قیاس اور عقل بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

شہادۃ علی النفی کا قاعدہ

شیخین کے نزدیک جواب نفی میں ہے؛ کیونکہ گواہوں کی گواہی کو دیکھیں تو وہ قربانی پر ہے حج کرنے یا نہ کرنے پر نہیں۔ اور قربانی عبادت ہے جو انسان کی پرسنل لائف کا مسئلہ ہے اور اللہ اور بندے کے بیچ کا معاملہ ہے، اس کا دنیا میں کوئی مطالب موجود نہیں، اس لیے عدالت اس کی پوچھ گچھ کر ہی نہیں کر سکتی۔ لہذا اول تو یہ گواہی لغو ہے، ثانیاً اگر اس گواہی کے لازم کو مان بھی لیا جائے کہ اس نے حج نہیں کیا تو یہ نفی کی گواہی بنے گی اور قاعدہ ہے کہ گواہی اثبات کے لیے ہوتی ہے، نفی کے لیے نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ گواہ اپنے علم کے مطابق تو صحیح ہی کہہ رہے ہیں، غلط بیانی نہیں کر رہے تو جواب یہ ہے کہ گواہ سچے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن آسانی کی خاطر ہر قسم کی شہادۃ علی النفی غیر معتبر ہے۔

لایصوم اور لایصوم یوما کے درمیان فرق

صوم کے معنی ہیں امساک۔ لایصوم کا اطلاق، معمولی امساک پر بھی ہوتا ہے اس لیے تھوڑی دیر کے لیے بھی رزوے کی نیت کر لی بھلے پھر روزہ توڑ دے تو بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ جبکہ لایصوم یوما یا لایصوم صوما پورے روزے کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے جب تک روزہ پورا نہ رکھے حانث نہ ہو گا۔

لایصلی اور لایصلی صلوۃ کے درمیان فرق

صلوۃ کے معنی ہیں: نماز جس کے کئی ارکان ہیں، اس لیے لایصلی کا اطلاق صرف تکبیر تحریمہ پر نہیں بلکہ متعدد ارکان ادا کرنے پر ہوگا، کم از کم سجدہ کرلے اس پر نماز کا اطلاق ہونا چاہیے، اس لیے صرف تکبیر تحریمہ یا رکوع سے حانث نہ ہوگا جب تک سجدہ نہ کرے، لیکن اگر لایصلی صلاۃ کہا ہو تو جب تک چھوٹی نماز جس کی کم از کم دو رکعتیں ہوتی ہیں، نہ پڑھ لے تب تک حانث نہ ہوگا۔

باب الیمین فی لبس الثیاب والحلی وغیر ذلك

نذر کا ایک ضابطہ

شوہر نے نذر مانی کہ میں تیرے ہاتھ کا بُنا ہوا لباس پہنوں تو وہ حرم کے لیے وقف ہوگا۔ تو اس نذر کا اطلاق کس لباس پر ہوگا؟ کیا عورت اپنی مملوکہ روئی سے بُن کردے وہ لباس مراد ہے؟ نذر کے وقت شوہر کی ملکیت میں جو روئی ہو اس سے بنایا ہوا لباس مراد ہے؟ یا نذر کے بعد شوہر کسی روئی کا مالک بنا اور عورت اس سے بُن کردے وہ مراد ہے؟ پہلا احتمال تو بالکل بھی مراد نہیں۔ صاحبین کے نزدیک دوسرا احتمال مراد ہے۔ امام صاحب کے نزدیک دوسرے اور تیسرے دونوں معنی مراد ہوں گے لہذا اگر نذر کے وقت روئی شوہر کی ملکیت میں ہو اور بیوی اس سے بن کردے اور شوہر پہنے تو بھی نذر درست ہے اور شوہر روئی اس قسم کے بعد لائے اور اس سے بیوی بن کردے اور شوہر پہنے تب بھی نذر درست ہے۔

صاحبین حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ لَا نَذْرَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ یعنی غیر مملوکہ چیز میں نذر منعقد نہیں ہوتی۔ لہذا قسم کے بعد ملکیت میں آنے والی روئی اس نذر کے تحت نہیں آسکتی۔ اگر ملکیت کی طرف نسبت نہ ہو تو کم از کم سبب ملکیت کی طرف نسبت ہونی ضروری

ہے، جیسے اگر وہ یہ کہتا کہ إِنِ اشْتَرَيْتُ لِبَاسًا لَكِ فَهُوَ هَدْيٌ تو بیوی کے لیے لباس خریدنے سے نذر پوری کرنا واجب ہوتا، جبکہ یہاں مضاف الی سبب الملک بھی نہیں پائی گئی؛ کیونکہ اس نے ہدی کو غزل اور لبس پر معلق کیا ہے جو سبب ملک نہیں، اس لیے نذر منعقد نہیں ہوگی۔

امام صاحب جواباً فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے نذر کے جزو اول تو موجود نہیں یعنی وقت وہ لباس شوہر کی ملکیت میں نہیں، لیکن دیکھا جائے تو جزو ثانی موجود ہے؛ کیونکہ بیویاں عموماً اپنے شوہر ہی کی مملوکہ روئی بُن کر لباس بناتی ہیں تو شوہر کے اس جملے کا اقتضاء یہی مطلب بنے گا کہ تم نے اگر آئندہ میری ملکیت میں آنے والی روئی سے کپڑا بُن کر لباس میرے لیے بنایا تو وہ ہدی ہوگا، لہذا نذر کا قاعدہ لاگو ہونے کی وجہ سے نذر درست ہو جائے گی۔

قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنوں گا تو قدیم عرف کے مطابق چاندی کی انگوٹھی پہننے سے حانث نہ ہوگا، کیونکہ قدیم زمانے میں اس کے اندر زیور کے معنی مغلوب تھے، لیکن موجودہ عرف میں زیور کے معنی غالب ہیں، اس لیے حانث ہونا چاہیے۔ سونا اور موتی بھی زیور میں شامل ہیں۔ موتی اگر بغیر تاج کے پہنے تو بھی موجودہ عرف کے مطابق حانث ہو جائے گا۔

قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھوں گا، پھر زمین پر چادر یا چٹائی بچھا کر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا؛ کیونکہ عرفاً اسے زمین پر بیٹھنا شمار نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ چادر پر بیٹھنا شمار کیا جاتا ہے، تاہم اگر اپنے دامن یا شلوار پر بیٹھا پھر کہنے لگا کہ میں زمین پر نہیں، بلکہ اپنے دامن یا شلوار پر بیٹھا ہوں تو حانث ہو جائے؛ کیونکہ دامن پر بیٹھنا زمین پر بیٹھنا شمار کیا جاتا ہے؛ کیونکہ دامن اور شلوار لابس کے تابع شمار کیا جاتا ہے۔

قسم کھائی کہ پلنگ پر نہیں سوؤں گا، پھر پلنگ پر چادر بچھا دی یا پلنگ کے فوم پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ عرفاً اسے پلنگ پر سونا ہی شمار کیا جاتا ہے، چادر کو پلنگ کے تابع شمار کیا جاتا ہے، تاہم اگر پلنگ پر کوئی دوسرا پلنگ یا چارپائی رکھ دی اور اس پر بیٹھ گیا تو حانث نہیں ہوگا۔

باب الیمین فی القتل والضرب وغیرہ

قسم کھائی کہ اگر زید کو مارا تو میری بیوی کو طلاق، یا زید کو کپڑے دیے تو میری بیوی کو طلاق، یا اگر زید سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق یا اگر زید سے ملا تو میری بیوی کو طلاق، پھر زید کے انتقال کے بعد اس نے زید کو مارا یا اسے کفن پہنایا یا اس سے بات کی یا اس کو دیکھنے گیا تو ان تمام صورتوں میں عرف عام کی وجہ سے حانث نہ ہو گا۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مردہ کو نہ مار کا احساس ہوتا ہے نہ کپڑے پہننے کا نہ کسی اور چیز کا۔

صاحب ہدایہ اور شارح ابن الہمام کے ظاہری کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے، ان کا موقف وہی لگتا ہے جو بخاری میں قلیب بدر کی حدیث کے ذیل میں امام بخاری نے لکھا ہے۔

فتح القدیر للکمال ابن الهمام (193/5)

(وَالْإِيلَامُ) وَالْأَذَى (لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ) لِأَنَّهُ لَا يُحِسُّ وَلِذَا كَانَ الْحَقُّ أَنَّ الْمَيِّتَ الْمُعَذَّبَ فِي قَبْرِهِ تُوضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ بِقَدْرِ مَا يُحِسُّ بِالْأَلَمِ

فتح القدیر للکمال ابن الهمام (195/5)

(قَوْلُهُ وَكَذَا الْكَلَامُ) يَعْنِي إذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ اقْتَصَرَ عَلَى الْحَيَاةِ فَلَوْ كَلَّمَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ لَا يَحْنَثُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ الْإِفْهَامُ وَالْمَوْتُ يُنَافِيهِ لِأَنَّهُ لَا يَسْمَعُ فَلَا يَفْهَمُ. وَأُورِدَ أَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ لِأَهْلِ الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ: هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَتُكَلِّمُ الْمَوْتَى يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا

أَقُولُ مِنْ هَؤُلَاءِ أَوْ مِنْهُمْ. وَأُجِيبَ بِأَنَّهُ غَيْرُ ثَابِتٍ؛ يَعْنِي مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى وَإِلَّا فَهُوَ فِي الصَّحِيحِ وَذَلِكَ بِسَبَبِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا رَدَّتْهُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: {وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ} [فاطر: 22] {إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى} [النمل: 80] وَبِأَنَّهُ إِنَّمَا قَالَهُ عَلَى وَجْهِ الْمَوْعِظَةِ لِلْأَحْيَاءِ لَا لِإِفْهَامِ الْمَوْتَى كَمَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ قَالَ: " السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ أَمَّا نِسَاؤُكُمْ فَنُكِحَتْ وَأَمَّا أَمْوَالُكُمْ فَقُسِمَتْ وَأَمَّا دُورُكُمْ فَقَدْ سُكِنَتْ فَهَذَا خَبَرُكُمْ عِنْدَنَا فَمَا خَبَرُنَا عِنْدَكُمْ " وَبِأَنَّهُ مَخْصُوصٌ بِأُولَئِكَ تَضْعِيفًا لِلْحَسْرَةِ عَلَيْهِمْ. لَكِنْ بَقِيَ أَنَّهُ رُوِيَ عَنْهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا انْصَرَفُوا. وَلْيُنْظَرْ فِي كِتَابِ الْجَنَائِزِ مِنْ هَذَا الشَّرْحِ

اس کا جواب ہم اوپر دے چکے کہ قسم کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے اس لیے فقہائے احناف نے یہ احکام عرف پر مبنی ہونے کی وجہ سے منطبق کیے ہیں۔

قسم کھائی کہ میں زید کو غسل دوں تو میری بیوی کو طلاق پھر اس نے زید کے انتقال کے بعد اس کو غسل دیا تو طلاق ہو جائے گی؛ کیونکہ غسل کے معنی ہے پانی بہانا اور یہ معنی غسل میت میں بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے حانث ہو جائے گا۔

قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا، پھر اس نے بیوی کو مارا تو نہیں لیکن اس کے بال کھینچے، گلا دبایا اس کو دانتوں سے کاٹا تو اگر ملاعبت اور ہنسی مذاق کے طور پر سب کچھ کیا تو حانث نہیں ہوگا اور غصے میں کیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ مارنے کا مطلب تکلیف پہنچانا اور تکلیف پہنچی اس لیے حانث ہو جائے گا۔

ایک شخص نے مرے ہوئے شخص کے بارے میں قسم کھائی جبکہ اسے معلوم بھی تھا کہ وہ مرچکا ہے: اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق، تو اس کلام کا یہی مطلب نکالا جائے گا کہ اگر یہ اللہ کے زندہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ زندہ ہو گیا تو میں اسے قتل کروں گا۔ لیکن ظاہر ہے عموماً مردہ زندہ نہیں ہوتا اس لیے وہ حانث ہو جائے گا، لیکن اگر اس کو اس کے انتقال کا علم نہ تھا پھر یہ قسم کھائی تو امکان بر نہ ہونے کی وجہ سے حانث نہ ہو گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ کوز والے مسئلے میں مزید تفصیل گزر چکی ہے لیکن اس میں علم ہونے نہ ہونے سے مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہاں فرق پڑے گا۔ ھو الصحیح

باب الیمین فی تقاضی الدراھم

قسم کھائی کہ میں عنقریب آپ کا قرض ادا کر دوں گا تو عنقریب کا اطلاق ایک ماہ سے کم کم پر ہو گا، ایک ماہ یا زیادہ وقت گزر گیا تو حانث ہو جائے گا۔ قسم کھائی کہ میں آپ کا قرض تاخیر سے ادا کروں گا تو اس کی کم سے کم تحدید ایک ماہ سے کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ایک ماہ سے کم قریب ہے اور ایک ماہ اور اس سے زیادہ وقت بعید ہے۔

قسم کھائی کہ میں آج آپ کا قرضہ ادا کر کے رہوں گا، پھر اس نے عمدہ دراہم کے بجائے کھوٹے دراہم دے دیے یا نبھرجہ جو کھوٹے سے بھی کم درجے کے سکے کہلائے جاتے ہیں، وہ دے دیے تو قسم نہیں ٹوٹے گی؛ کیونکہ تاجر لوگ چشم پوشی کر کے ان دراہم کو دراہم مان لیتے ہیں (حتی کہ کسی اور کے سکے اٹھا کر دے دیے تو بھی حانث نہ ہو گا کیونکہ ظاہر میں تو اس نے قسم پوری کر کے دکھا دی، یہ الگ بات ہے کہ عدالت یہ سکے واپس کروائے گی) اسی طرح اگر سکوں کے بدلے اتنی قیمت کی کوئی چیز دیدی اور دائن نے وصول کر لی تو اس سے بھی بطور مقاصہ قسم پوری ہو جائے گی؛ کیونکہ مقاصہ بھی ادائیگی کا ایک طریقہ ہے۔ ہاں! اگر دائن نے قرضہ معاف

کر دیاتو یہ ادیگی نہیں کہلائے گی کیونکہ معاف کرنا دائن کا فعل ہے حالف کا نہیں۔ اس لیے قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر اس نے اس قسم کو پورا کرنے کے لیے سیسے یا پیتل کے ٹکڑے دے دیے تو حانث ہو جائے گا؛ کیونکہ ان کو کوئی بھی دراہم نہیں مانتا۔ اسی وجہ سے بیع صرف اور بیع سلم کی شرط زیوف یا نبھرجہ سے پوری ہو سکتی ہے سیسا اور پیتل کے ٹکڑوں سے پوری نہیں ہوتی۔

قسم کھائی تھی کہ میں ایک ساتھ سارا قرضہ وصول کروں گا ٹکڑوں میں نہیں، لیکن پھر ٹکڑوں میں وصولی شروع کر دی تو فوراً حانث نہ ہو گا بلکہ جب سارا دین ٹکڑوں میں وصول ہو جائے گا تب قسم ٹوٹے گی؛ کیونکہ نسبت کل قرضے کی طرف کی تھی اس لیے جب تک کل دین ٹکڑوں میں وصول نہ ہو تب تک حانث نہ ہو گا۔ اگر ایک ہی مجلس میں گن گن کر یا الگ الگ وزن کر کے وصول کیا تو اس کو ٹکڑوں میں وصول کرنا نہیں کہیں گے اس لیے حانث نہ ہو گا۔

قسم کھائی کہ میری جیب سے 100 روپے بھی نکل آئے تو میری بیوی کو طلاق۔ تو اگر 100 روپے سے کم پیسے نکلے تو حانث نہ ہو گا، 100 روپے یا اس سے زیادہ نکلے تب حانث ہو گا۔

مسائل متفرقہ

1۔ کسی چیز کے نہ کرنے کی قسم کھائی تو ہمیشہ کے لیے وہ چیز چھوڑنی ہو گی؛ کیونکہ جب یہ کہا کہ میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا تو عموم نفی کی وجہ سے کبھی بھی نہیں کر سکتا، کیا تو حانث ہو جائے گا۔

2۔ کسی چیز کے کرنے کی قسم کھائی تو ایک بار کرنے سے قسم پوری ہو جائے گی اور ایک بار بھی نہ کر سکے تو فوراً حانث نہیں ہو گا، بالکل مرتے وقت حانث ہو گا یا قسم کا محل فوت ہونے سے حانث ہو گا۔

3۔صاحب اقتدار شخص نے اپنے کسی کارندے سے قسم لی کہ تم مجھے ہر ڈاکو اور دہشت گرد کے بارے میں بتاؤ گے تو بظاہر یہ جملہ عام ہے۔وہ شخصیت معزول ہو جائے اس وقت کے لیے بھی اس کا اطلاق ہونا چاہیے، لیکن عرفاً اس کا اطلاق اس کے دور اقتدار کے ساتھ خاص ہے اس لیے معزولی کے بعد بتانا ضروری نہ ہو گا۔

4۔قسم کھائی کہ میں زید کو گفٹ دوں گا۔پھر اس نے زید کو گفٹ دیا لیکن زید نے قبول نہیں کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی؛ کیونکہ ہبہ ایسا عقد ہے جو واہب کے ایجاب سے پورا ہو جاتا ہے، موہوب لہ کا قبول شرط نہیں۔امام زفر رحمہ اللہ اس کو بیع کی طرح مانتے ہیں، لیکن ان کا موقف درست نہیں۔

5۔عربی زبان میں قسم کھائی میں ریحان نہیں سونگھوں گا، پھر اس نے گلاب یا چنبیلی کا پھول سونگھا تو حانث نہیں ہو گا کیونکہ ریحان اس خوشبو کو کہتے ہیں جس کے نیچے ڈنڈی نہ ہو جبکہ یاسمین اور وردہ میں ڈنڈی ہوتی ہے۔

6۔قسم کھائی کہ بنفشہ نہیں خریدوں گا تو قدیم عرف کے مطابق بنفشہ بول کر اس کا تیل مراد ہوتا تھا اس لیے تیل ہی مراد ہو گا لیکن ہمارے زمانے میں بنفشہ کا پھل مراد ہوتا ہے اس لیے تیل مراد نہ ہو گا، پھل مراد ہو گا۔قسم کھائی کہ گلاب نہیں خریدوں گا تو لفظ اپنی وضع کے مطابق بھی اور قدیم اور جدید عرف کے مطابق بھی یہی معنی رکھتا ہے کہ گلاب کا پھول مراد ہو،لہذا اس کا پانی یا تیل یا گلقند وغیرہ خریدنے سے حانث نہ ہو گا۔

خلاصہ ابواب ایمان

قسم کی بنیادی ابحاث آپ نے اوپر ملاحظہ کیں۔ صاحب ہدایہ نے اس کے بعد قسم کی جزئیات کو متعدد ابواب کے تحت بیان کیا ہے۔ جو مسائل جتنے زیادہ پیش آتے ہیں ان کو اسی طرح ابواب کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

محلوف علیہ	حکم
کسی جگہ داخل نہ ہونے یا رہائش نہ کرنے کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
کسی جگہ سے نکلنے نہ نکلنے یا آنے نہ آنے کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
اکل وشرب کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
بات نہ کرنے کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
طلاق وعتق کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
بیع وشرا اور تزوج کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
عبادات: حج روزہ نماز کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
کپڑے اور زیورات کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
قتل وضرب کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔
پیسے وصول کرنے کی قسم	متعدد صورتوں کا الگ الگ حکم، تمام احکام عرف پر مبنی ہیں۔

كتاب الحدود

اللہ تعالیٰ نے معاشرہ میں امن کے قیام کے لیے چند خطرناک جرائم کے ارتکاب پر مختلف نوعیتوں کی سزائیں قیامت تک کے لیے مقرر کردی ہیں۔تاکہ یہ گھناؤنے جرائم سر نہ اٹھاسکیں۔یہ سزائیں جرم کی شناعت کے لحاظ سے سخت ہیں۔جیساجرم خطرناک ہے سزا بھی ایسی ہی سخت اور عبرت ناک ہے۔

کچھ جرائم ایسے ہیں جن کی سزا اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اوراس کا اجرا حق اللہ شمار ہوتا ہے۔یہ سزائیں کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ حکومت بھی معاف نہیں کرسکتی۔حدزنا حد سرقہ،حدرہزنی،شراب پینے کی سزا،تہمت لگانے کی سزا،ارتداد کی سزا۔یہ سب سزائیں حقوق اللہ شمار ہوتی ہیں،جبکہ قصاص حقوق العباد میں سے ہے۔بندے کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتی ہے۔کچھ سزائیں وہ ہیں جن کی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی،بلکہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑدیاہے اس کو تعزیر کہتے ہیں۔

ذیل کی فہرست میں 10 بڑے جرائم،ان کے ثبوت کا طریقہ اور ان کی شرعی سزاملاحظہ فرمائیں:

جرم	ثبوت کا طریقہ	سزا	حق اللہ/حق العبد
قتل عمد	اقرار/دو گواہ	قصاص ہے،کفارہ نہیں۔	حق العبد
قتل خطا	اقرار/دو گواہ	دیت اور کفارہ	حق العبد
شادی شدہ زانی /زانیہ	چاریارا اقرار/چار گواہ	رجم	حق اللہ
غیر شادی شدہ زانی /زانیہ	چار بارا اقرار/چار گواہ	100 کوڑے	حق اللہ

زنا کی جھوٹی تہمت	اقرار/دو گواہ	80 کوڑے	حق اللہ غالب ہے
چوری	اقرار/دو گواہ	ہاتھ کاٹنا	حق اللہ
شراب پینا	اقرار/دو گواہ	80 کوڑے	حق اللہ
دہشت گردی ،ڈکیتی	اقرار/دو گواہ	قتل، سولی یا قتل وسولی دونوں یا قید جرم کے مطابق	حق اللہ
ارتدادوزندقہ	اقرار/دو گواہ	قتل	حق اللہ
گستاخی رسول ﷺ	اقرار/دو گواہ	قتل(یہ مختلف فیہ ہے)احناف کے نزدیک تعزیراً قتل کیاجاسکتاہے	حق اللہ

تاہم کسی جرم کے ثبوت میں شکوک وشبہات آجائیں تواس کو شریعت کے مقرر کردہ سزا نہیں دی جائے گی بلکہ یہ سزا ساقط ہوجائے گی۔

حد زنا

عاقل بالغ مسلمان جو بولنے کی صلاحیت سے محروم نہ ہو اس کا دارالاسلام میں کسی بالغہ یا مشتہاۃ جو نہ اس کی بیوی ہو نہ باندی اور نہ ہی بیوی یا ملکیت کا شبہ ہو، کی آگے کی راہ میں وطی کرنا زنا کہلاتا ہے۔ پچھلے مقام میں وطی لواطت ہے۔ اس کی سزا تعزیر ہے۔ اجنبیہ سے تفخیذ وتبطین وغیرہ میں بھی تعزیر ہے۔ ملکیت کا شبہ ہو تو بھی تعزیر ہے، حد نہیں۔

سرسری خاکا

جرم	ثبوت	سزا
محصن کا زنا	چار بار اقرار/چار گواہ	رجم
غیر شادی شدہ کا زنا	چار بار اقرار/چار گواہ	100 کوڑے

رجم / زنا کے احصان کی شرائط:

1۔۔۔ زانی / زانیہ آزاد ہو، غلام نہ ہو لہذا غلام محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

2۔۔۔ زانی / زانیہ عاقل ہو۔ مجنون نہ ہو، لہذا مجنون محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

3۔۔۔ زانی / زانیہ بالغ ہو۔ نابالغ محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

4۔۔۔ زانی / زانیہ مسلمان ہو۔ لہذا کافر محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

5۔۔۔ زانی / زانیہ نے نکاح صحیح کیا ہو۔ لہذا صرف منگنی ہوئی یا منگنی وغیرہ کچھ بھی نہ ہوا ہو تو وہ محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

6۔۔۔ زانی / زانیہ نے دخول بھی کر لیا ہو۔ لہذا رخصتی سے پہلے زنا کر لیا ہو تو وہ محصن نہیں۔ اسے رجم نہیں کیا جاسکتا۔

7۔۔۔ جس وقت زنا ہوا اس وقت دونوں آزاد عاقل بالغ مسلمان ہوں۔ لہذا زنا کے وقت جانبین میں سے کوئی ایک غلام یا نابالغ، یا مجنون یا غیر مسلم ہو تو دونوں میں سے کسی کو بھی رجم نہیں کیا جائے گا۔ ہاں! اگر ان چار شرائط کے علاوہ کوئی شرط کسی ایک میں کم ہو تو جس میں شرائط پوری ہیں اسے رجم کیا جائے گا اور جس کے اندر شرائط پوری نہیں ہے اسے کوڑے مارے جائیں گے۔

شبہ کی تین اقسام:

حد زنا تین میں سے کوئی ایک بھی شبہ پائے جانے سے ساقط ہو جاتی ہے۔ شبہ فی الفعل، شبہ فی المحل اور شبہ بالعقد۔

1۔ شبہ فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ کسی نامحرم کے ساتھ اسے حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے، جیسے: باپ کی باندی سے یہ سمجھ کر زنا کر لیا کہ جب باپ کے گھر کی دوسری چیزیں مباح ہیں تو باندی بھی مباح ہی ہو گی۔

2۔شبہ فی المحل کا مطلب یہ ہے کہ کسی نامحرم کے ساتھ زنا کر بیٹھے، چاہے وہ حلال سمجھتے ہوئے کرے یا حرام؛ لیکن فی نفسہ کوئی دلیل شرعی اس کی حلت کی موجود ہو جس سے وہ استدلال کر سکتا ہو، جیسے: باپ اپنے بیٹے کی باندی سے زنا کر لے تو اسے حد نہیں لگے گی چاہے وہ اسے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔ کیونکہ انت ومالك لابيك سے فی نفسہ کسی درجے میں اس کی حلت کی دلیل موجود ہے۔

شبہ فی الفعل اور شبہ فی المحل میں فرق یہ ہوا کہ شبہ فی الفعل میں شبہ ظن کی وجہ سے آتا ہے دلیل کی وجہ سے نہیں جبکہ شبہ فی المحل میں شبہ دلیل سے پیدا ہوتا ہے ظن سے نہیں۔

3۔شبہ بالعقد کا مطلب یہ ہے کہ کسی محرم عورت سے عقد نکاح کر لے، چاہے حلال سمجھتے ہوئے کرے یا حرام۔ اس صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ صاحبین اور جمہور کے نزدیک حرام سمجھتے ہوئے کرے تو حد لگے گی۔ فتوی جمہور کے قول پر ہے۔

خلاصۂ احکام

شبہ فی الفعل	شبہ فی المحل	شبہ بالعقد
بیوی کی باندی سے اسے حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے	بیٹے یا پوتے نواسے کی باندی سے زنا، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	محارم سے نکاح کر کے وطی کر لے چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام
باپ یا دادا کی باندی سے اسے حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے	مطلقہ کنائیہ سے دوران عدت وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	بغیر گواہوں کے نکاح کر کے وطی کر لے، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام
ماں یا جدہ کی باندی سے اسے حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے	مبیعہ باندی سے اس کا قبضہ دینے سے پہلے وطی، چاہے حلال	باندی سے اس کے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح

	سمجھ کر کرے یا حرام۔	وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام
مطلقہ ثلاثہ سے دوران عدت حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے۔	مہر میں طے شدہ باندی سے اس کا قبضہ دینے سے پہلے وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	کوئی شافعی مقلد عورت سے اس کی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح و وطی کرے، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام
مطلقہ بائنہ سے دوران عدت حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے۔	مشترکہ باندی سے وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	صاحبین کے نزدیک حرام سمجھتے ہوئے نکاح کرے تو حد لگے گی، حلال سمجھتے ہوئے کرے تو نہیں لگے گی۔ وعلیہ الفتوی
مختلعہ سے دوران عدت حلال سمجھتے ہوئے زنا کر بیٹھے۔	مرہونہ باندی سے وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	
باندی کو آزاد کر کے استبرا کے دوران حلال سمجھتے ہوئے وطی کر بیٹھے	بیٹے اور اجنبی کے درمیان مشترکہ باندی سے وطی، چاہے حلال سمجھ کر کرے یا حرام۔	
آقا کی باندی سے وطی حلال سمجھتے ہوئے وطی کر لی۔		

شبہ فی الفعل کی تمام صورتوں میں عورت سے وطی حرام سمجھتے ہوئے کی تو حد لگے گی۔ شبہ بالعقد میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ حد لگے گی۔

گواہی رد ہونے کی 8 وجوہات

1۔ واقعے کے ایک ماہ بعد گواہوں نے گواہی دی تو تقادم عہد یعنی دیر سے گواہی دینا شبہ پیدا کردے گا اور حد ساقط ہوجائے گی۔ تاہم حد قذف اس سے مستثنیٰ ہے۔ سرقہ میں ایسی گواہی سے سارق پر صرف مال کا ضمان آئے گا، حد نہیں لگے گی۔

2۔ مدعاعلیہ ہی موجود نہ ہو تو حد کیسے جاری ہوگی۔ جیسے چوری کے کیس میں مسروق منہ موجود نہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ تاہم اس سے حد زنا مستثنیٰ ہے، اگر مزنیہ معلوم ہو لیکن دعویٰ اس نے نہ کیا ہو اور زنا ثابت ہوجائے تو بھی حد زنا جاری ہوگی۔

3۔ مزنیہ نامعلوم ہو تو یہ شبہ پیدا کردے گا کہ ہوسکتا ہے وہ اس کی بیوی ہو، اس لیے حد زنا جاری نہیں کی جائے گی۔

4۔ گواہی میں تضاد شبہ پیدا کردیتا ہے اس لیے حد ساقط ہوجائے گی۔ چاہے یہ تضاد جبر و رضا میں ہو یا محل وقوع میں دونوں سے گواہی ساقط ہوجاتی ہے۔

5۔ گواہی کا کوئی مکذب پایا جائے مثلاً مزنیہ باکرہ ظاہر ہو تو حد کیسے لگ سکتی ہے؟

6۔ گواہ کے اندر گواہی کی اہلیت ہی نہ ہو، مثلاً: گواہ نابینا، غلام یا محدود فی القذف ہو تو عدم ثبوت کی وجہ سے حد جاری نہ ہوگی۔

7۔ نصاب شہادت مکمل نہ ہو، مثلاً: زنا میں چار کے بجائے تین یا دو گواہ ہوں تو شبہ آجائے گا، حد ساقط ہوجائے گی۔

8۔ شہادۃ الفرع یعنی زنا میں اصل گواہ پیش نہ ہوں، وہ کسی اور کو اپنی طرف سے بھیجیں تو یہ شبہ پیدا کردے گا اور اس شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوجائے گی۔

گواہی سے رجوع

گواہی سے رجوع کا قاعدہ:

الاصل بقاء من بقی لا رجوع من رجع. تمام معاملات کی گواہی میں باقی رہ جانے والوں کو دیکھا جائے رجوع کرنے والوں کو نہیں۔ مثلاً: زنا کے چھ گواہ تھے، دو نے رجوع کر لیا تو اس سے کیس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ کیونکہ اب بھی نصاب مکمل ہے۔ ہاں! اگر مزید ایک نے رجوع کر لیا تو نصاب کم ہو جانے کی وجہ سے فرق پڑے گا۔

گواہوں کی اقسام:

زنا کے کیس میں گواہوں کی متعدد اقسام بن جاتی ہے: علت یعنی زنا کے گواہ، علۃ العلۃ یعنی تزکیہ کے گواہ، شرط یعنی احصان کے گواہ۔

زنا کے گواہوں کا رجوع:

علت یعنی زنا کے گواہوں نے رجوع کر لیا تو دیکھا جائے گا کہ ان کی گواہی کی وجہ سے ملزم پر سزا جاری ہو چکی ہے یا صرف سزا کا فیصلہ ہوا ہے یا فیصلہ بھی نہیں ہوا؟ یعنی تین صورتیں بن جائیں گی:

1۔۔۔ اگر فیصلہ سنانے سے پہلے رجوع کر لیا ہے تو نصاب شہادت نامکمل رہ جانے کی وجہ سے ملزم بری ہو جائے گا اور تمام گواہوں پر حد قذف جاری ہو گی۔

2۔۔۔ فیصلہ سنایا جا چکا ہے سزا جاری نہیں ہوئی تب بھی مذکورہ بالا حکم جاری ہو گا یعنی ملزم بری ہو جائے گا اور تمام گواہوں پر حد قذف جاری ہو گی۔

3۔۔۔ سزا جاری ہو چکی ہو یعنی رجم کیا جا چکا ہو تو قضائے قاضی کی وجہ سے بقیہ شہود کو حد نہیں لگے گی صرف رجوع کرنے والوں کو حد لگے گی، امام زفر کے نزدیک حد نہیں لگے گی۔ اگر

چار میں سے ایک نے رجوع کیا ہے تو وہ ربع دیت کا ضامن بھی ہو گا۔ دو نے رجوع کیا تو وہ نصف دیت کے ضامن ہوں گے۔ امام شافعی کے نزدیک بجائے ضمان کے رجوع کرنے والوں کو قتل کیا جائے گا۔

شہود تزکیہ کا رجوع:

تزکیہ کے گواہ رجوع کر لیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کا بیان کس نوعیت سے بدلا ہے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں گواہوں کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ گواہی کے اہل نہیں ہیں پھر بھی ہم نے جان بوجھ کر ان کو معتبر قرار دیا تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ مزکین دیت کے ضامن ہوں گے حکومت ضامن نہ ہو گی؛ کیونکہ تزکیہ علة العلة ہے اس لیے اس کا وہی حکم ہو گا جو علت کا اوپر گزرا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ مزکین سرکاری اہلکار ہوتے ہیں اس لیے ان کے بجائے بیت المال پر دیت آئے گی۔

شہود احصان کا رجوع:

شرط یعنی احصان کے گواہ رجوع کر لیں تو ان پر ضمان نہیں آئے گا۔ امام زفر کے نزدیک سابقہ دو قسموں کی طرح اس پر بھی ضمان آئے گا۔

حد شراب خمر

قواعد:

1۔ انگور کی کچی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ یہ نجاست غلیظہ ہے۔ اس کا ایک قطرہ پینے پر بھی حد ہے۔

2۔ انگور کی پکائی ہوئی شراب، کھجور کی کچی اور پکائی ہوئی شراب یہ تینوں نجاست خفیفہ ہیں۔ بقدر مسکر پینے پر حد ہے۔

3۔مذکورہ بالا اشربہ اربعہ کے علاوہ بقیہ مائع مسکرات پاک ہیں، لیکن پینا ان کا بھی حرام ہے۔بقدر مسکر پینے پر حد ہے۔

4۔جامد مسکرات بھی پاک ہیں لیکن نشہ ان کا بھی حرام ہے، لیکن ان کے پینے پر تعزیر ہے،حد نہیں۔

5۔حرام نشہ کی تعریف یہ ہے کہ عقل ماؤف ہوجائے، بہکی بہکی باتیں کرنے لگے، لیکن حد اس نشے میں لگتی ہے جو اس سے بھی اعلیٰ درجے کا ہو جس کی وجہ سے وہ باتیں سمجھ نہ سکے اور مرد عورت کی پہچان نہ رہے۔

6۔شراب پینے کی حد اس وقت لگتی ہے جب شراب پینے کا اقرار کرے اور منہ سے اس کی بو محسوس ہو یا گواہ گواہی دیں کہ انہوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے اور واقعی اس کے منہ سے شراب کی بو معلوم ہو،لہذا پیتے ہوئے نہ دیکھا ہو صرف نشے میں دیکھا ہو یا شراب کی الٹیاں کرتے ہوئے پایا گیا ہو یا بو ختم ہونے کے بعد اقرار یا گواہ گواہی دیں تو حد نہیں لگے گی۔

7۔شراب پینے کی حد 80 کوڑے ہیں۔یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

حد قذف

حد قذف کی شرائط:

چار شرائط پائی جائیں تو حد قذف لگتی ہے:

1- محصن یعنی پاک دامن پر الزام لگائے۔

2-الزام صریح طور پر زنا کا ہو۔

3-قاذف اپنا الزام چار گواہوں سے ثابت نہ کرسکے۔

4-مقذوف انصاف مانگے یعنی سزا کا مطالبہ کرے۔ اگر مقذوف انتقال کر چکا ہو تو اس کے وہ رشتہ دار حد لگوا سکتے ہیں جن کے نسب میں اس تہمت سے طعن لگ سکتا ہو، جیسے باپ، اولاد۔

حد قذف میں احصان کی شرائط:

قذف کے احصان کی پانچ شرائط ہیں:

1-مقذوف آزاد ہو، لہذا غلام پر تہمت لگے تو قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہو گی، تعزیری سزا دی جائے گی۔

2-مقذوف عاقل ہو، لہذا مجنون پر تہمت لگے تو قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہو گی۔

3-مقذوف بالغ ہو، لہذا نابالغ پر تہمت لگے تو قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہو گی، تعزیری سزا دی جائے گی۔

4-مقذوف مسلمان ہو، لہذا غیر مسلم پر تہمت لگے تو قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہو گی، تعزیری سزا دی جائے گی۔

5-مقذوف پاک دامن ہو، پہلے کبھی زنا اس پر ثابت نہ ہوا ہو، لہذا جس پر پہلے زنا ثابت ہو چکا ہو اس پر تہمت لگے تو قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہو گی۔

احصان ختم ہونے کا قاعدہ:

جو شخص حرام لعینہ وطی کر بیٹھے اس پر کوئی اسے زانی کہے تو اس پر حد قذف نہیں لگے گی، لیکن حرام لغیرہ وطی کی وجہ سے زانی کہے تو حد لگے گی۔

حرام لعینہ وطی

حرام لعینہ وطی وہ ہوتی ہے جو غیر ملک میں ہو یا ملک میں ہو لیکن موطوءہ حرمت مؤبدہ کے ساتھ حرام ہو۔ اس کی صورتیں یہ ہیں:

1- مکمل طور پر غیر مملوکہ سے وطی کر بیٹھے جیسے غیر مملوکہ باندی سے وطی کی، یا اجنبیہ سے وطی کی یا نو مسلم نے حالت کفر میں کوئی زنا کیا تھا اس کی وجہ سے اس کو زانی کہہ دیا۔

2- ایسی باندی سے وطی کر لی جو من وجہ ملکیت ہو من وجہ نہ ہو، جیسے مشترکہ باندی سے وطی۔ اس کو بھی غیر مملوکہ سے وطی شمار کیا جائے گا اور احصان کو ساقط کر دے گا۔

3- مملوکہ باندی جو اس کی رضاعی بہن تھی، سے زنا کر لیا تو کیونکہ رضاعی بہن ہمیشہ کے لیے حرام ہے اس لیے مملوکہ ہونے کے باوجود اس سے وطی حرام لعینہ شمار ہو گی۔

حرام لغیرہ وطی

حرام لغیرہ وطی کی صورتیں یہ ہیں:

1- بیوی سے حالت حیض میں وطی کر لی، اس کی وجہ سے کوئی واطی کو زانی کہہ دے تو اسے حد قذف لگے گی۔

2- مملوکہ باندی جو مجوسیہ ہے اس سے وطی کر لی، گو یہ وطی حرام ہے لیکن حرمت عارضی ہے مؤبدہ نہیں ہے اس لیے اس کی وجہ سے زانی کہنے والے کو حد قذف لگے گی۔

قاذف کی توبہ

جھوٹی تہمت کی دو سزائیں ہیں: 80 کوڑے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے گواہی قبول نہ ہونا اگرچہ وہ توبہ کر لے۔ البتہ کافر نے تہمت لگائی اسے 80 کوڑے لگ گئے اس کے بعد وہ

مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی بالاتفاق قبول ہے۔ اگر تہمت حالتِ کفر میں لگائی اور 80 کوڑے مسلمان ہونے کے بعد لگے تو بالاتفاق گواہی قبول نہیں۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ کوڑے کفر میں لگے اور کچھ یا اکثر مسلمان ہونے کے بعد لگے تو گواہی قبول ہو گی یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ گواہی قبول ہو گی کیونکہ گواہی ساقط ہونے کی شرط یہ ہے کہ مکمل کوڑے اسلام کی حالت میں لگیں، اس لیے اگر ایک کوڑا بھی حالت کفر میں لگا تو مکمل حد حالت اسلام میں نہ لگنے کی وجہ سے گواہی معتبر ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار ہے۔

تعزیرات

تعزیر اگر کوڑوں سے دی جائے تو ضروری ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی حد کے کوڑوں سے نہ بڑھے۔

طرفین کے نزدیک اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد 39 ہے کیونکہ یہ ادنی حد جو کہ غلام کی حد ہے اس سے کم ہے۔ امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں: 79 اور 75۔ 79 تو واضح ہے کہ 80 سے ایک کر دیا۔ اور 75 کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اثر ہے۔ جہاں تک کم سے کم تعداد کی بات ہے تو وہ 3 کوڑے ہیں۔

لیکن اکثر مشائخ کا رجحان اس طرف ہے کہ ادنی کی کوئی حد مقرر نہیں، لوگوں کے حالات کے مطابق قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔ البتہ تعزیر کوڑوں سے نہ ہو تو پھر اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ قتل تک کیا جا سکتا ہے۔

سب سے سخت ضرب تعزیر کی ہے، پھر حد زنا پھر حد شرب اور سب سے ہلکی ضرب حد قذف میں ہے۔ تعزیری ضرب سے مجرم مر جائے تو اس کا ضمان نہ جلاد پر ہے نہ عدالت پر نہ بیت المال پر، بلکہ وہ ہدر ہے۔

حد سرقہ

سرقہ کے لغوی معنی ہیں: کوئی چیز چپکے سے لے لینا۔

شرعاً سرقہ کی تعریف میں چار قیودات ہیں:

1۔ چور عاقل بالغ ہو۔

2۔ کم سے کم 10 درہم یعنی 35 گرام چاندی یا اس کی مالیت کی کوئی چیز چرائی ہو۔

3۔ دس درہم ڈھلے ہوئے ہوں ڈلیوں کی صورت میں نہ ہو۔ چنانچہ 10 چاندی کی ڈلیوں کی قیمت 10 ڈھلے ہوئے درہم سے کم ہو تو ہاتھ نہیں کٹیں گے۔

4۔ ایسی محفوظ جگہ سے اٹھائی ہو جس کے محفوظ ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔

سرقہ کے اصول عشرہ:

1۔ عرف میں جو چیز معمولی اور غیر مرغوب شمار ہوتی ہے اس کی وجہ سے حد سرقہ جاری نہیں ہوگی۔ جیسے معمولی بوریا، پرندے، پانی، مٹی وغیرہ

2۔ جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں، جنہیں اسٹاک نہیں کیا جاسکتا ان کو چرانے سے حد جاری نہیں ہوگی، جیسے دودھ، پھل فروٹ، سبزی۔ البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔

3۔ معاصی کے آلات چرانے پر حد جاری نہ ہوگی۔ جیسے: شطرنج، میوزک اور گناہوں کے آلات

4۔ جو چیزیں عبادت کے لیے ہوتی ہیں ان کو چرانے سے حد جاری نہ ہوگی، البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ جیسے: قرآن پاک، مسجد کا سامان، صلیب وغیرہ

5۔ آزاد انسان کو چرانے پر حد جاری نہیں ہوگی، البتہ اغوا کاری پر سخت تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔

6۔جو اشیا مال ہی نہیں یا جن کے مال ہونے میں اختلاف ہے ان کو چرانے سے حد جاری نہ ہو گی، البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ جیسے: گزشتہ حسابات کے رجسٹر، کتا وغیرہ

7۔جن اخلاقی برائیوں پر چوری کی تعریف صادق نہ آئے، جیسے خیانت، کفن چوری، جیب کترنا وغیرہ ان کی وجہ سے حد جاری نہ ہو گی، البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔

8۔جن چیزوں میں سارق کا کوئی حق نکلتا ہو ان کو چرانے سے حد جاری نہ ہو گی، البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ جیسے بیت المال سے چوری، مشترکہ مال سے چوری، مقروض کی چیز چرانا۔

9۔جس چیز کو چرانے پر ایک بار حد لگ گئی ہو دوبارہ اسی کو وہی سابقہ چور چرا لے تو حد سرقہ جاری نہ ہو گی۔

10۔جو چیزیں محفوظ جگہ میں نہ ہوں ان کو چرانے سے حد جاری نہ ہو گی، البتہ تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ جیسے: دروازے، درخت پر لگے پھل، سڑک پر لگی بتیاں وغیرہ۔

حرز کے سات اصول

مذکورہ بالا آخری اصول کے اندر مزید تفصیلات یہ ہیں:

1۔والدین، زوجین، آقا غلام یا کسی ذی رحم محرم کے گھر سے چیز چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح مہمان نے چیز چرا لی تو اس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؛ کیونکہ ان کا گھر میں آنا جانا لگا رہتا ہے اس لیے حرز کامل نہیں پایا گیا۔

2۔ایک حرز گھروں اور بینکس وغیرہ کا ہوتا ہے جس میں ہر ایک کو بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی اسے حرز بالمکان کہتے ہیں۔ دوسرا حرز چوکیدار کا ہوتا ہے۔ دونوں میں سے کسی کے پاس سے بھی چیز چرائی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

3۔ حرز بالمکان، حرز بالحافظ کے مقابلے میں قوی ہے اس لیے حرز بالمکان میں چوکیدار کی شرط نہیں، یعنی گھر سے چیز چرانا سرقہ ہے، چاہے چوکیدار ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ گھر کا دروازہ نہ ہو تب بھی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

4۔ حرز بالمکان قوی تو ہے لیکن گھر سے سرقہ متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ چیز چرا کر باہر بھی خود ہی لے گیا ہو۔ جبکہ حرز بالحافظ میں اخراج کی شرط نہیں ہے بلکہ محض اٹھانے سے ہی سرقہ متحقق ہو جاتا ہے۔ لہذا حرز بالمکان میں خود باہر لے کر نہ جائے بلکہ باہر پھینک دے اور باہر سے کوئی دوسرا ساتھی لے جائے تو دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

5۔ اگر دو یا زیادہ چور مل کر چوری کریں تو ضروری ہے کہ سب کی جانب سے مکمل سرقہ پایا جائے، جیسے اوپر والی مثال میں ایک داخل ہوا لیکن چیز لے کر نہیں نکلا، جبکہ باہر والا لے کر گیا لیکن اندر داخل نہیں ہوا اس لیے دونوں پر حد جاری نہیں ہوئی۔ ہاں! اگر سب چور اندر داخل ہوئے ہوں اور مل بانٹ کر چوری کی ہو تو سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگرچہ مال اصل جگہ سے کسی ایک نے اٹھایا ہو۔

6۔ حرز اگر ایسا ہو جس میں داخل ہونا ممکن ہو تو اندر داخل ہوئے بغیر سرقہ متحقق نہ ہو گا جیسے گھر کے اندر داخل ہوئے بغیر صرف دیوار میں سوراخ کر کے قیمتی چیز چرا لی تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ جہاں اندر داخل جانا ممکن ہی نہیں جیسے صندوق کہ اس میں اسے توڑ کر یا کھول کر ہی چوری کی جاتی ہے، اندر کوئی بھی نہیں اترتا اس لیے اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

7۔ حرز مقصودی سے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے، حرز تبعی سے نہیں۔ جیسے: قافلہ جس کے ساتھ قائد و سائق ہوں اس قافلے سے کسی نے سامان سے لدا اونٹ یا بورا چرا لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؛ کیونکہ سائق اور قائد کا کام سامان کی حفاظت نہیں بلکہ راستہ طے کرانا اور قافلے کا

سامان منتقل کرنا ہے، ان کی وجہ سے حرز تبعاً آتا ہے اصالتاً نہیں۔ہاں! اگر ایک بندہ قافلے کی حفاظت پر بھی مامور ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا چاہے وہ بندہ سو رہا ہو۔

دوسری مثال آستین میں بندھی تھیلی یا جیب کی ہے۔ انسان جب جیب میں مال رکھتا ہے تو وہ جیب پر بھروسا کرتا ہے جیب کی حفاظت اس کا مقصد نہیں ہوتا، مقصد تو سہولت سے چلنا یا آرام کرنا ہوتا ہے، اس لیے اگر کسی نے بلیڈ سے جیب کاٹ لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ہاں اگر جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالے ہیں تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

چھ موانع:

1۔چور کا بایاں ہاتھ یا بائیں ہاتھ کا انگوٹھا یا اس کی دو انگلیاں بے کار نہ ہوں۔ اگر بائیں ہاتھ کے ساتھ ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

2۔چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب خود مالک یا اس کا نائب جس کے پاس سے مال چوری ہوا ہے، عدالت میں حاضر ہو اور ایف آئی آر درج کرے، لہذا کیس دائر نہ ہو سکا ہو، تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

3۔چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب خود مالک یا اس کا نائب جس کے پاس سے مال چوری ہوا ہے، سزا کے وقت موجود ہو۔لہذا مسروق منہ موجود نہ ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

4۔ہاتھ کاٹے جانے تک کیس موجود رہے لہذا اگر کیس دائر کرنے سے پہلے ہی چور سامان واپس کردے یا فیصلہ تو ہو جائے لیکن خود مسروق منہ یعنی مالک چور کو وہ سامان ہبہ کردے یا چور کے ہاتھ بیچ دے تو ان سب صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

5۔مال کی ویلیو گر کر 35 گرام چاندی سے کم ہو جائے تو اس صورت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

6۔چور دعوی کردے کہ مسروقہ مال اسی کا تھا تب بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگرچہ گواہوں سے وہ اپنی ملکیت ثابت نہ کر سکے۔

مسروقہ مال میں چور کا تصرف

چور اگر مسروقہ سامان میں تصرف کرے تو اس کی تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی:

1۔اس کی مالیت میں کمی کردی ہوگی۔2۔قیمت میں اضافہ ہوگیا ہوگا۔3۔اختلافی صورت بعض کے نزدیک بعض کے نزدیک اضافہ ہوگا۔

پہلی صورت:

ایسا تصرف جس سے مالیت میں کمی ہو جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قیمت 10 درہم یا زیادہ مالیت کی رہ گئی ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔مزید تفصیل یہ ہے:

صورت	حکم
قیمت میں کمی ہوگئی لیکن تغیر یسیر ہوا ہے	بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائے گا
قیمت میں کمی ہوگئی، تغیر فاحش ہوا لیکن مالک نے چور کو سامان دے کر اس کی قیمت کا ضامن بنادیا	بالاتفاق ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
تغیر فاحش ہوا لیکن مالک نے چور سے سامان لے کر صرف نقصان کا تاوان لے لیا	عند ابی یوسف ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا و عند الطرفین ہاتھ کاٹا جائے گا

دوسری صورت:

ایسا تصرف جس سے مالیت میں اضافہ ہو جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ مسروقہ سامان واپس لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

امام محمؒ	شیخینؒ
مسروقہ سامان اسی حالت میں لے لیا جائے گا اور سامان کی قیمت میں جو اضافہ ہو گیا ہے اس کی قیمت چور کو مل جائے گی۔	مسروقہ سامان نہیں لیا جائے گا اور سامان ہلاک ہو گیا ہو تو ضمان بھی نہیں لیا جائے گا۔

قطع الطریق (حد راہزنی)

حد راہزنی کی شرائط:

1-ڈاکو کے اندر ڈکیتی اور لوٹ مار کی صلاحیت ہو، چاہے اسلحے کے زور پر یا ڈنڈے وغیرہ کے زور پر۔

2-شہر سے باہر دور ڈکیتی کریں، شہر کے اندر نہیں؛ کیونکہ شہر کے اندر ڈکیتی ممکن نہیں۔ (یہ غیر مفتی بہ ہے)

3-دار الاسلام میں ڈکیتی کریں۔

4-35 گرام چاندی یا اس سے زیادہ مالیت کا سامان لوٹیں۔

5-جس سے مال چھیننا ہے اس سے اس کی کوئی قرابت کا رشتہ نہ نکلتا ہو نہ ہی ڈکیتوں کے اندر کوئی نابالغ ہو۔

6-توبہ سے پہلے پکڑے جائیں۔ توبہ کے بعد پکڑے جائیں تو حد نہیں لگے گی۔

گرفتاری کی سات صورتیں:

جرم کی نوعیت	حکم
صرف کوشش	توبہ تک قید
صرف مال لوٹا	مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں
صرف قتل کیا	بطور حد قتل یعنی معاف کرنے سے معاف بھی نہیں ہو سکتا
مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا	مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں اور قتل بھی کیا جائے
صرف زخمی کیا	جہاں قصاص ممکن ہو وہاں قصاص ورنہ دیت
مال بھی لیا اور زخمی بھی کیا	صرف مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔
توبہ کے بعد گرفتاری	تمام سزائیں معاف، البتہ قتل کیا ہو تو قصاص کے احکام لاگو ہوں گے

اجرائے حد قطع کے چار موانع:

1۔ڈکیت گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں۔

2۔ڈکیتوں کے اندر کوئی نابالغ بچہ یا مقطوع علیہ کا کوئی رشتہ دار ہو۔

3۔حرز میں خلل آجائے جیسے قافلے ہی کے کچھ لوگوں نے قافلہ لوٹ لیا ہو تو حرز کامل نہ ہونے کی وجہ سے حد نہیں لگے گی۔

4۔شہر یا مضافات شہر میں ڈکیتی کی ہو تو حد نہیں لگے گی کیونکہ شہر و مضافات میں مدد آسکتی ہے اس لیے یہاں ڈکیتی ممکن نہیں، لیکن اس پر فتویٰ نہیں ہے۔

کتاب السیر والجہاد

اقسام جہاد، باعتبار دفاع واقدام

نام	تعریف	حکم
جہاد اقدامی	اسلامی حکومت خود سے اقدام کر کے حملہ کرے	فرض کفایہ
جہاد دفاعی	دشمن مسلمانوں یا کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دے	دشمن کو جواب دینے کے لیے جتنے لوگ کافی ہوں ان پر جہاد فرض عین ہو جائے گا، اگر ملک کی فوج کافی نہ ہو تو عام لوگوں میں سے جو لڑ سکتے ہوں ان پر بھی فرض ہو جائے گا علی ہذا

اقسام جہاد، باعتبار طریقہ وشمولیت

نام	تعریف	حکم
جہاد بالنفس	محاذ پر عملی جہاد میں حصہ لینا	کبھی فرض کفایہ کبھی فرض عین
جہاد بالمال	فنڈنگ کرنا	حسب حیثیت حصہ ملانا ضروری ہے
جہاد بالقلم	جہادی لٹریچر مرتب کرنا	لکھنے کی صلاحیت ہو تو ضرور لکھے
جہاد باللسان	جہاد کی ترغیب زبان سے دینا	حسب استعداد ترغیب دے

شرائط فرضیت جہاد

جہاد کا مقصدِ اصلی رسوم وقواعدِ کفریہ کو مٹا کر کے اعزازِ اسلام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے، اسلام اور مسلمانوں کی ذلت اور حقارت کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہیں ہے؛ اس لیے فقہاءِ کرام نے جہاد کے واجب ہونے کی چند شرائط بیان کی ہیں:

(1) مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہو جس سے شان وشوکت پیدا ہو۔

(2) پوری جماعت کے مصارف بھی مہیا ہوں۔

(3) مسلمانوں کی جماعت کا کوئی ایسا امیر ہو جو ان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکتا ہو۔ یہ شرط جہاد کے لیے بمنزلہ روح کے ہے۔ آج کل اس کی تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ مسلم حکومت کی سرپرستی میں ہو۔

(4) مسلمانوں کا کوئی ایسا مامون و محفوظ مرکز بھی ہو کہ جہاں کفار کے شر سے نجات حاصل ہو جائے اور بوقتِ ضرورت وہاں پناہ حاصل کی جاسکے۔

(5) مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہونے کی امید ہو، اگر غالب گمان ہو کہ کفار غالب اور مسلمان مغلوب ہو جائیں گے تو پھر جہاد فرضِ عین نہیں ہو گا۔ (مستفاد از فتاویٰ عبد الحیٔ:۲۶۱، اسلام اور سیاست:۱۴۱)

طریقۂ کار:

1۔ پہلے اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ اگر دعوت پہلے نہ پہنچی ہو تو دعوت دینا واجب ہے ورنہ مستحب۔

2۔ نہ مانیں تو جزیے کی پیشکش کریں۔

3۔ نہ مانیں تب حملہ کریں۔ صرف مقاتلین سے لڑیں، عورتوں، بچوں، معذوروں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ عہد نہ توڑیں، مثلہ نہ کریں۔ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کریں۔ میدان جنگ سے نہ بھاگیں۔ امیر کی اطاعت کریں۔

باب الموادعۃ (صلح وامان)

مصالحت کی صورت	حکم
دشمن سے غیر مشروط صلح یا معاہدۂ امن	اگر مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے؛ یہ معناً جہاد ہے۔
دشمن کا محاصرہ نہیں ہوا بلکہ وہ مرعوب ہو کر یا کسی اور وجہ سے مال کے بدلے صلح کی پیشکش کرے	مال کی ضرورت ہو تو جائز ہے اور اسے جزیہ سمجھا جائے گا
دشمن کا محاصرہ کر لیا گیا اس لیے وہ مرعوب ہو کر مال کے بدلے صلح کی پیشکش کرے	جائز ہے اور اسے غنیمت سمجھا جائے گا
دشمن مسلمانوں کا محاصرہ کر لے اور صلح کے طور پر مسلمانوں سے مال طلب کرے۔	اگر دفاع کی طاقت ہو تو مسلم حکمران کبھی ایسی ذلت برداشت نہ کریں
دشمن مسلمانوں کا محاصرہ کر لے اور صلح کے طور پر مسلمانوں سے مال طلب کرے	اگر دفاع کی طاقت بالکل نہ ہو اور بڑے پیمانے پر شہادتوں کا خدشہ ہو تو رخصت ہے۔
نقض صلح کی دو شرائط ہیں:	1۔اس کی اطلاع کر دے۔2۔ اطلاع اکثر تک پہنچ جائے

باب الغنائم و قسمتها

پہلی بحث: غنیمت کی شکلیں

مال غنیمت کی متعدد شکلیں ہیں، مال غنیمت یا تو غیر منقولی یعنی زمین ہوگی یا قیدی یا جانور یا اسلحہ یا سونا چاندی یا عام سامان یا کھانے پینے کی اشیاء ہوں گی، ان سب کا الگ الگ حکم ہے:

مفتوحہ زمینوں کا حکم

کفار کے ہاتھوں سے لیے گئے مفتوحہ علاقوں اور زمینوں کا حکم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو دو اختیارات ہیں یا تو رضاکار مجاہدین میں تقسیم کردے یا ذمیوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھ کر ان سے خراج اور جزیہ وصول کرتے رہیں۔

قیدیوں کے احکام

منقولہ ناطقہ جیسے غلام باندی ان کا حکم یہ ہے کہ انہی کو واپس کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ درج ذیل تفصیل جاری ہوگی۔

جنگی قیدیوں کا حکم یہ ہے کہ حکومت کو حسب مصلحت چار اختیارات ہیں:

1۔ سب کو قتل کردے

2۔ سب کو غلام باندی بنالے

3۔ سب کو غیر مشروط آزادی دے کر ذمی بنادے البتہ دار الحرب بھیجنا جائز نہیں۔

4۔ فدیہ لے کر چھوڑدے اور دار الحرب جانے دے۔ یہ آخری آپشن صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک ہے، امام صاحب اس کے قائل نہیں ہیں۔

مویشی کا حکم

غنیمت میں مویشی ہوں تو اگر مسلم افواج مویشی کو ساتھ لے جاسکتے ہوں تو ساتھ لے لیں۔ ساتھ نہ لے جاسکتے ہوں تو ذبح کرکے اس کا گوشت اس طرح تلف کردیں کہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔

سازوسامان اور اسلحے کا حکم

غنیمت میں کپڑے اور استعمالی سازوسامان یا اسلحہ ہو تو مسلم افواج بوقت ضرورت استعمال کرسکتے ہیں، البتہ جب ضرورت ختم ہوجائے تو واپس لوٹادیں، ضرورت کی ان چیزوں کو امام دارالحرب میں ہی تقسیم بھی کرسکتا ہے۔ اگر اسلحہ اتنا زیادہ ہو کہ ساتھ نہ لے جاسکتے ہوں تو جتنا لے جاسکتے ہوں لے جائیں باقی اسلحہ اس طرح تلف کردیں کہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔

خوراک کا حکم

غنیمت میں کھانے پینے کی اشیا بھی ہوتی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ افواج اس میں سے کھاسکتے ہیں، مویشیوں کو بھی کھلاسکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ بقدر حاجت ہی کھائیں بلکہ حاجت سے زیادہ بھی کھاسکتے ہیں یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ جو بچ جائے تو اسے جمع کرادیں۔ ضرورت کی ان چیزوں کو امام دارالحرب میں تقسیم بھی کرسکتا ہے۔

سونے چاندی کا حکم

سونے چاندی کا حکم یہ ہے کہ سونا چاندی اور کرنسی کو جمع کرانا ہوگا۔

دارالاسلام پہنچ جانے کے بعد حکم

جیسے ہی دارالاسلام میں داخل ہوئے اب غنیمت کی کسی بھی چیز کو یہاں تک کہ سازوسامان اور کھانے پینے کی چیزوں کو بھی استعمال نہیں کرسکتے، سب کو واپس کرنا لازم ہے۔

عند الاحناف دارالاسلام پہنچنے سے پہلے غنیمت پر ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی۔ پہنچنے کے بعد ملکیت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ دارالحرب میں قیام کے دوران افواج کو یہ حافظہ حاصل ہوتا ہے یدنا قلہ دارالاسلام پہنچ کر حاصل ہوتا ہے۔

غنیمت کے حق دار

یہ حق دار ہیں	حق دار نہیں
شروع سے قتال میں شریک	دکان دار جب کہ قتال میں شریک نہ ہوں
کمک جو دارالاسلام پہنچنے سے پہلے شریک ہوئے	وہ مجاہد جو دارالاسلام پہنچنے سے پہلے انتقال کر جائے
	غلام، بچوں، عورتوں اور ذمیوں کو معمولی دیا جائے گا

غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

خمس 20%	اربعۃ الاخماس 80%
یتامی (بنوہاشم کے فقرا مقدم ہوں گے)	فارس کو دو گنا
مساکین (بنوہاشم کے فقرا مقدم ہوں گے)	پیدل کو سنگل
مسافر (بنوہاشم کے فقرا مقدم ہوں گے)	صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فارس کو تین گنا ملے گا

باب العشر والخراج

خراجی زمینیں	عشری زمینیں
وہ علاقہ جو طاقت کے زور پر فتح ہوا اور تقسیم کرنے کے بجائے خراج لگا کر کفار ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا گیا۔ جیسے: عراق، شام، مصر، یہاں پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔	وہ علاقہ جو خود مسلمان ہو گیا، جیسے مدینہ منورہ
وہ علاقہ جات جنہوں نے مسلمانوں کو خراج اور جزیے دینے کے عوض صلح کر لی ہو۔	وہ علاقہ جات جو طاقت کے زور پر فتح ہوئے اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیے گئے جیسے خیبر اور فدک، جزیرۃ العرب مکمل عشری زمین ہے۔ اس میں پانی کا کوئی دخل نہیں۔
آبادی سے دور وہ زمینیں جنہیں کسی نے زندہ کیا ہو اور وہ خراجی زمین کے قریب ہو، اس قرب کی وجہ سے وہ خراجی بن جائے گی، پانی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔	آبادی سے دور وہ زمینیں جنہیں کسی نے زندہ کیا ہو اور وہ عشری زمین کے قریب ہو، اس قرب کی وجہ سے وہ عشری بن جائے گی، پانی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔
	صحابہ کے عمل کی وجہ سے بصرہ بھی عشری زمین ہے۔

مقدار خراج

زراعت کی صورتیں	مقدار خراج
انگور اور کھجور کے کھیت جن کے درخت مسلسل لگے ہوں	فی جریب ایک صاع اور ایک درہم
سبزیوں کے کھیت	فی جریب پانچ درہم
مذکورہ بالا دو کے علاوہ بقیہ کھیت جیسے: گندم، چاول وغیرہ	فی جریب دس دراہم
زعفران اور وہ باغات جن میں زراعت متفرق درختوں کی صورت میں ہو	بقدر طاقت جبکہ نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو، یہی اس کا قاعدہ ہے

کن صورتوں میں خراج ساقط ہو جائے گا؟

خراج ساقط ہو جائے گا	خراج ساقط نہیں ہو گا
زمین پر پانی چڑھ آئے	کاشت کار اپنی سستی کی وجہ سے زراعت نہ کرے
پانی بالکل نہ پہنچتا ہو	کافر مسلمان ہو جائے
آفت سماویہ سے فصل تباہ ہو جائے	مسلمان خراجی زمین خرید لے

باب الجزية

جزیے کی قسمیں

1۔ کفار اپنی خوشی سے صلح کی پیشکش کریں۔ اس صورت میں جو بھی جزیہ باہمی مصالحت سے طے ہو جائے اس کی پابندی ضروری ہو گی۔ اس کی خاص مقدار شرعاً طے نہیں۔ بنو تغلب اسی میں داخل ہیں۔

2۔ مسلمان افواج کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گیا، سلطان المسلمین نے ان کی زمینوں پر انہی کو برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج اور ان میں سے مقاتلین یعنی جو لڑ سکتے ہیں ان کی جانوں پر جزیہ لگایا۔ اس صورت میں خراج کی مقدار وہ ہو گی جو اوپر بیان ہوئی جبکہ جزیے کی مقدار درج ذیل ہے:

مقدار جزیہ

جزیہ ذمیوں کی جان اور مسلمانوں کی مدد نہ کرنے ان دونوں کے عوض لیا جاتا ہے۔ ذمی مسلمان ہو جائے یا جزیہ واجب ہونے کے بعد ادائی سے پہلے انتقال کر جائے تو ان دو صورتوں میں جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

ذمی کی مالی حیثیت	جزیہ کی مقدار
10ہزار درہم کا مالک ہو	ماہانہ 4درہم یعنی سالانہ 48درہم
200یا اس سے زیادہ درہم کا مالک ہو	ماہانہ 2درہم یعنی سالانہ 24درہم
غریب لیکن کام کاج کرنے والا ذمی	ماہانہ 1درہم یعنی سالانہ 12درہم
فقیر غیر معتمل، عورتیں، بچے، معذور بوڑھے	جزیہ واجب ہی نہیں

تداخل جزیہ

جزیہ کا نفس وجوب سال شروع ہوتے ہی ہو جاتا ہے، وجوب ادا سال گزرنے پر ہوتا ہے، بالکل زکوۃ کی طرح۔ یہی راجح ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ دو یا زیادہ سال گزر جائیں تو کتنے جزیے واجب ہوں گے؟

صورتیں	حکم
ذمی سال مکمل ہونے سے پہلے انتقال کر گیا	بالاتفاق جزیہ لازم نہیں
ذمی کا سال مکمل ہونے پر انتقال ہوا	بالاتفاق جزیہ لازم نہیں

دو یا زیادہ سال ہو گئے اور ابھی تک جزیہ نہیں دیا، اس میں اختلاف ہے:	عند ابی حنیفہ ایک ہی جزیہ واجب ہے اور امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک ہر سال کا جزیہ واجب ہے

عبادت خانوں کی تعمیر

صورتیں	حکم
پہلے سے قائم عبادت خانے	قائم رکھ سکتے ہیں
عبادت خانوں کی تعمیر و مرمت	کر سکتے ہیں
گھروں میں عبادت گاہ	بنا سکتے ہیں
نیا عبادت خانہ شہر میں	نہیں بنا سکتے
نیا عبادت خانہ ایسے دیہات میں جہاں مسلمان زیادہ ہوں	نہیں بنا سکتے
نیا عبادت خانہ ایسے دیہات میں جہاں ذمی زیادہ ہوں	بنا سکتے ہیں

ذمی کا عہد کیسے ٹوٹتا ہے؟

عہد ٹوٹ جاتا ہے	نہیں ٹوٹتا
دار الحرب کا اقامہ لے لے	جزیہ نہ دے سکے
کسی جگہ پر قابض ہو جائیں	مسلمان کو قتل کر دے
بغاوت کر بیٹھیں	رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی

بنو تغلب

بنو تغلب سے دوگنی زکوۃ دینے پر صلح ہوئی تھی۔ اس لیے ان سے بجائے جزیہ کے زکوۃ کی دوگنی مقدار لی جائے گی اور زکوۃ والے تمام احکام لوگو کریں گے یعنی جیسے زکوۃ عورتوں پر واجب

بچوں پر نہیں، اسی طرح بنو تغلب کی عورتوں سے ضعف زکوۃ لی جائے گی، بچوں سے نہیں لی جائے گی۔

تخفیفات کے اندر آزاد کردہ غلام آقا کے تابع نہیں ہوتا، تشدیدات کے اندر آزاد کردہ غلام آقا کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً بنو تغلب پر بجائے خراج و جزیہ کے دوگنی زکوۃ کا تقرر تخفیف ہے لہذا غلام کو یہ رعایت حاصل نہ ہوگی جبکہ صدقہ کی وصولی کا حرام ہونا تشدیدات میں سے ہے اس لیے غلام آقا کے تابع ہوگا۔

مرتد کے احکام

مرتد کو تین دن کی مہلت

مذاہب	حکم
قدوری کی روایت	اگر مہلت طلب کرے تو تین دن مہلت دی جائے
جامع صغیر کی روایت	بغیر مہلت قتل کر دیا جائے
شیخین سے ایک روایت	مہلت مانگے یا نہیں تین دن مہلت دینا مستحب ہے
امام شافعی	تین دن مہلت دینا واجب ہے

مرتد کے مال کے احکام

مرتد کے املاک کی ملکیت زائل ہو جائے گی یا باقی رہے گی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ملکیت موقوف رہے گی، اگر اسلام لے آئے تو ملکیت واپس آجائے گی ورنہ زائل ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ملکیت باقی رہے گی زائل نہ ہوگی۔ اس اختلاف سے درج ذیل تفریعات متفرع ہوں گی:

امام صاحب	صاحبین
مرتد کی موت کی صورت میں ارتداد کی کمائی میں وراثت جاری نہ ہوگی	مرتد کی موت کی صورت میں ارتداد کی کمائی میں وراثت جاری ہوگی
ارتداد کی کمائی فے ہے	ارتداد کی کمائی فے نہیں
مرتد کے مالی تصرفات موقوف ہیں	مالی تصرفات نافذ ہیں
قرضوں کی ادائیگی میں تین قول	قرض کی ادائیگی دونوں کمائیوں سے ہوگی
مرتد نے قتل خطا کیا تو دیت صرف اسلام والی کمائی سے دی جائے گی	دیت اسلام اور ارتداد دونوں قسم کی آمدنی سے ادا کی جائے گی

مرتد کا وارث کون؟

امام صاحب کے نزدیک حالت اسلام کی آمدنی میں صاحبین کے نزدیک کل آمدنی میں وراثت جاری ہوگی لیکن وارث کون ہوگا؟ اس میں تین اقوال ہیں:

1۔ جو ارتداد کے وقت بھی وارث ہو اور موت کے وقت بھی وارث ہو۔

2۔ ارتداد کے وقت وارث ہونا کافی ہے؛ کیونکہ ارتداد بھی موت ہی کے حکم میں ہے، لہذا مرتد کی موت کے وقت وارث نہ ہو تو بھی وراثت ملے گی۔

3۔ موت کے وقت وارث ہونا کافی ہے، وقت ارتداد وارث ہو یا نہ ہو اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ ارتداد صرف سبب ہے، اس کا تتمہ قتل یا موت ہے لہذا جب تک تتمہ نہ پایا جائے اس وقت یوں سمجھا جائے گا جیسے سبب پایا ہی نہیں گیا۔ جب تتمہ پایا جائے گا یعنی موت یا قتل ہو جائے گا تب کہیں گے کہ سبب پایا گیا۔

امام صاحب کے تین قول

مرتد پر قرض ہو جائے تو اس کی موت کے بعد اس کی ادائیگی کس مال سے کی جائے گی؟ اس میں امام صاحب سے تین روایات مروی ہیں:

1۔ حالت اسلام کے قرض کی ادائی حالت اسلام کی کمائی سے کی جائے گی اور حالت ارتداد کے قرضوں کی ادائی حالت ارتداد کمائی سے۔

2۔ تمام قسم کے قرضے حالت اسلام کی کمائی سے ادا کیے جائیں گے۔

3۔ تمام قسم کے قرضے حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کیے جائیں گے۔

مرتد پر جنایت

حکم	صورت
جانی نصف دیت کا ضامن ہوگا کیونکہ وقت جنایت ہاتھ معصوم تھا	ایک شخص کا اسلام کی حالت میں عمداً ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مرتد ہو گیا اور اسی زخم سے مر گیا
جانی نصف دیت کا ضامن ہوگا کیونکہ وقت جنایت ہاتھ معصوم تھا	ایک شخص کا اسلام کی حالت میں عمداً ہاتھ کاٹا گیا وہ مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور اس کے وہاں جانے کا فیصلہ بھی آگیا پھر وہ اسی زخم سے مر گیا
جانی صرف نصف دیت کا ضامن ہوگا مکمل کا اس لیے نہیں کہ لحاق کے فیصلے سے وہ میت کے حکم میں ہو گیا۔	ایک شخص کا اسلام کی حالت میں عمداً ہاتھ کاٹا گیا وہ مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا، وہاں جانے کا فیصلہ بھی آگیا پھر وہ مسلمان ہو کر واپس آگیا
شیخین کے نزدیک جانی مکمل دیت کا ضامن ہوگا، امام محمد وزفر کے نزدیک یہاں بھی نصف دیت واجب ہوگی۔	ایک شخص کا اسلام کی حالت میں عمداً ہاتھ کاٹا گیا وہ مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا، اس کے وہاں جانے کا فیصلہ ابھی آیا نہیں تھا کہ اس سے پہلے وہ مسلمان ہو کر واپس آگیا پھر مر گیا
شیخین کے نزدیک جانی مکمل دیت کا ضامن ہوگا، امام محمد وزفر کے نزدیک یہاں بھی نصف دیت واجب ہوگی۔	ایک شخص کا اسلام کی حالت میں عمداً ہاتھ کاٹا گیا وہ مرتد ہو کر دارالحرب گیا ہی نہیں، اس سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو گیا اور پھر وہ مر گیا

شیخین کے نزدیک ابتدائے جنایت اور انتہائے جنایت دونوں وقتوں میں وہ مسلمان تھا اس لیے دیت کاملہ واجب ہوگی، امام محمد و زفر کے نزدیک ابتدائے جنایت کے وقت مسلمان تھا اس وقت ایک ہی ہاتھ کاٹا گیا تھا اس لیے نصف دیت واجب ہوگئی، بقیہ دیت اس لیے واجب نہیں ہوئی کہ بیچ میں وہ مرتد ہوگیا، ارتداد کی وجہ سے سرایت جنایت معاف ہوجائے گی۔

مرتد کی اولاد اور اگلی نسلوں کا حکم

قاعدہ:

قاعدہ ہے کہ اولاد باپ کے تابع ہوتی ہے جد کے نہیں، فتویٰ اسی پر ہے۔ امام حسن بن زیاد کے نزدیک اولاد جد کے بھی تابع ہوسکتی ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ چار مسائل میں ظاہر ہوتا ہے:

ظاہر الروایۃ	روایت حسن بن زیاد
دادا مرتد ہو تو پوتے پر مرتد کے احکام لاگو نہ ہوں گے، عام کافر کے احکام لاگو ہوں گے	دادا مرتد ہو تو پوتے پر بھی مرتد کے احکام لاگو ہوں گے۔
دادا غنی ہو باپ فقیر ہو تو پوتا فقیر ہی شمار ہوگا، دادا کی تبعیت میں غنی شمار نہ ہوگا۔	دادا غنی ہو باپ فقیر ہو تو پوتا دادا کی تبعیت میں غنی شمار ہوگا۔ لہٰذا اس کا فطرہ دادا دے گا۔
ماں معتقہ ہو باپ غلام ہو، البتہ دادا آزاد کردیا گیا ہو تو ولاء ماں کو ملے گی، جد کو نہیں	ماں معتقہ ہو باپ غلام ہو، البتہ دادا آزاد کردیا گیا ہو تو ولاء جد کو ملے گی، ماں کو نہیں۔
اقارب کے لیے وصیت کی تو باپ تو اقارب میں شامل ہوگا، دادا نہیں۔	اقارب کے لیے وصیت کی تو باپ کی طرح دادا بھی اقارب میں شامل ہوگا۔

بچے کا اسلام اور ارتداد

طرفین	امام ابو یوسف	امام شافعی
اسلام بھی معتبر اور ارتداد بھی	اسلام معتبر ہے ارتداد نہیں کیونکہ	نہ اسلام معتبر ہے نہ ارتداد جیسے

کیونکہ مذہب حقیقت ہے اور حقائق کو رد نہیں کیا جاسکتا۔	اسلام میں بچے کا نفع ہے ارتداد میں نقصان ہی نقصان ہے	ارتداد میں نقصان ہے اسلام میں بھی وراثت سے محرومی وغیرہ کے نقصانات ہیں۔

باب البغاۃ

عنوان	حکم
مذاکرات کی دعوت	اھون الشرین پر عمل کرتے ہوئے پہلے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، ممکن ہے خون خرابے کی نوبت نہ آئے
حکومت حملے میں پہل کر سکتی ہے؟	قدوری کے مطابق پہل نہیں کر سکتی لیکن امام خواہر زادہ کے مطابق باغیوں کی قوت بڑی ہو تو پہل کر سکتی ہے وھوالصحیح
کسی کا ساتھ نہ دینے کا حکم کب ہے؟	اس وقت ہے جب کسی کی حکومت نہ ہو یا حکومت ہو لیکن اس کی مدد ونصرت پر قدرت نہ ہو۔
زخمی باغیوں کو قتل کرنا	باغیوں کی قوت زیادہ ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔
بھاگنے والوں کا تعاقب	باغیوں کی قوت زیادہ ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔
بطور غنیمت ان کے مال تقسیم کرنا	ان کے اموال انہی کی ملکیت میں رہیں گے، انہیں استعمال نہیں کر سکتے۔ توبہ تائب ہونے تک ضبط کیا جاسکتا ہے۔
اسلحہ اور جنگی سامان	بوقت ضرورت استعمال کر سکتے ہیں، لیکن انکی ملکیت سے نہیں نکلے گا۔

جنایات بغاۃ کی چار صورتیں

صورتیں	حکم
باغی باغی ہی کو قتل کر ڈالے	حکومت دیت وغیرہ کچھ بھی لاگو نہیں کر سکتی
عام شہری نے دوسرے عام شہری کو مار ڈالا	باغی تسلط قائم نہ کر سکے ہوں تو حکومت قصاص لے گی

مورث کو مارا ہو تو نہ قصاص ہے، نہ میراث سے محروم ہو گا نہ گناہ گار ہو گا۔	حکومتی فوجی نے باغی کو قتل کر دیا
باغی کے گناہ گار ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اختلاف وجوب ضمان اور میراث سے محروم ہونے میں ہے	باغی نے سرکاری فوجی کو قتل کر دیا

جب باغی سرکاری فوجی کو قتل کر دے

امام شافعی	امام ابو یوسف	طرفین
امام شافعی کا میراث میں وہی موقف ہے جو امام ابو یوسف کا ہے جبکہ ضمان کے معاملے میں قول قدیم یہ ہے کہ مطلقاضامن ہو گا، جیسے اگر قوت نہ ہونے کی صورت میں تلف کرتا تو مطلقاضمان آتا۔ یعنی وہ بعد المنعۃ تلف مال کو قیاس کرتے ہیں قبل المنعۃ تلف کرنے پر۔	باغی خود کو حق پر سمجھے یا نہ سمجھے دونوں صورتوں میں میراث سے محروم ہو گا؛ کیونکہ قتل مورث سے وارث محروم ہو جاتا ہے اس لیے اس کی تاویل فاسد اسے مستحق میراث نہیں بنا سکتی۔ باقی ضمان میں وہی تفصیل ہے جو طرفین نے بیان فرمائی۔	متعدد صورتیں ہیں: 1۔ باغی کہے کہ میں حق پر ہوں تو اس تاویل کی وجہ سے میراث ملے گی۔ 2۔ باغی خود کو حق پر نہ سمجھے تو باطل ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم ہو گا۔ 3۔ نفس یا مال کا ضمان اس پر اس وقت آئے گا جب ان کی قوت نہ ہو یا قوت ہو لیکن خود کو حق پر نہ سمجھتے ہوں، لہذا اگر قوت بھی ہو اور حق پر بھی سمجھیں تو ضمان نہیں آئے گا۔

کتاب اللقیط

عنوان	حکم
لقیط غلام شمار ہو گا یا آزاد؟	آزاد شمار ہو گا
کفالت کون کرے گا؟	بیت المال اس کی کفالت کرے گی
کوئی دعوی کرے کہ یہ اس کا بچہ ہے	تو اس مدعی سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا
ملتقط خود دعوی کر دے کہ میرا بچہ ہے	اصح یہ ہے کہ ملتقط سے نسب ثابت ہو جائے گا
لقیط کے نسب کے مدعی دو ہوں	جو بینہ پیش کر دے اس کا ہو گا، بینہ نہ ہو تو جس نے صحیح علامت بیان کی ہو اس کا ہو گا، علامت بھی بیان نہ کر سکیں تو پہلے جس نے دعوی کیا ہو، ورنہ دونوں سے نسب ثابت ہو گا
لقیط کے ساتھ یا سواری کے ساتھ مال بندھا ہوا ملے	دونوں صورتوں میں مال لقیط کا ہو گا اور قاضی سے پوچھے بغیر بچے پر صرف کیا جا سکتا ہے۔
ایک مدعی مسلم، ایک کافر	مسلم کو ترجیح ہو گی کیونکہ اس میں بچے کا نفع ہے
لقیط کے مال سے اس کے ضروری اخراجات اٹھانا	ماں کے لیے بھی جائز، ملتقط کے لیے بھی جائز
لقیط کے مال میں تصرف	نہ ماں کے لیے جائز نہ ملتقط کے لیے
لقیط کی شادی کرانا	ملتقط کے لیے جائز نہیں، ماں کے لیے جائز ہے
لقیط کی طرف سے ہدایا قبول کرنا	ملتقط کے لیے جائز ہے
کام سیکھنے کے لیے لگانا	ملتقط کے لیے جائز ہے
ملازمت پر لگا کر کمائی خود رکھنا	ملتقط کے لیے جائز نہیں، ماں کے لیے جائز ہے

مکان اور واجد کے لحاظ سے لقیط کی پانچ صورتیں

حکم	صورتیں
بچہ مسلمان سے ثابت النسب ہوگا اور مسلمان کہلائے گا	مدعی مسلمان اور آبادی بھی مسلمانوں کی
بچہ بھی ذمی کہلائے گا	مدعی ذمی اور آبادی یا جگہ بھی ذمیوں کی
ایک روایت میں مکان کا اعتبار ہے دوسری روایت میں واجد کا اعتبار ہے، راجح یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔	مدعی مسلمان اور آبادی ذمیوں کی
ایک روایت میں مکان کا اعتبار ہے دوسری روایت میں واجد کا اعتبار ہے، راجح یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔	مدعی ذمی اور جگہ مسلمانوں کی
بچہ ذمی سے ثابت النسب ہوگا لیکن مسلم ہوگا	ملتقط مسلمان، مدعی ذمی، اور جگہ دارالاسلام

كتاب اللقطة

حکم	عنوان
اشہاد سے یا ملتقط اور مالک کے اتفاق سے	لقطہ قضاءً امانت کب بنے گا؟
تین قول ہیں: 1۔ دس درہم یا زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال، اس سے کم ہو تو کچھ دن 2۔ بہر صورت سال 3۔ صحیح یہ ہے کہ ملتقط کے غلبۂ ظن پر موقوف ہے	لقطہ کی تشہیر کب تک کرنی ہے؟
جب ذاتی فائدے کے لیے اٹھائے	لقطہ غصب کب بنے گا؟

لقطہ اٹھانا اصلا امانت ہے یا غصب؟	عند ابی یوسف امانت وعندھما غصب
لقطہ اٹھانا مستحب ہے یا واجب؟	ضیاع کا خوف ہو تو واجب ہے ورنہ مستحب
حرم کے لقطہ اور دیگر لقطوں میں کوئی فرق ہے؟	عند الحنفیہ کوئی فرق نہیں وعند الشافعیہ یہ فرق ہے کہ حرم کے لقطے کی تعریف اس وقت تک واجب ہے جب تک مالک مل نہ جائے، ان کے نزدیک اس میں صدقہ کا آپشن نہیں ہے
مالک بینہ پیش کر دے کہ چیز اس کی ہے	تو اسے لقطہ دے دینا بالاتفاق واجب ہے
مالک بینہ کے بجائے صرف درست علامت بتائے تو کیا واپس کرنا لازم ہے؟	امام مالک اور شافعی کے نزدیک واپس کرنا لازم ہے، وعند الاحناف واپس کرنا مباح ہے واجب نہیں
مالک کو لقطہ دینے کے بعد ملتقط اس سے اپنے لیے ضمانت لے گا؟	جی بالاتفاق کفیل اور ضامن بنایا جاسکتا ہے
غنی کو لقطہ صدقہ کیا جاسکتا ہے؟	عند الاحناف نہیں کیا جاسکتا وعند الشافعی کیا جاسکتا ہے
ملتقط خود غریب ہو اور تعریف کر چکا ہو	تو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے
ملتقط لقطہ اپنے اصول وفروع اور زوجہ پر صدقہ کر سکتا ہے جبکہ وہ مستحق ہوں؟	جی کر سکتا ہے

صدقہ کر دینے کے بعد مالک آجائے تو وہ کیا کرے گا؟	اسے تین اختیارات ہیں: 1۔ صدقہ کی اجازت دیدے 2۔ ملتقط سے ضمان لے 3۔ غریب سے ضمان لے
بکری، گائے اور اونٹ کے لقطہ کا حکم	ہمارے نزدیک مستحب ہے، وعند مالک والشافعی گائے اور اونٹ صحرا سے ملیں تو نہ لینا بہتر ہے۔

لقطے کی حفاظت کے اخراجات

اس کی متعدد صورتیں ہیں:

صورتیں	حکم
ملتقط نے حکومت کی اجازت کے بغیر خرچہ کیا	تبرع شمار ہو گا
ملتقط نے حکومت کی اجازت سے خرچہ کیا	مالک پر دین ہو گا
حکومت کے پاس لقطہ کی چیز آگئی اور لقطہ ایسا ہے کہ اس سے آمدنی ہو سکتی ہے	حکومت اسے کرایہ پر دیدے اور اس کی آمدنی سے اس پر خرچ کیا جائے
حکومت کے پاس لقطہ کی چیز آگئی اور لقطہ ایسا ہو کہ اس سے آمدنی نہ ہو سکتی ہو	خطرہ ہو کہ خرچہ لقطہ کی قیمت سے بڑھ جائے گا تو بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کر لی جائے
حکومت کے پاس لقطہ کی چیز آگئی اور ایسا لقطہ ہو کہ اسے باقی رکھنا بہتر معلوم ہو	دو تین دن تک خرچ کیا جائے، پھر بھی مالک نہ ملے تو بیچ کر قیمت محفوظ کر لی جائے

کتاب المفقود (لاپتا شخص کے احکام)

مفقود کے مال کے احکام

مفقود کے مال کی حفاظت اور نگرانی حکومت کے ذمہ ہے جیسے لاوارث بچے اور مجنون کے مال کی حفاظت اس کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ حکومت اس کے مال واسباب کی حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کرے گی جو درج ذیل تفصیل سے کام کرے گا:

سرکاری کارندہ یہ کام کرسکتا ہے	سرکاری کارندہ یہ کام نہیں کرسکتا
مفقود کے اموال یا دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے نگران کو خود کوئی عقد کرنا پڑے تو اس کو نمٹانا اور کوئی کیس ہو جائے تو کیس لڑنا	مفقود نے جو عقد خود اپنی موجودگی میں کیا ہو اس میں سرکاری نگران کیس نہیں لڑ سکتا، کیونکہ وہ نہ مالک ہے نہ اس کا نائب۔
جس سامان کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اسے بیچ کر اس کا پیسہ محفوظ کرلے	جس سامان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اسے بیچ نہیں سکتا۔
مفقود کے تمام اثاثوں کی حفاظت کرے	مفقود نے کوئی سامان یا جائیداد خود اپنی موجودگی میں کسی امین کے پاس رکھوائی ہو تو اسے اپنی نگرانی میں نہیں لے سکتا
مفقود کے بیوی بچوں اور والدین اور جن کا نفقہ مفقود پر واجب تھا، ان کا نفقہ جاری کرے۔	مفقود کے بھائی، بہن ماموں خالہ کا نفقہ نہیں دے سکتا کیونکہ ان کا نفقہ قضا کے بغیر جاری نہیں کیا جاسکتا اور قضا علی الغائب درست نہیں
کوئی آمدنی آرہی ہو تو اس کی حفاظت کرے	اس کی بیوی کے نکاح کو فسخ نہیں کرسکتا
مدیون قرض کا اقرار کرے تو اس کی حفاظت	امین سے مفقود کا مال نہیں لے سکتا جب تک امین غبن نہ کرے۔ غبن کرے تو لے سکتا ہے

مفقود کے اہم مسائل

عنوان	حکم
مفقود کی موت اور اس کی بیوی کا نکاح کب ختم سمجھا جائے؟	امام مالک کے نزدیک چار سال بعد جبکہ حنفیہ کے نزدیک 90،100،120،60 یا موت الاقران کے بعد مردہ سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد عدت وفات گزارے گی۔
مفقود کی میراث کب تقسیم ہو گی؟	60 سال گزرنے کے بعد اس وقت موجود ورثا میں میراث تقسیم ہو گی، جو مر گئے ان میں نہیں
مفقود کسی مورث کا وارث بنے گا؟	کسی کا بھی وارث نہیں بنے گا

مفقود حجب نقصان یا حجب حرمان کرے گا؟

صورت	حکم
مفقود کے ساتھ ایسا وارث آجائے جس کا حصہ مفقود کی وجہ سے کم ہوتا ہو، البتہ محروم نہ ہوتا ہو یعنی حجب نقصان ہوتا ہو۔ جیسے ابن مفقود ہو اور دو بیٹیاں۔	تو مفقود کو زندہ تصور کر کے اس وارث کو کم والا حصہ دیں گے، 60 سال بعد بقیہ دیں گے۔ اس سے پہلے تک اتنی مقدار محفوظ ہاتھوں میں بطور امانت رہے گی۔
مفقود کے ساتھ ایسا وارث آجائے جس کا حصہ مفقود کی وجہ سے بالکل ختم ہو جاتا ہو، یعنی حجب حرمان ہوتا ہو، جیسے میت کا ابن مفقود ہو اور دوسرا وارث پوتا ہو۔	تو مفقود کو زندہ تصور کر کے اس وارث کو محروم کر دیں گے، 60 سال تک نہ آئے تو وہ حصہ اس وارث کو دے دیں گے۔ اس سے پہلے تک اتنی مقدار محفوظ ہاتھوں میں بطور امانت رہے گی۔

حمل کی میراث

حکم	صورت
حمل کے لیے نصف محفوظ کرکے اس وارث کو اس کا کل حصہ دیں گے، اس وارث کی میراث کا کوئی بھی حصہ موقوف نہیں رکھیں گے۔	حمل کے ساتھ ایسا وارث آجائے جس کا حصہ حمل کی وجہ سے نہ کم ہوتا ہو، نہ بالکلیہ ساقط ہوتا ہو۔ جیسے حمل کے ساتھ جد۔ جد کا حصہ سدس ہی رہے گا۔
حمل کے لیے نصف محفوظ کرکے اس وارث کو اس کا کم والا حصہ دیں گے، جیسے ماں کو سدس، اس کے بقیہ حصے کی تقسیم بچے کی پیدائش تک موقوف رکھیں گے۔	حمل کے ساتھ ایسا وارث آجائے جس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم ہوتا ہو، بالکلیہ ساقط نہ ہوتا ہو۔ جیسے حمل کے ساتھ ام۔ اولاد کی وجہ سے ماں کا حصہ ثلث سے سدس ہو جاتا ہے۔
حمل کے لیے نصف محفوظ کرکے اس وارث کا کل حصہ حمل کی پیدائش تک موقوف رکھیں گے۔	حمل کے ساتھ ایسا وارث آجائے جس کا حصہ حمل کی وجہ سے بالکلیہ ساقط ہوتا ہو۔ جیسے میت کا عم، زوجہ اور حمل ہو۔

کتاب الشرکۃ (شراکت اور پاٹنر شپ کے احکام)

شرکت کی دو اقسام ہیں: شرکت املاک اور شرکت عقود

شرکۃ الملک:

شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد کسی ملکیت میں بغیر کسی معاہدہ کے شریک ہو جائیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک اختیاری یعنی جس میں اپنے اختیار کا دخل ہوتا ہے، دوسری جبری جس میں اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔

جبری	اختیاری
دو یازیادہ افراد کو کوئی وراثت ملے	دو یازیادہ افراد کوئی چیز خریدیں
دو یازیادہ افراد کا مال بغیر اختیار کے خلط غیر ممیز یعنی ایسا مل جائے کہ تمیز نہ ہو سکے	دارالحرب کے مال یا زمین پر دو یازیادہ افراد مشترکہ حملہ کر کے قبضہ کر لیں
دو بندوں کے گندم خود مکس ہو جائیں	دو یازیادہ افراد خوشی سے مال ملائیں۔
ایک شخص کے گندم دوسرے کے جو کے ساتھ مکس ہو جائے	دو یازیادہ افراد کو کوئی مشترکہ ہبہ یا صدقہ کرے

اس کا حکم یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے اگرچہ ایک ہی چیز میں دونوں کی شرکت ہے لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں، اس کے لیے مہایاۃ کی جائے گی یعنی باری مقرر کی جائے گی اور اپنی اپنی باری پر استعمال کیا جائے گا۔

شركة العقد:

شرکت العقد وہ شرکت جو دو یازیادہ اشخاص میں آپس کے معاہدے کے ذریعے کسی مال یا اس کے منافع میں کی جائے۔

محققین کے مطابق اس کی تین قسمیں ہیں: شرکت فی الاموال یعنی مال ملا کر پاٹنر شپ کرنا، شرکت فی الاعمال یعنی محنت اور کاریگری کر کے حاصل ہونے والی آمدنی میں شرکت کرنا اور شرکت الوجوہ یعنی ذاتی وجاہت اور ساکھ کی بنیاد پر ادھار مال لے کر آگے بیچ کر نفع کمانا اور اس نفع میں شرکت کرنا۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: مفاوضہ اور عنان۔ مفاوضہ میں ہر چیز میں مساوات مطلوب ہوتی ہے عنان میں مساوات مطلوب نہیں ہوتی۔ اب انہی کو چارٹ اور مزید تفصیلات کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

شرکت الاموال	شرکت الاعمال	شرکت الوجوہ
شرکت عنان	شرکت عنان	شرکت عنان
شرکت مفاوضہ	شرکت مفاوضہ	شرکت مفاوضہ

شرکت مفاوضہ:

مفاوضہ کا معنی ہے برابری، اصطلاح میں دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر یہ معاہدہ کریں کہ وہ باہم مل کر اس طرح کام کریں گے:

1۔ شرکت اموال ہو تو دونوں کا سرمایہ برابر ہو گا۔ شرکت اعمال ہو تو دونوں کی محنت برابر ہو گی۔

2۔ دونوں کا نفع برابر ہو گا۔

3۔ بیع و شرا اور دیگر کاروباری تصرفات کا برابر اختیار ہو گا۔

4۔ مذہب بھی دونوں کا ایک ہو یعنی دونوں مسلمان ہوں۔

5۔ ہر شریک دوسرے کا وکیل ہو گا۔ وکیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں جو بھی کسی چیز کو خریدے گا وہ نصف دوسرے کی طرف سے بھی ہو گی۔

6۔ ہر شریک دوسرے کا کفیل بھی ہو گا۔ کفیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا قرض اس سلسلہ میں ایک کے ذمہ آئے گا اس کا نصف دوسرے پر بھی ہو گا چنانچہ بائع ان دو میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کر سکے گا۔

7۔ اگر ایک شریک وراثت، ہبہ یا کسی بھی دوسری وجہ سے مزید مال کا مالک ہو گیا تو مفاوضہ باطل ہو کر یہ شرکت عنان بن جائے گی۔

سرمایہ دراہم، دنانیر یا رائج الوقت کرنسی ہو گا۔

شرکت عنان:

عنان کے لغوی معنی ہیں اعراض کرنا۔ اصطلاح میں دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر یہ معاہدہ کریں کہ وہ باہم مل کر اس طرح کام کریں گے:

1- خاص چیز یا عمومی طور پر ہر قسم کی تجارت میں شریک ہوں گے۔

2- سرمایہ کی شرح برابر یا کم و بیش ہو گی۔

3- نفع کی شرح برابر بھی ہو سکتی ہے اور کم و بیش بھی۔ البتہ نفع فکس کرنا جائز نہیں۔

4- عمل نہ کرنے کی شرط لگانے والے شریک کا نفع اپنے سرمایے سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

5- دونوں محنت برابر کریں گے یا کم و بیش بھی کر سکتے ہیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شریک بالکل محنت نہ کرے۔

6- ہر شریک دوسرے کا وکیل ہو گا۔ وکیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں جو بھی کسی چیز کو خریدے گا وہ نصف دوسرے کی طرف سے بھی ہو گی۔

7- کوئی شریک دوسرے کا کفیل نہیں ہو گا۔ لہذا کوئی چیز خریدنے کی صورت میں وہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہو گی مگر اس کا ثمن صرف اسی کے ذمہ قرض ہو گا جس نے اسے خریدا ہے۔ اگرچہ جس نے خریداری کی ہے وہ ثمن کی ادائیگی کے بعد نصف ثمن کا مطالبہ اپنے شریک سے کرے گا۔ مگر بائع اس کے شریک سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

8- سرمایہ دراہم، دنانیر یا رائج الوقت کرنسی ہو گا۔ دونوں کا سرمایہ ایک جنس سے ہونا ضروری نہیں، چنانچہ کرنسی الگ الگ بھی ہو سکتی ہے۔

9۔اگر شرکت کا سارا مال یا کسی ایک کا مال کچھ خریدنے سے پہلے ہی ضائع ہو گیا تو شرکت باطل ہو جائے گی۔ایک شریک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی تھی دوسرا ابھی کچھ خرید نہ پایا تھا کہ اس کا مال ضائع ہو گیا تو خریدی گئی چیز دونوں کے درمیاں مشترک ہو گی اور دوسرے شریک کو اس کی آدھی قیمت ادا کرنا ضروری ہو گا۔

10۔یہ بھی جائز ہے کہ دونوں شریک اپنا اپنا مال اپنے پاس رکھیں اور اپنے مال سے خریدی گئی چیزوں کو باہم نہ ملائیں،ایسی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک جو چیز خریدے گا وہ باہم مشترک ہو گی اور نفع میں بھی حسب معاہدہ شریک ہوں گے۔

11۔اس شرکت میں دونوں شریک تجارت سے متعلقہ تمام کام کر سکتے ہیں،مثلاً: مضاربت،بضاعت،ودیعت،وکالت اور رہن۔نیز کوئی ملازم رکھنا،کسی کو نقد یا ادھار دینا غرض ہر متعلقہ کام کر سکتے ہیں۔

12۔ہر شریک کے پاس شرکت کا مال امانت ہوتا ہے،بغیر تعدی کے ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان لازم نہ ہو گا۔

شرکت الاعمال:

1۔دو یا زیادہ کاریگر باہم یہ معاہدہ کریں کہ ہم اپنی محنت و کاریگری سے جو کاروبار کریں اس کا نفع یا اجرت مشترک ہو گی۔جیسے دو درزی یا دو پنکچر والے آپس میں ایسا معاہدہ کر لیں۔

2۔ضروری نہیں کہ شرکا ایک ہی طرح کے عمل میں شراکت داری کریں،بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شریک درزی کا عمل کرے دوسرا چپل سلائی کا۔اور جگہ ایک ہونا بھی ضروری نہیں۔برانچز زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔

3۔ہر شریک دوسرے کا وکیل بھی ہو گا اور کفیل بھی۔وکیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی کام ملے ایسے سمجھا جائے گا کہ دونوں نے وہ عقد کیا اور کفیل ہونے

کا مطلب ہے کہ آرڈر دینے والا دونوں میں سے جس سے چاہے کام کر کے دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اسی طرح آرڈر دینے والا جس طرح اصل کو اجرت دینے سے سبکدوش ہو جائے گا اس کے پاٹنر کو دینے سے بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

4-کام برابر کریں لیکن پھر بھی نفع ایک شریک اپنے تجربے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے سے زیادہ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

شرکت الوجوہ:

1-شرکت وجوہ یہ ہے کہ دونوں شریک خالی ہاتھ ہوں اور طے کریں کہ اپنے تعلقات ووجاہت کی بنیاد پر لوگوں سے ادھار مال لیں گے اور آگے اس سے کاروبار کریں گے اور جو نفع ہو گا وہ باہم مشترکہ ہو گا۔

2-ہر شریک دوسرے کا وکیل ہو گا لہذا ان میں سے کوئی بھی کسی کے ساتھ کوئی عقد کرے گا وہ دونوں کی طرف سے سمجھا جائے گا۔

3-اس شرکت میں ضمان کی ذمہ داری اگر برابر ہو تو نفع برابر لینا ضروری ہے لیکن اگر اگر ایک شریک ضمان زیادہ لے دوسرا کم تو زیادہ ضمان لینے والا زیادہ نفع کا مطالبہ کر سکتا ہے۔جیسے:ایک شریک یہ کہے کہ چیز خراب ہو گئی تو 70 فی صد نقصان میں اٹھاؤں گا صرف 30 فی صد آپ نقصان اٹھانا۔ تو جو نقصان کی ذمہ داری زیادہ لے رہا ہے وہ نفع بھی زیادہ لے سکتا ہے۔

شرکت فاسدہ

شرکت فی المباحات:

مباح اشیاء مثلاً: لکڑی، پانی، شکار، آگ وغیرہ میں شرکت فاسد ہے۔ اگر شرکت کرلی بھی جائے تب بھی ایسی اشیاء جو پہلے اٹھالے اسی کی ملکیت شمار ہوں گی۔ دوسرے نے اگر تعاون کیا ہوگا تو اس تعاون کی اجرت مثل ملے گی، تعاون نہ کیا ہو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

شرکت فاسدہ کا حکم

شرکت کی مذکورہ بالا چھ اقسام میں سے کوئی قسم اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو نفع اصل مال کے تابع ہوگا یعنی جس کا جتنا مال لگا ہے اسے اتنا ہی نفع ملے گا اگرچہ کم وبیش کی شرط لگائی گئی ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک شریک کا مکمل مال تھا تو دوسرے کو فقط کام کی اجرت ملے گی اور نفع مکمل صاحب مال کا ہوگا۔

موت:

کسی شریک کے مر جانے یا مرتد ہو جانے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے۔

شرکت میں زکوۃ

ہر شریک پر اپنے اپنے طور پر صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوۃ واجب ہے۔ کوئی شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی جانب سے زکوۃ نہیں دے سکتا۔ اگر دونوں نے ایک دوسرے کو اجازت دی رکھی تھی ایسے میں دونوں نے ہی ایک دوسرے کی طرف سے زکوۃ دے دی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بعد میں زکوۃ دینے والا ضامن ہوگا جبکہ پہلے کی جانب سے دی جانے والی زکوۃ معتبر ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک اگر بعد میں دینے والا لاعلمی میں زکوۃ دے دے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔

شرکت میں نفع کا قاعدہ:

1۔ نفع تین میں سے کسی ایک کے مقابلے میں لیا جا سکتا ہے:

سرمایہ:

جیسے مضاربت میں انویسٹر صرف سرمایے کی بنیاد پر نفع لیتا ہے۔ اور شرکت الاموال میں ہر شریک مال کی بنیاد پر نفع لیتا ہے۔

عمل:

جیسے: مضاربت میں مضارب صرف عمل کی بنیاد پر نفع لیتا ہے۔ اور شرکت الاموال میں ورکنگ پاٹنر مال کے ساتھ عمل کی کی بنیاد پر بھی نفع زیادہ لے سکتا ہے۔ اور شرکت الاعمال میں صرف عمل اور تجربے کی بنیاد پر ہر شریک نفع لیتا ہے۔

ضمان:

یعنی نقصان کی ذمہ داری اٹھانا یہ شرکت الوجوہ اور شرکت الاعمال میں جاری ہوتا ہے۔

شرکت الملک اور شرکت العقد میں فرق

شرکت ملک کی خصوصیات	شرکت العقد کی خصوصیات
تجارت کا معاہدہ نہیں ہوتا	تجارت کا معاہدہ ہوتا ہے
بقدر ملک ربح ہوتا ہے	مقررہ شرح کے مطابق نفع تقسیم ہوتا ہے
وکالت یا کفالت نہیں ہوتی	وکالت اور بعض میں کفالۃ بھی ہوتا ہے
چیز باقی رہتے ہوئے شرکت ہوتی ہے	چیزوں کی خرید و فروخت جاری رہتی ہے

کتاب الوقف

وقف کی شرعی حیثیت

امام صاحب کا موقف بالکل ہی الگ ہے، ان کے نزدیک وقف سابقہ شریعتوں میں ہوتا تھا، اس شریعت میں کوئی وقف کرنا چاہے تو وقف کر تو سکتا ہے لیکن وہ عاریت کی طرح رہے گا کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے لیکن ملکیت واقف ہی کی رہے گی، لہذا وراثت بھی جاری ہو گی، بیع اور ہبہ بھی اس کا جائز ہے۔ جس طرح مسجد کو وقف کیا جاتا ہے تو واقف بالکل ہی اس سے لاتعلق ہو جاتا ہے عام اشیا کا وقف اس طرح لازم نہیں ہو گا۔ ہاں! اگر کوئی حاکم یا قاضی اس مسئلے میں علما کے اختلاف کے تحت وقف کو نافذ کر دے تو حکم الحاکم رافع للخلاف کے تحت وقف لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اپنی موت پر وقف معلق کر دے تو وصیت کا قاعدہ چلے گا۔ مرض الوفات میں وقف کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ وقف لازم نہ ہو گا بلکہ عاریت کی طرح ہو گا چنانچہ اس کے اندر وراثت جاری ہو گی۔

صاحبین کے نزدیک وقف کرنے سے وقف لازم ہو جاتا ہے اور مالک کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ ان کی دلیل روایات ہیں جن سے وقف کی اجازت اور نفاذ معلوم ہوتا ہے: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِينَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تُدْعَى ثَمْغٌ تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ

وقف کرنے کا طریقہ

امام محمد رحمہ اللہ وقف کو زکوۃ کے مشابہ قرار دیتے ہیں، جیسے زکوۃ میں تملیک ضروری ہے، وقف کے لیے بھی متولی بنانا اور اس کو حوالے کرنا ضروری ہے نیز جیسے مسجد اور قبرستان بناتے وقت خود امام ابو یوسف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ متولی بنانا اور اس کے حوالے کرنا ضروری

ہے عام اوقاف میں بھی ضروری ہوناچاہیے،اس کے بغیر وقف کا تحقق نہیں ہو گا۔ہاں!اگر وہ چیزناقابل تقسیم ہوتوپھر تقسیم کے بغیر بھی وقف درست ہے۔

تاہم محققین نے امام ابویوسف کے قول پر فتوی دیاہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے سے وقف ہوجاتاہے،جیسے غلام آزاد کرتے وقت صرف زبان سے کہہ دیناکافی ہے،لہذانہ تقسیم کی ضرورت ہے نہ متولی بنانے کی۔چنانچہ مشاع کاوقف امام ابویوسف ؒ کے نزدیک جائز ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے؛کیونکہ وقف کامطلب اپنی ملکیت کوساقط کرناہے اور اسقاط ملک میں تسلیم وتسلم ضروری نہیں ہوتا۔

کوئی جگہ مسجد کیسے بنتی ہے؟

بعض نے امام محمد کے قول فتوی دیاہے کہ مسجد کی جگہ تعین کرنے اور اس کاراستہ الگ کرنے کے بعد کم از کم ایک بار باجماعت نماز اداکرلی جائے۔شامی اور احسن الفتاوی میں قول ابویوسف کومفتی بہ کہاگیاہے کہ زبان سے کہہ دینے سے مسجد بن جاتی ہے۔

وقف المشاع

عام اشیاکے وقف میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ہے کہ جائز ہے۔تاہم احتیاط امام محمد کے قول میں ہے۔امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جب مشاع کاوقف جائز ہے تواس کالازمی تقاضایہ ہے کہ جب شریک تقسیم کامطالبہ کرے تواس طرح تقسیم کرنی ہوگی کہ وقف کانقصان نہ ہو۔نیز تقسیم کومبادلہ کے بجائے افراز کہیں گے ورنہ وقف کامبادلہ کہاں جائز ہے؟

مسجد کا مشاع وقف

مسجد کے اندر مشاع وقف بالاتفاق جائز نہیں؛ کیونکہ یا تو شریک کی دخل اندازی رہے گی یا پھر مہایات کی صورت میں لازم آئے گا کہ ایک سال یا مہینا مسجد ہو اور اگلے سال یا مہینا اصطبل خانہ یا کوئی دکان یا رہائش گاہ وغیرہ بن جائے۔

قبرستان کا مشاع وقف

قبرستان کے اندر بھی مشاع وقف بالاتفاق جائز نہیں؛ کیونکہ یا تو شریک کی دخل اندازی رہے گی یا پھر مہایات کی صورت میں لازم آئے گا کہ ایک سال یا مہینا قبرستان رہے اور اگلے سال یا مہینا فصل لگا دی جائے یا اصطبل خانہ یا کوئی دکان یا رہائش گاہ وغیرہ بن جائے۔

کیا وقف کرتے وقت تابید کی صراحت ضروری ہے؟

طرفین بالخصوص امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب متولی بنانا اور تسلیم و تسلم ضروری ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ وقف کی جہت دائمی ہو، کبھی اس کے اندر تعطل نہ آئے اس لیے ان کے نزدیک زبان سے اس کی صراحت بھی ضروری ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صراحت کرنا ضروری نہیں کیونکہ وقف خود موبد ہی ہے۔ اگر وقف کی جہت ایسی ہو جو معطل ہو سکتی ہو تو بھی وقف رہے گا اور خود بخود مصارف وقف کے لیے وقف ہو گا۔

منقولات کا وقف

جن منقولات کے وقف کا عرف ہو جائے ان کا وقف جائز ہے، جن کا عرف نہ ہو ان کے لیے ضابطے کے مطابق یہ حکم ہے کہ جائز نہیں۔ یہ امام محمد کا قول ہے اور یہی مفتی بہ بھی ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اصالتاً جائز نہیں، زمین کے ساتھ ساتھ تبعاً اس کے عملے اور ساز و سامان کا وقف جائز ہے، اسی طرح گھوڑوں اور آلات جہاد کا وقف جائز ہے۔ امام

شافعی کے نزدیک صرف انہی منقولات کا وقف جائز ہے جن کو باقی رکھتے ہوئے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو اور بیع ممکن ہو، چنانچہ ان کے نزدیک کھانے پینے کی اشیا اور نقدی وقف نہیں ہوسکتی اسی طرح حمل وقف نہیں ہوسکتا۔

وقف کی تعمیر اس کی آمدنی سے کس قدر کی جائے؟

اوقاف کی آمدنی اوقاف کی تعمیر و مرمت پر بقدر ضرورت لگائی جائے؛ تاکہ وقف سے مسلسل انتفاع حاصل ہوتا رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کھنڈر بن کر قابل استعمال ہی نہ رہے، اس کے بعد بقیہ آمدنی موقوف علیہم کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ان پر خرچ کی جائے۔

تعمیر سے متعلق غیر کارآمد سامان

تعمیر سے متعلق غیر کارآمد سامان، مثلاً: ملبہ گارڈر، دروازوں وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ وقف کو ضرورت نہ ہو تو بیچ کر وہ رقم اسی وقف پر لگادی جائے، کسی اور جگہ نہیں لگاسکتے۔

آلات مسجد چٹائی، پنکھے، لائٹیں وغیرہ

اس کا حکم یہ ہے کہ واقف کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔

وقف کی آمدنی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر لگانے کی شرط

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے وعلیہ الفتوی

وقف کی تولیت اپنے پاس رکھنے کی شرط

درست ہے کما قال ابو یوسف رحمہ اللہ

استبدال وقف کی شرط

درست ہے۔

صرف ایک منزل پر مسجد

مسجد شرعی نہیں بنے گی؛ کیونکہ مسجد وہ ہوتی ہے جو آسمان سے تحت الثری تک مکمل طور پر مسجد کے لیے وقف ہو۔ یہاں دوسرے اقوال بھی ہیں لیکن ان پر فتوی نہیں۔

مصالح مسجد

مسجد بناتے وقت ہی مصالح مسجد کی نیت سے نیچے یا اوپر امام، موذن یا خادم کی رہائش یا گودام ، بیت الخلا، وضو خانہ وغیرہ بنانا درست ہے۔ مسجد بن جائے گی جیسے بیت المقدس، حرمین شریفین وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن مسجد بنا لینے کے بعد کسی حصے میں مصالح مسجد کے لیے رہائش یا گودام وغیرہ بنانا درست نہیں۔

غیر آباد مسجد

آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے غیر آباد مسجد مالک کی ملکیت میں لوٹ آئے گی ؟اس میں اختلاف ہے: عند محمد لوٹ آئے گی وعند ابی یوسف ملکیت میں نہیں لوٹے گی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔

مسافر خانہ، مقبرہ وغیرہ کا وقف

مسافر خانہ، قبرستان، سبیل، کنواں، حوض اور سرحدی چوکی کا وقف کیسے ہو گا ؟تو اس کا جواب یہ ہے کہ کم از کم ایک بار استعمال ہو جائے یا متولی کے حوالے کر دیے جائیں تب وقف ہوں گے۔

تعریفات اور اہم سوالات ہدایہ ثانی

(1) شرائط نکاح بیان کریں!

(2) ارکان نکاح کیا ہیں؟

(3) انواع نکاح بیان کریں!

(4) ولی، وکیل اور فضولی کے لحاظ سے نکاح کی جائز ناجائز صورتیں بیان کریں!

(5) مہر میں اختلاف کی چھ صورتیں بیان کریں!

(6) نکاح فاسد اور نکاح باطل میں فرق بیان کریں!

(7) نکاح متعہ اور نکاح مؤقت میں فرق بیان کریں!

(8) ولی اور وکیل نکاح میں فرق بیان کریں!

(9) کفو کسے کہتے ہیں؟

(10) کفاءت کا اعتبار کتنی چیزوں میں ہے؟

(11) ولایت اجبار کا کیا مطلب ہے؟

(12) احناف اور شوافع کے نزدیک ولایت اجبار کا دارومدار کس پر ہے؟

(13) حسب نسب میں کفاءت کا اعتبار عجم میں ہے یا عرب میں؟

(14) خیار بلوغ کا کیا مطلب ہے؟

(15) غیبۃ منقطعہ کی تعریف بتائیں!

(16) اقل مہر، مہر مثل، مہر مسمی، مہر فاطمی ان سب کی تعریف بتائیں!

(17) خلوت صحیحہ اور خلوت فاسدہ کا مطلب بتائیں!

(18) اسباب حرمت نکاح بیان کریں!

(19) حرمت مؤبدہ، حرمت مؤقتہ، حرمت قرابت، حرمت رضاعت، حرمت مصاہرت، حرمت جمع ان سب کی تعریف بتائیں!

(20) ملک یمین اور ملک نکاح جمع ہو سکتے ہیں؟

(21) حرمت مصاہرت ثابت ہونے کی احناف کے نزدیک کیا شرائط ہیں؟

(22) فراشِ قوی، فراش متوسط، فراش ضعیف ان تینوں میں فرق بتائیں!

(23) کتابیہ اور صابیہ سے کیا مراد ہے؟

(24) بکارت اور ثیوبت کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟

(25) بغیر مہر کے نکاح ہو جاتا ہے؟

(26) مہر کے ساتھ نکاح ہوا لیکن رخصتی سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تو کتنا مہر واجب ہو گا؟

(27) خلوت فاسدہ کے بعد طلاق ہو جائے تو عدت واجب ہے؟

(28) نکاح کے اصیل، وکیل، ولی اور فضولی: ان سب کے احکام میں کیا فرق ہے؟

(29) متعہ کتنے کپڑے ہوتے ہیں؟

(30) مجبوب اور عنین میں فرق بتائیں!

(31) لبن الفحل کی وضاحت کیجیے!

(32) وقوع طلاق کی کتنی شرائط ہیں؟

(33) طلاق رجعی، طلاق بائن، طلاق مغلظہ ان سب کی تعریف بیان کریں!

(34) طلاق احسن، طلاق حسن اور طلاق بدعت کا مطلب بتائیں!

(35) سنت فی الوقت اور سنت فی العدد سے کیا مراد ہے؟

(36) طلاق صریح اور طلاق کنایہ کی تعریف بیان کریں!

(37) مذاکرۂ طلاق کسے کہتے ہیں؟

(38) جواب ورد، جواب وسب، جواب فقط ان کا مطلب اور مصداق بتائیں!

(39) تفویض طلاق کی تین صورتیں مع فرق بتائیں!

(40) طلاق الفار کی اصطلاح کہاں استعمال ہوتی ہے؟

(41) مرض الوفات میں طلاق کی صورتیں بتائیں!

(42) کیا دوام وطی کو نئی وطی شمار کیا جائے گا؟

(43) زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح درست ہے؟

(44) ثیبہ کا نکاح اس کی زبانی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے؟

(45) زوال ملک سے یمین ختم ہو جاتی ہے؟

(46) تین طلاق سے بچنے کا حیلہ بتائیں!

(47) ان شئت، اذا شئت، اذا ماشئت، متی شئت، متی ماشئت، کلما شئت، حیث شئت، کیف شئت، کم شئت، ان سب میں کیا فرق ہے؟

(48) طلاق کے بائن بننے کا کیا اصول ہے؟

(49) انت طالق غدا اور انت طالق فی غد میں کیا فرق ہے؟

(50) انت طالق ان لم اطلقك اور انت طالق اذا لم اطلقك میں کیا فرق ہے؟

(51) دودھ کے ساتھ کوئی اور دودھ یا چیز مل جائے تو حکم میں کیا فرق آئے گا؟

(52) مہر مثل میں کتنی چیزوں کو مدنظر رکھنا چاہیے؟

(53) مہر مثل باپ کے خاندان کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے یا ماں کے؟

(54) "میں نے اپنا آپ تمہیں کرایہ پر دیا" ان الفاظ سے نکاح ہو جائے گا؟

(55) دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لا سکتے ہیں؟

(56) امام شافعی کے نزدیک زنا اور دواعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے؟

(57) مسلمان عورت کا کتابی سے نکاح ہو سکتا ہے؟

(58) باکرہ کو دودھ اتر آیا اور وہ اس نے بچے کو پلا دیا تو رضاعت ثابت ہو گی؟

(59) حالت حیض میں ایک طلاق رجعی دینا طلاق بدعت ہے یا طلاق سنت؟

(60) انت طالق کہہ کر بیڑی سے آزاد ہونا مراد لے تو دیانتا اس کی بات معتبر ہے یا قضاء؟

(61) طلاق قبل الدخول میں عدت ہے یا نہیں؟

(62) احناف کے نزدیک اسلام زوجین میں فرقت کا سبب بن سکتا ہے؟

(63) بیویوں کے درمیان عدل کا حکم سفر کے معاملے میں معاف ہے؟

(64) رضاعی باپ کی دوسری بیوی سے نکاح درست ہے؟

(65) کنایات میں سے ہونے کے باوجود طلاق رجعی ہو ایسے الفاظ کتنے ہیں؟

(66) "تو مجھ پر حرام ہے" یہ لفظ آج کل کون سی طلاق کے الفاظ میں سے ہے۔

(67) کسی شخص کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنایا تو وکیل کو طلاق کا اختیار کب تک رہے گا۔

(68) طلاق سے رجوع کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

(69) حلالہ شرعیہ کا طریقہ بتائیں!

(70) ایلاء کن الفاظ سے ہوتا ہے؟

(71) خلع کسے کہتے ہیں؟

(72) خلع اور طلاق میں فرق بیان کریں!

(73) مباراۃ اور خلع میں کیا فرق ہے؟

(74) ظہار کسے کہتے ہیں؟ اور کن الفاظ سے ظہار ہوتا ہے؟

(75) لعان کی تعریف کریں!

(76) قذف صریحی اور قذف کنائی اور دونوں کے اجتماع کی صورتیں بیان کریں!

(77) کن عیوب کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے؟

(78) عدت وفات عدت طلاق اور اس کی صورتیں بیان کریں!

(79) نکاح فاسد اور وطی بالشبہۃ کی عدت کیا ہے؟

(80) شرعاً عدت کہاں گزارنی چاہیے؟

(81) طلاق کے بعد بچوں کا حق حضانت کس کو ملتا ہے؟

(82) نفقہ واجب ہونے کے اسباب ثلاثہ بیان کریں!

(83) نفقہ دین ہوتا ہے یا صلہ واحسان؟

(84) دس صورتوں میں نفقہ واجب نہیں ہوتا وہ بیان کریں!

(85) نفقہ زوجیت اور نفقہ اقارب میں تین فرق بیان کریں!

(86) قسم کی اقسام ثلاثہ بیان کریں!

(87) انعقاد یمین کی پانچ صورتیں بیان کریں!

(88) نذر معلق کی دو صورتیں ہیں، دونوں بیان کر کے حکم میں فرق بیان کریں!

(89) محاورات عرب کے لحاظ سے لا یدخل هذه الدار اور لا یدخل هذا البیت میں کیا فرق ہے

(90) یمین فور کی تعریف اور صورت بیان کریں!

(91) یمین میں امکان بر کی شرط ہے یا نہیں؟

(92) حد کے لغوی و اصطلاحی معنی بتائیں!

(93) حدود کل کتنی ہیں؟

(94) رجم کے احصان کی شرائط کتنی ہیں؟

(95) الحدود تندرء بالشبهات اس قاعدے کی مختصر تشریح کریں!

(96) شبہ فی الفعل اور شبہ فی المحل کی تشریح کریں!

(97) لواطت کی سزا کے بارے میں نوٹ لکھیں!

(98) حدود میں گواہی رد ہونے کے آٹھ اسباب بیان کریں!

(99) حد قذف کے احصان کی شرائط بیان کریں!

(100) ایک طرف کم سے کم تعزیر کی ضربات مقرر کی گئی ہیں دوسری طرف تعزیراً قتل کی اجازت بھی دی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیا ہے؟

(101) سرقہ کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کریں!

(102) کہاں ہاتھ کاٹے جائیں گے کہاں نہیں اس کے صرف دس اصول بیان کریں!

(103) ڈکیتی کی درجہ بدرجہ سات صورتوں کو بیان کریں!

(104) جہاد کب فرض کفایہ ہوتا ہے اور کب فرض عین؟

(105) جہاد کے تین مراحل ہیں: دعوت الی الاسلام، دعوت الی الجزیہ اور جہاد بیان کریں۔

(106) جہاد میں جلانے کا جواز کب ہے؟

(107) کفار کے ساتھ صلح کی کتنی صورتیں ہیں؟ جائز ناجائز دونوں صورتیں بیان کریں!

(108) غنیمت کی اقسام مع حکم بیان کریں: غیر منقولہ، منقولہ صامتہ، منقولہ ناطقہ

(109) غنیمت کی تقسیم کا طریقۂ کار بیان کریں!

(110) خمس غنیمت کے حق دار کون کون ہیں؟

(111) عشر و خراج اور عشری زمین اور خراجی زمین کی تعریفات بیان کریں!

(112) خراج کی مقدار باعتبار اشخاص بیان کریں!

(113) جزیے کی دونوں قسمیں بیان کریں!

(114) مرتد کو مہلت دی جائے گی یا نہیں؟

(115) باغیوں کے جرائم کی چاروں صورتیں مع حکم بیان کریں!

(116) مفقود کی میراث کا حکم بیان کریں!

(117) شرکت کی اقسام مع احکام بیان کریں!

(118) نفع تین چیزوں کے بدلے میں لیا جا سکتا ہے، کون کون سی؟

(119) کن چیزوں میں شرکت فاسد ہو جاتی ہے؟

(120) شرکت فاسدہ کا کیا حکم ہے؟

(121) وقف کب وجود میں آتا ہے؟ تینوں مذاہب بیان کریں!

(122) وقف مشاع جائز ہے یا نہیں؟

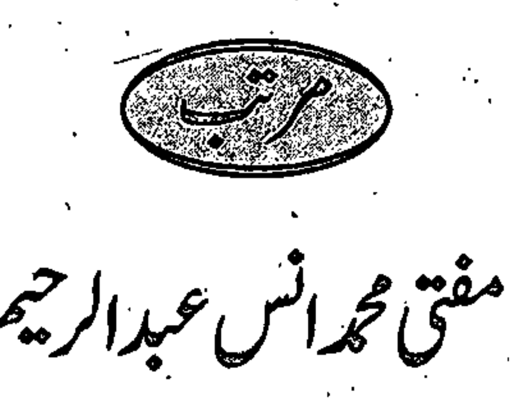
(123) منقولات کا وقف درست ہے؟

(124) استبدال وقف کی شرعاً اجازت ہے؟

(125) مسجد اور عام وقف میں کیا فرق ہے؟

(126) امام مسجد کے لیے گھر اور دیگر مصالح مسجد، مسجد میں بنائی جا سکتی ہیں؟

گلدستۂ سیرت



مرتب

مفتی محمد انس عبدالرحیم

مدرسہ فاطمہ زہراء

صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

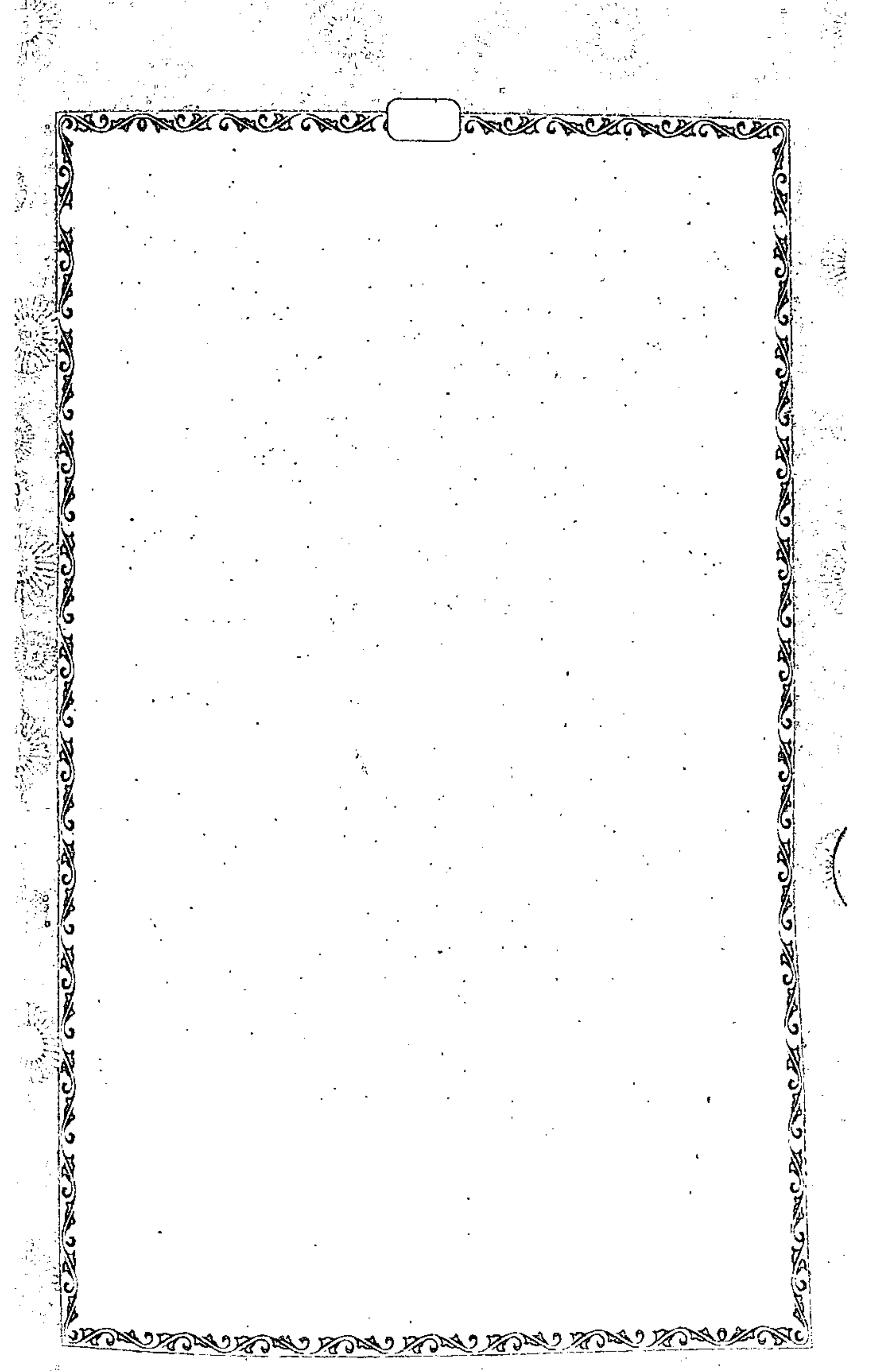
WWW.SUFFAHPK.COM

تلخیصِ اصولِ افتاء

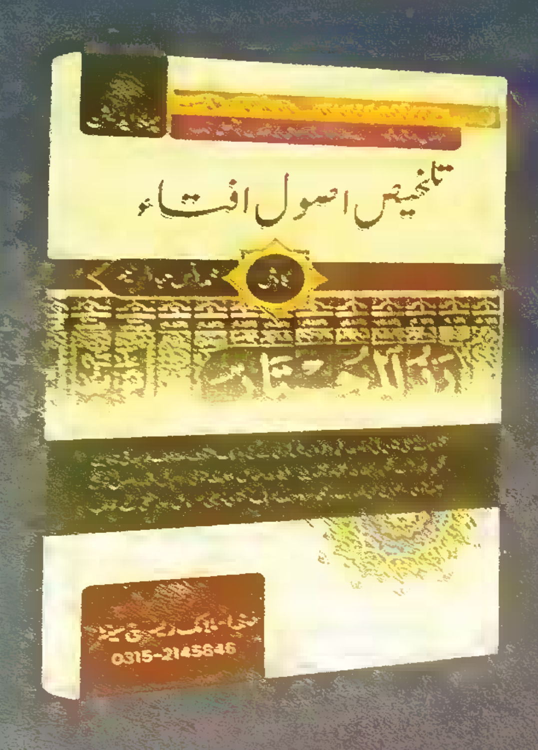


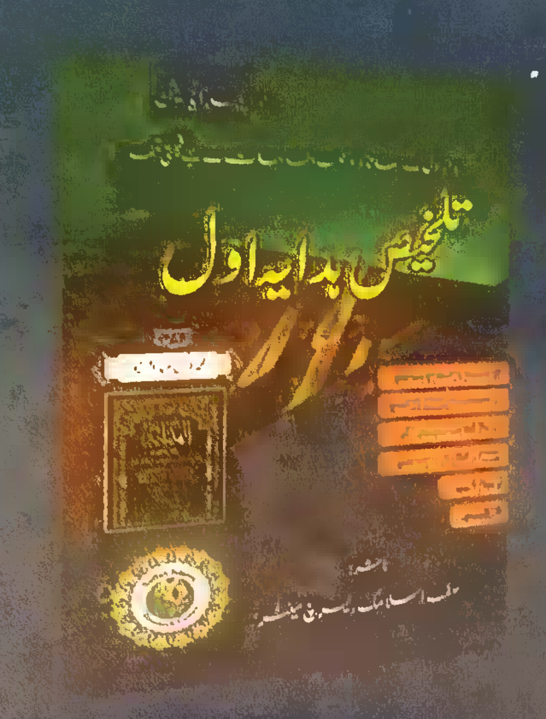
مفتی محمد انس عبدالرحیم

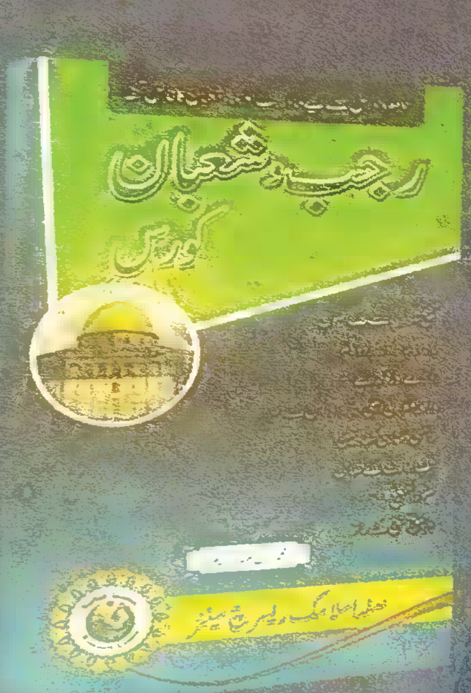
صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

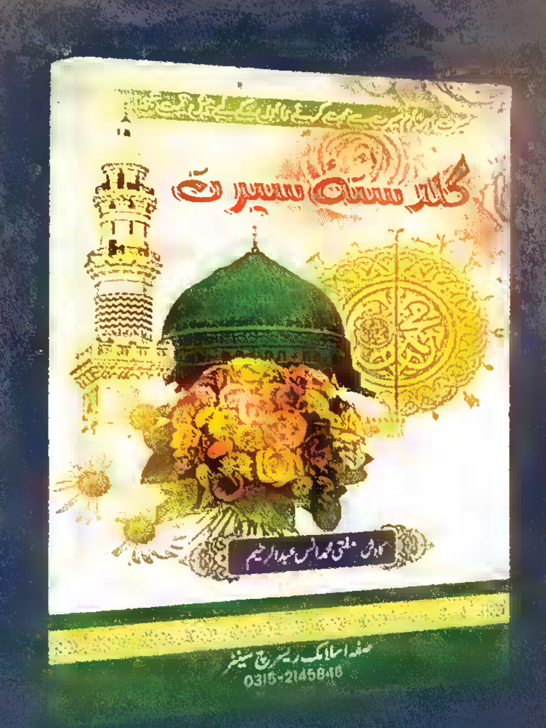





تلخیص اصول افتاء
0315-2145846


تلخیص ہدایہ اول


رجب و شعبان
کورس


گلدستۂ سیرت
صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر
0315-2145846